

اردو - انگریزی (الکھڑی)
ماہنامہ
کھتر الایمان

حیف ایڈیٹر
محمد نعیم طاہر ضوی

اہلسنت و جماعت کا ترجمان
فجر اسلام آباد

جلد ۲ جمادی الآخر ۱۴۱۵ھ ، نومبر ۱۹۹۴ء شمارہ ۹



قوم پرست
مولویوں کے
اسلامی تعلیم
اداروں پر بیخاں



مسٹر گاندھی
مسلمانوں کی انفرادیت ختم
اور رام راج قائم کرنے میں
منہمک تھے



تحریک خلافت
و ترک موالات نمبر



کانگریسی مولویوں
کی ہندو نوازی نے
اسلام اور مسلمانوں
کو بے حد نقصان پہنچایا

امام احمد رضا رحمہ اللہ
کے باطل شکن فتویٰ نے
اسلام دشمنوں کے عزائم کو
خاک میں ملا دیا



قائدین اور یونینڈ
اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں
لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے

مترجم قرآن پاک
کنز الایمان
کہہ کر طلب کریں

جمادی الاخرہ ۱۴۱۵ھ
نومبر ۱۹۹۳ء

جلد نمبر ۴
شمارہ نمبر ۹

بفضائل نظر علیہ السلام احمد رضا خان حنفی قادری

ماہنامہ کنز الایمان
جلد نمبر ۴
شمارہ نمبر ۹
جلد نمبر ۴
شمارہ نمبر ۹

سبب ایڈیٹر

ایڈیٹر

چیف ایڈیٹر

طارق محمود عزیزی

رانا شبیر احمد

محمد نعیم اہر ضوی

انتظامیہ،
ڈاکٹر خالد فخر
آزاد حسین شیخ
شکیل احمد

اشتہارات،
عبدالوہید ساروی
ناصر عزیز

پبلشر، ڈاکٹر محمد جمیل
پرنٹر، محمد مسدیم
چاپ پرنٹنگ پریس
لاہور کینٹ،

ایسٹنٹ مینیجر

تحریک خلافت و ترک موالات نمبر
مترجمہ
نور الدین فریدی

قیمت مجموعہ شمارہ ۲۵ روپے

قیمت فی شمارہ ۴ روپے : سالانہ ۴۰ روپے
ڈرافٹ : ماہنامہ کنز الایمان لاہور
اکاؤنٹ نمبر ۱۷-۵۶۸۵ حبیب بینک لاہور
کینٹ - پاکستان

مجلس ادارت،
طارق محمود بیٹ
ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی
مجلس مشاورت،
مذاشر ارج احمد عادل
شیخ عبدالحمید جلالی شرعی

سرکولیشن،
فطر نور محمد رانا
شفقت وید قادری

ماہنامہ "کنز الایمان" لاہور
دہلی روڈ صدر بازار لاہور چھاتی
فون نمبر ۱۹۲۷-۳-۲۹۲۷-۳

خط و کتابت
قریب زکریا

زیر تعاون { امریکہ : ۲۵ ڈالر
یورپ : ۳۰ ڈالر
عرب : ۲۰ ڈالر
ایران - ترکی، عراق : ۵ ڈالر

مجرم کون؟

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے تحریک خلافت و ترک موالات میں جوش و خروش سے حصہ لے کر اگرچہ بہت نقصان اٹھایا لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ ہندوؤں کی ذہیت اور خطرناک منصوبوں سے آگاہ ہوئے اور دو قوی نظریہ پر ان کا ایمان مزید مضبوط ہوا لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان اہم تحریکوں کے ساتھ مورخین نے انصاف نہیں کیا، کسی بھی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لے، چند صفحات سے زیادہ مواد نہیں لے گا، وجہ یہ ہے کہ اکثر لکھنے والوں نے ذاتی پسند و ناپسند اور شخصیت کے پیش نظر ان پر کھل کر اظہار خیال نہیں کیا حالانکہ تاریخی نقطہ نظر سے یہ رجحان مستحسن نہیں کیونکہ اس طرح ہم ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کر سکتے ہیں، صحیح لائحہ عمل اختیار نہیں کر سکتے، نیز صحیح حالات و واقعات کو پردہ افشا میں رکھ کر ہم نئی نسل کو نظریہ پاکستان سے بے خبر رکھتے اور ہندوؤں کے ایک قوی نظریہ کو تقویت پہنچانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کو ملی خود کشی سے بچانے کی خاطر جن محسنین قوم نے اپنی شہرت اور عزت و وقار کو داؤ پر لگا کر ان تحریکوں کی بھرپور مخالفت کی، ان کے نقطہ نظر کو تاریخ کے صفحات میں مناسبت جگہ نہیں دی گئی بلکہ سنی علماء و مشائخ کی بدوہد اور شاندار کارناموں کا تو ذکر تک نہیں کیا گیا ہے، بعض حضرات نے کرم نوازی بھی کی تو خوف خدا سے بے نیاز ہو کر نفی انداز اختیار کیا، جہاں تک معتدین و خدام کا تعلق ہے تو ان میں سے اکثر نے اس جانب توجہ ہی نہیں کی، بعض نے ایک آدھ نے ایک آدھ مضمون لکھ کر یہ سمجھ لیا کہ حق ادا ہو گیا، حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی اور اب بھی ہے کہ اس موضوع پر مسلسل تحقیق اور جدید انداز میں لکھا جائے اور لکھنا چاہئے۔ یہ اس کا خبری ابتدا ہے۔

ان تحریکوں کے دوران جس نے جو کچھ بھی کیا، ہم نے اسے مستند ماخذ کے حوالے سے عقیدہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود بعض ایسے افراد جو اپنے حضرت کا جہنم اہر حال میں اونچا رکھنے کے خواہش مند ہیں، شاید اس تحریر سے مطمئن نہیں ہوں گے لیکن ہم انہیں اور دیگر سب حضرات کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد کسی کی دل آزادی کرنا ہرگز نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حالات کا صحیح رخ پیش کرتے وقت بعض ایسے واقعات کا تذکرہ بھی مجبوراً کرنا پڑتا ہے جو اگرچہ سچ پر مبنی ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ انہیں عوام کی نظروں سے اوجھل رکھنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہر حال میں خوش رکھنا کسی بھی شخص کے بس کی بات نہیں۔ تاہم اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ غلطیوں کی نشاندہی فرما کر شکر یہ ادا کرنے کا موقع ملاحظہ فرمائیں۔

اس نمبر کو جناب زین الدین ذہیری صاحب نے دن رات ایک کر کے تیار کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی کاوش کو قبول فرمائے آمین۔

اس کی کچھ رنگ کے تمام اخراجات جناب جلال الدین صاحب نے ادا کیے مولا تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔ اس کے علاوہ حکیم المہنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (ادائی تحریک یوم رضا پاکستان) محترم ظہور الدین صاحب سوہیوال کالونی لاہور اور پیر زادہ اقبال احمد فاروقی صاحب اور دیگر احباب کے بھی تہہ دل سے مشکور ہیں ان میں سے بعض نے حوصلہ افزائی فرمائی اور بعض نے قیمتی مواد فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنائے آمین۔

قارئین سے اتنا ہے کہ اسے پڑھ کر اپنی آراء سے ضرور نوازیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

☆ لوگ ہمیشہ سوالات کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ (جب ان سے) یہ کہا جائے گا کہ (ساری) مخلوقات کو خدا نے پیدا کیا ہے تو (کہیں گے کہ) خدا کو کس نے پیدا کیا ہے پس جس شخص کے دل میں اس قسم کا دوسوہ پیدا ہو۔ وہ فوراً یہ کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا (اور ان دوسوہوں سے توبہ کی)

☆ شیطان انسان کی ترکوں میں اس طرح جاری و ساری ہے جس طرح خون جاری و ساری ہے۔

☆ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان اس امر سے مایوس ہو گیا ہے کہ صلی (مومن) جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں (یعنی بت پرستی میں مبتلا رہیں) اور اسی وجہ سے وہ ان کے درمیان لڑائی بھڑکا پیدا کرتا رہتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان ابن آدم پر تصرف رکھتا ہے اور فرشتہ بھی انسان پر تصرف رکھتا ہے۔ شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ انسان کو برائی کا وعدہ دیتا اور حق کو بھٹلانے پر آمادہ کرتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ دیتا اور حق کی تصدیق کراتا ہے۔ پس جس کے دل میں بھلائی کا خیال پیدا ہو اس کو خدا کی جانب سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا۔

☆ چاہئے اور جس کے دل میں برائی کا دوسوہ پیدا ہو۔ تو اس کو شیطان رجیم کی طرف سے سمجھ کر خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

(مشکوٰۃ شریف - جلد اول - باب فی



عہدِ باری تعالیٰ

یا الہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہر مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الہی نامہ اعمال جب کھینے لگیں
عیب پوش خلق ستار خطا کا ساتھ ہو
یا الہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو
یا الہی جب حسابِ خندہِ عجب رُلائے
چشمِ گریانِ شفیع مرتجا کا ساتھ ہو
یا الہی رنگِ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن کی نیچی پنچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو
یا الہی جب چلوں تاریک راہِ پُلِ صراط
آفتابِ ہاشمی نورِ الہی کا ساتھ ہو
یا الہی جب سرِ شمشیر پر چلتا پڑے
رَبِّ مِیلم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادی دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الہی گورتیں مریں جب آئے سخت رات
اُن کے پیارے مُنہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو
یا الہی جب پڑے عشر میں شورِ دار و گمیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یا الہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہرِ جو دو عطا کا ساتھ ہو
یا الہی سرد مہری پر ہو جب غورِ شیدِ حشر
میتِ بے سایہ کے قتلِ لوا کا ساتھ ہو
یا الہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لبِ امین دینا کا ساتھ ہو
یا الہی جب رفتِ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

اَشْيَاكَ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

نعتِ رسول مقبول ﷺ

از۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کھانا کھانے کے آداب

- ۱۔ کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لینی چاہئے۔
بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کیا جائے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔
- ۲۔ دسترخوان پر اگر اشعار وغیرہ لکھے ہوں تو اس پر کھانا جائز ہے۔
- ۳۔ کھانا کھاتے وقت جوتے اتار لینا سنت ہے۔

الٹی سورتوں کا فیصلہ

بعض وظائف میں سورتوں کا الٹا کر کے پڑھنا سخت گناہ اور قریب کفر ہے۔ سورتوں کی صرف ترتیب بدل کر پڑھنے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”کیا ایسا کرنے والا ڈرتا نہیں کہ اللہ اس کے قلب کو الٹ دے۔“

۵۶۔ مسجد میں دنیا کی کوئی بات نہ کی جائے۔
ہاں اگر کوئی دینی بات کسی سے کہتا ہو تو قریب جا کر آہستہ سے کہنا چاہیے۔ نہ کہ ایک آدمی مسجد میں کھڑے ہو کر دوسرے آدمی سے جو سڑک پر کھڑا ہو چلا کر بات کرے۔ یا کوئی آدمی مسجد کے باہر سے پکارے اور سمجھ سکے اندر سے بلند آواز سے جواب دیا جائے۔

دل کو اُن سے خُدا جدا نہ کرے
اُس میں روضہ کاسجد ہو کہ طواف
یہ وہی ہیں کہ بخش دیتے ہیں
سب طبیبوں نے دیا ہے جواب
دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
عذرِ اُمیدِ عفو گز نہ نہیں
دل میں روشن ہے شمعِ عشقِ حضور
حشر میں ہم بھی سیر و دیکھیں گے
ضعف مانا مگر غیظِ اہلِ دل
جب تری غم ہے سب کا جی رکھنا
دل سے اک فوقیئے کا طالب ہوں
بیکی لُٹ لے خدا نہ کرے
ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے
کون ان مجرموں پر سزا نہ کرے
آہ عیسے اگر دوا نہ کرے
ارے تیرا خُدا بُرا نہ کرے
روسیاہ اور کیا بہانہ کرے
کاش بخش ہو س ہوا نہ کرے
مگر آج اُن سے التجا نہ کرے
اُن کے رستے میں تو تھکا نہ کرے
وہی اچھا جو دل بُرا نہ کرے
کون کہتا ہے اتنا نہ کرے

لے رضا سب چلے مدینے کو

میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

مرید اعلیٰ حضرت حافظ محمد حسین رضوی انتقال کر

گئے۔

انتقال کر گئے۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

کنز الایمان سوسائٹی کا ایک تعزیتی اجلاس سوسائٹی کے بانی و صدر محمد نعیم طاہر رضوی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں حافظ صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور پسماندگان سے اہتمام تعزیت کیا گیا۔ اجلاس میں مرحوم کی کنز الایمان سوسائٹی کے لئے کاوشوں کو سراہا گیا۔

لاہور۔ کنز الایمان سوسائٹی کے خصوصی محاور اور امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید حافظ محمد حسین رضوی صاحب ۱۲ اکتوبر کو

کنز الایمان سوسائٹی

مختصر تعارف

خزانی اور دوس قرآن کے آذوقہ اور ویڈیو کیٹ حوام کے استفادہ کے لئے بلا معاوضہ موجود ہیں۔
قرب و جوار کے ششمن علم شام کے اوقات میں لائبریری آکر میر ہوتے ہیں۔ لائبریری کے قیام سے لے کر آپ تک کے اخبارات و رسائل و جرائد کے فائل بھی محفوظ ہیں۔

علم قاری کلاس

سوسائٹی کی جانب سے چالیس روزہ قاری کلاس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سولہ سال سے پندرہ سال کی عمر تک کے احباب نامہ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ سینکڑوں طلباء اس کلاس کے ذریعہ نامہ قرآن پاک پڑھ چکے ہیں۔ قاری کلاس کے طلباء کو کورس کی کتابیں اور کتابیں پین و فیرو بھی سوسائٹی کی طرف سے مفت مہیا کی جاتی ہیں اور کلاس کے اختتام پر اسناد و دیگر کتب کے علاوہ حرم قرآن پاک کنز الایمان کے لئے بھی تمام طلبہ میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔

علم مقدس اور اراق کو بے حرمتی سے بچانے کا اہتمام

سوسائٹی کی جانب سے قرآن حکیم و حدیث شریف کے مقدس اور اراق کو دغز میں جگ کر کے انہیں اسلامی طریقہ سے دریا ہو کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ معاشرہ میں غیر شرعی حرکت روکنے کا اہتمام

کنز الایمان سوسائٹی کی طرف سے اصلاح معاشرہ کے لئے مختلف مواقع پر علمی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں علمائے کرام اپنی بصیرت افروز تقاریر کے ذریعہ معاشرہ میں موجود برائیوں کو دور کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوسائٹی کی طرف سے اصلاحی پروگرام بھی شائع کئے جاتے ہیں جن میں حوام کو غیر شرعی رسالت کو ترک کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اب تک درج ذیل عزائمات کے تحت ہزاروں کی تعداد میں پروگرام شائع کئے جا چکے ہیں۔

۱۔ عہد اوقف سے پہلے (درگاہ حضرت میاں میر کے بارے میں) :

۲۔ کیا حضرت داتا گنج بخشؒ نے کہا تھا یا کیا حاکم؟

۳۔ اہل عام اسٹنٹ کشر صاحب (جشن مید میلاد اہل بیتؑ کے موقع پر ذکر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی مختلف تعارف نہیں۔ دنیائے اسلام اس عظیم شخصیت کے کارناموں سے بخوبی واقف ہے۔ خصوصاً تصنیف و تالیف میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ مقام حاصل ہے جہاں انہوں نے مختلف علوم و فنون پر ایک ہزار سے زیادہ کتب تصنیف کیں وہاں انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ نامہ "کنز الایمان" بھی کیا یہ ترجمہ ان کی دوسری تصانیف کی طرح ان کے مشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔

کنز الایمان سوسائٹی کا قیام اسی ترجمہ قرآن حکیم کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں دسمبر ۱۹۸۳ء میں عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد

- ۱۔ اور ترجمہ قرآن "کنز الایمان" کی اشاعت و مفت تقسیم۔
- ۲۔ اختر رضا لائبریری کا قیام
- ۳۔ اعلیٰ حضرت فری لائبریری کا قیام
- ۴۔ صحیح بخاری سنن کالج کا قیام
- ۵۔ اسلام کے صحیح مذاہب و نظریات کی ترویج و اشاعت کے لئے غیر مطلوبہ و ناپسند کتب و رسائل کی معیاری اشاعت و تقسیم۔
- ۶۔ امام احمد رضا خان بریلوی کی یاد میں "امام احمد رضا کانفرنس" کا انعقاد۔
- ۷۔ اسلامی قری حواموں پر خصوصی اجتماعات کا اہتمام
- ۸۔ درس قرآن و حدیث کا خصوصی اہتمام کرنا
- ۹۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہنا

خدمات کا مختصر جائزہ

۱۔ اختر رضا لائبریری

پھر اکتوبر ۱۹۸۳ء کو دہلی ہوا صدر بازار لاہور چھاؤنی میں "اختر رضا لائبریری" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ لائبریری نبیۃ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد اختر رضا خان الازہری قادری بریلوی مدظلہ العالی صدر سنی جمعیت العلماء ہند کے نام نامی سے منسوب ہے۔ لائبریری میں ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہزاروں مفید ترین کتب اور ۲۰۰ سے زیادہ رسائل و جرائد کے علاوہ اخبارات اور علمائے کرام کی تقاریر مفت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فری ڈسپنری

فلج الاسلام والمسلمین امام اعلیٰ سب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قاضی بریلوی کی یاد میں اعلیٰ حضرت ڈسپنری کے قیام کا منصوبہ ہے جہاں پر غریب و متوسط طبقہ کے افراد کو علاج ساجد کی مفت سہولتیں دستیاب ہوں گی۔

قرآن پاک کی اشاعت و مفت تقسیم

دنیا کے دیگر مذاہب کی مقدس کتب کی تقسیم مفت ہوتی ہے اس کا کوئی پتہ نہیں لیا جاتا لیکن قرآن حکیم جو کہ دنیا کے لوہے کوڑھ مسلمانوں کی الہامی کتاب ہے کو حاصل کرنے کے لئے دیا پڑتا ہے۔ ”کنز الایمان“ سوسائٹی کا سب سے اہم اور بڑا منصوبہ یہی ہے کہ قرآن پاک کو دستہ پہنچانے پر شائع کر کے اس کو مفت تقسیم کیا جائے اس منصوبہ پر لاکھوں روپے کی لاگت آئے گی اس لئے اس کی اشاعت کے لئے ایک الگ فنڈ قائم کر دیا گیا ہے جس میں صرف اشاعت قرآن پاک کے لئے فنڈ جمع ہو گا اس کا نام ”کنز الایمان فنڈ“ ہے قرآن پاک اردو ترجمہ کے علاوہ دنیا کی دیگر زبانوں میں علیحدہ علیحدہ شائع کیا جائے گا۔

کنز الایمان سوسائٹی اپنے ان عظیم مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوشاں ہے لیکن اس گراں دور میں علوم و فنون اور قرآن کی خدمت کچھ آسان کام نہیں ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ صاحب ثروت حضرات سوسائٹی کی سرپرستی فرماتے ہوئے مقدور بھرتیوں فرمائیں تاکہ یہ منصوبہ جات پایہ تکمیل کو پہنچیں۔

ترتیل زر کا پتہ

محمد نعیم طاہر رمضی۔ بانی و صدر
کنز الایمان سوسائٹی دہلی روڈ صدر
لاہور چھانڈی

ذریعہ چیک: ذراغت نام ”کنز الایمان سوسائٹی“ کا بواکر بھیجیں۔ حسب بینک
لیڈ لاہور کینٹ براچ: اکاؤنٹ نمبر 34-109-5

کنز الایمان کے ابراہیم کا طریقہ

70 روپے سے زائد پستہ پستی آرڈر کریں۔ کس سال پر
آپ کو گھر پہنچے گا اس کے بارے میں۔

پتہ ماہنامہ ”کنز الایمان“ مسد بازار لاہور چھانڈی

وائس و فیو کے بارے میں
سہ آخری چار شبہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

کتاب و رسائل کی اشاعت

سوسائٹی کی طرف سے اب تک درج ذیل عنوانات کے تحت کتب و رسائل بڑاؤں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔
(۱) لوہگرہ (۲) چالیس احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) وصایا قریہ (۴) شاہ فہ کے نام مکتوب گرامی۔
کئی ایک مسودے سرمایہ کی کمی کے پیش نظر اشاعت کے منتظر ہیں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کانفرنس کا انعقاد

سوسائٹی کے زیر اہتمام ۱۹۸۷ء سے جناح ہال لاہور میں امام المہنت امام احمد رضا خاں بریلوی کی یاد میں ہر سال ملکی سطح پر ”امام احمد رضا کانفرنس“ نہایت ترک و اشتہار کے ساتھ انعقاد پذیر ہوتی ہے جس میں ملک بھر سے علماء، مشائخ، دانشور، مفکر، شاعر، ادیب، قانون دان اور صحافی وغیرہ امام اعلیٰ سنت کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ماہنامہ ”کنز الایمان“ لاہور کا اجراء

سوسائٹی کے زیر اہتمام مارچ ۱۹۹۳ء سے انگریزی اور اردو میں ماہنامہ ”کنز الایمان“ لاہور کا اجراء کیا جا چکا ہے جس کے ذریعے دین اسلام کے صحیح عقائد و نظریات کی اشاعت و ترویج کا کام کیا جا رہا ہے۔

کنز الایمان سوسائٹی کے آئندہ عزائم

سرخ بخش رحمۃ اللہ علیہ سائنس کالج

مخدوم الاولیاء سند الواصلین حضرت علی ہجویری السوفیہ بہ داتا گنج بخش کی یاد میں سرخ بخش سائنس کالج کے قیام کا منصوبہ ہے جہاں پر سائنس و علوم و طبہ کی سرپرستی کی جائے گی اور انہیں زور تعلیم سے تہمتہ کرنے کے لئے مفت تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں گی تاکہ وہ سائنس میں اپنا مقام بنا سکیں۔

”تحریک خلافت و ترک موالات“ نمبر کی اشاعت پر پیغامات

دور میں اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ بعد میں قیام پاکستان اس کے اسباب اور عوامل کی ساری عمارت اپنی تحریکوں کے فہم و ادراک پر استوار ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت اور جرائے خیر عطا فرمائے۔
و اسلام

رئیس المحققین حکیم اہلسنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری

داعی تحریک یوم رضا پاکستان

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ”کنز الایمان“ لاہور

سلام و رحمت

یہ معلوم ہو کر قلبی مسرت حاصل ہوئی کہ آپ ماہنامہ کنز الایمان کا ”تحریک خلافت و ترک موالات“ نمبر نکال رہے ہیں۔ اس کے منظر عام پر آنے کے بعد قارئین کرام خود فیصلہ کریں گے کہ آپ نے قوم کو کیا دیا ہے۔

مفکر اسلام حضرت پروفیسر سید شاہ فرید الحق صاحب نائب

صدر ورلڈ اسلامک مشن

محترم چیف ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ”کنز الایمان“ لاہور

اسلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تحریر سے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ آپ ماہنامہ ”کنز الایمان“ کا نومبر ۱۹۹۳ء میں ”تحریک خلافت اور ترک موالات“ نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ وقت کی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کو اس وقت کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں۔ لوگوں کو علمائے حق اہلسنت کے کردار سے بھی واقفیت ہو سکے۔ بعض نام نہاد مسلم راہنماؤں کی صحیح حیثیت بھی آشکار ہو سکے۔ آپ قابل مبارکباد ہیں کہ اس شخص دور میں عوام اہلسنت کے اعمال اور عقائد سے متعلق صحیح راہنمائی کا فریضہ اپنے پے سچے کے ذریعے ادا کر رہے ہیں خدا آپ کو اور آپ کے رفقا اور معاونین کو جرائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت پیر سید محمد فاروق القادری مدظلہ، سجادہ نشین آستانہ

عالیہ قادریہ شاہ آباد شریف۔ گڑھی اختیار خان

جناب ایڈیٹر صاحب کنز الایمان

سلام ممنون:-

یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کنز الایمان کا ”تحریک خلافت و ترک موالات“ نمبر شائع کر رہے ہیں۔

برصغیر کی تاریخ میں اس تحریک کو اچھی طرح جاننا اور سمجھنا اس

تَسْبِيحُ الْمَاعُونِ لِلْمُسْكِنِ فِي الطَّاعُونِ

طاعون

اور

دوسری متعدی بیماریوں سے فرار کیوں؟

دُعائے دفع طاعون

تصنیف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی

شائستہ۔ طالعہ ۶ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

تنظیم نوجوانان اہلسنت

جامع مسجد سید نامہ بلیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بازار حکیمیاں، بھائی گیٹ، لاہور

مسٹر گاندھی اور تحریک خلافت و ترک موالات گاندھی کی قیادت

تحریک خلافت کے دوران مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ وہ واحد ہندو لیڈر تھا جس نے علی الاعلان مسئلہ خلافت سے کمال درجہ عقیدت اور دلی وابستگی کا اظہار کیا۔ ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا اور اپنے سر مذہبوں کو بھی یہی رویہ اپنانے کی پر زور تلقین کی لیکن یہ تصویر کا ایک رخ تھا۔ اس کے اصل عزائم کچھ اور تھے، درحقیقت وہ تمام مذاہب پر اسلام کی برتری کے نظریے کو ذہنوں سے محو کرنے، مسلمانوں کی انفرادیت ختم کرنے اور ان کی مدد سے ایک ہندو ریاست قائم کرنے کا خواہش مند تھا، اگرچہ اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا لیکن مسلمانوں میں اشتراک و انتشار پیدا کرنے اور کئی اہم مسلم لیڈروں کو اپنا ہتھیار بنانے میں کامیاب ہوا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسٹر گاندھی کی مسلم کش پالیسیوں سے غلبہ اٹھ جانے کے بعد علی برادران، مولانا حسرت موہانی اور دیگر کئی حق پرست حضرات نے اپنی سابق روش پر نظر ثانی کی اور مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی لیکن بعض مذہبی عناصر اور قوم پرست لیڈروں نے آخر دم تک دوستی بھائی اور مسلم لیگ کے لئے مسلسل درو سر بنے رہے۔

ہندو اپنی روایتی تنگ نظری اور اسلام دشمن سوچ کی وجہ سے تحریک خلافت کے ساتھ ہمدردی دکھانے کے لئے آمادہ نظر نہیں آ رہے تھے جبکہ مسٹر گاندھی کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مسلمانوں کو اسلامی افکار و نظریات سے برگشتہ کرنے اور انہیں گاندھوی فلسفہ کو برحق ماننے کے لئے آمادہ کرنے کا یہ بہترین موقع تھا جسے وہ کسی قیمت پر کھوٹا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی خاطر تحریک ترک موالات شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس کی چار منزلیں پیش کیں۔ ”پہلی منزل یہ تھی کہ حکومت کے خطابات اور تحفے واپس کئے جائیں۔ دوسری منزل یہ تھی کہ فوج اور پولیس کے محکمہ جات کو چھوڑ کر باقی تمام سرکاری محکموں سے عمل اخراج عمل میں لایا جائے۔ تیسری منزل یہ قرار پائی تھی کہ پولیس اور فوجی محکموں سے استعفیہ دلوائے جائیں۔ چوتھی اور آخری منزل یہ تھی کہ حکومت کے ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کیا جائے۔“ (۱)

مسٹر گاندھی نے ہندوؤں کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ تحریک خلافت کی غیر مشروط حمایت ہی گنور کشا اور ترک موالات کا مقصد ایک سال میں سوراخ حاصل کرنا ہے درپردہ ہندوؤں کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ مسئلہ خلافت کی حمایت محض ذہنی جمع خرچ تک محدود ہے، اصل مقصد تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنا اور انہیں قریانی کا بکرا بنا کر ہندو راج قائم کرنے کی راہ ہموار کرنی ہے اور ساتھ ہی

وسیع بنانے پر یہ پروپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ تمام ہندوستانی باشندوں کا ایک جان و دو قالب بن کر انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا تمام مذاہب کے نزدیک فرض عین ہے اور جو بھی مسلمانوں کو علیحدہ قوم بنا کر اس اتحاد میں روڑے اٹکانے کی جسارت کرے وہ انگریز کا پٹھو اور ایجنٹ ہوگا، اس طرح اس بے جوڑ، غیر فطری اور غیر اسلامی اتحاد کے بل بوتے پر مسٹر گاندھی قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں کے اجتماع سے کرسی صدارت پر براجمان ہو گیا۔

اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ کتاب و سنت کی رو سے ایک غیر مسلم کسی حالت میں بھی مسلمانوں کا دلی خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مسٹر گاندھی جو بلا شک و شبہ ایک کزنالایمان، بیٹوں کا پجاری اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا کو ایک پان اسلامک تحریک کا بلا شرکت غیر قائد و امام منتخب کرنا ایک انجیسے کی بات ضرور تھی۔ (۲) لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز امر یہ تھا کہ اس انتخاب کے مجوز مذہبی راہنمائی کے مدعی حضرات تھے۔ مولوی حسین احمد دیوبندی کے صاحبزادے مولوی محمد اسعد کا بیان ہے۔

”حضرت شیخ الحداد (مولوی محمود حسن) نے کہا کہ یہ نوجوان برسر مسٹر موہن داس گاندھی جو پڑھ کر آیا اور افریقہ سے نکالا گیا۔ وہ بنیا ہے اور بننے کا ہندو سماج میں کوئی مقام اور عزت نہیں، اگر اس کو (ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر) بنا دو اور آپ لوگ پسند کرو تو کچھ نہ کچھ احساس احسان اس کے ذہن میں رہے گا۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام پیش کرنے پر ”گاندھی جی“ کا نام طے ہوا اور ان کو لیڈر شپ کے لئے کہہ دیا۔“ (۳)

تمیذ العلماء ہند، دیوبند کے مولوی امیر احمد صاحب اپنی کتاب ”ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار“ میں لکھتے ہیں۔

”یہی وہ دور تھا جب افق سیاست پر وہ ستارہ طلوع ہوا جو اب تک گوشہ گمنامی میں چھپا ہوا تھا۔ جس کی ہلکی ہلکی کرنیں ہندوستان سے دور افریقہ کے ریگزاروں اور بیابانوں پر پڑتی تھیں۔ ہندوستان ابھی اس کے وجود کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ یہ علماء کرام تھے جنہوں نے اس ستارہ پر چھائی ہوئی گمنامی کی بدلیوں کو بٹایا۔۔۔ جب اس (ستارے) نے ہندوستان کے افق سیاست سے طلوع کیا تو احترام میں لاکھوں اور کوڑوں ہندوستانیوں کی پیشانیاں اس کے سامنے جھک گئیں۔“ (۴) اور اسے ”مہاتما گاندھی“ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ علماء کرام نے اپنے جیوں کی صدارت پیش کی۔ خلافت فڈ سے ان کے دودے کا ملک گیر پروگرام بنایا۔۔۔ مسلم سیاسی راہنماؤں کے کارناموں میں یقیناً یہ قابل فخر یادگار تذکرہ رہ جائے گا کہ انہوں نے ملک کو اتنا عظیم لیڈر دیا۔۔۔ علماء کی مردم شناس نگاہوں نے ایک ایسے جوہر قابل کو ڈھونڈ نکالا کہ اس نے کبھی ان کے تصورات و خیالات کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا اور بالآخر ہندو مسلم اتحاد کے عظیم مشن کے سلسلے میں اس نے اپنی جان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ علماء کرام کا انتخاب صحیح اور درست تھا۔“ (۵)

سرایہ سے لئے، حتیٰ کہ کانگریس کے لئے ایک کوڑ روپیہ جمع کرنے کے لئے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کئے۔“ (۱۳)

گاندھی اور اسلام

مسٹر گاندھی نے کھلے عام اعلان کیا تھا کہ ”میں خود کو سناتی (قدامت پسند) ہندو کہتا ہوں کیونکہ اول تو ویدوں، اپنشدوں، پراشوں اور ہندوؤں کی تمام دینی کتب پر میرا اعتقاد ہے۔ دوم یہ کہ میں ویدوں کے مطابق ورنا شرم دھرم (نسلی امتیاز کا قانون) کا قائل ہوں۔ تیسری بات یہ کہ میں گنونا ماتا کے تحفظ کو دھرم کا جزو سمجھتا ہوں اور چوتھی بات یہ کہ مورثی پوجا پر میرا ایمان ہے۔“ (۱۴)

اگر مسلمانوں کے اذہان میں یہ بات سا جاتی کہ مسٹر گاندھی قدامت پسند ہندو ہیں تو نہ وہ اس کی قیادت قبول کرنے پر رضا مند ہوتے اور نہ ہی اسے اپنی عقیدوں کا مرکز بناتے، اس لئے خلافتی لیڈروں نے مسٹر گاندھی کو مسلمان یا کم از کم اسلام کے قریب تر ثابت کرنے کی سب سے شروع کر دی، مولوی فخر الدین آبادی نے اپنا تجزیہ ان الفاظ میں پیش کیا۔

”جہاں تک میں نے تجزیہ کیا، گاندھی جی نے رومانیت کی طرف توجہ کی ہے اور اسی کا اثر ہے۔ سارا ملک ان کی آواز پر لبیک کہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص ایسا تیار ہو تو دنیا اس کی آواز پر لبیک کہے گی۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان ہو کر غیر مسلم کی رومانیت کا اعتراف کرتا ہوں۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنی ریاضت سے چونکہ اپنے نفس کو مارتے جاتے ہیں۔ اس کا تجزیہ ان کے مخالفوں کے بعد آپ کر سکتے ہیں۔“

ان کی اپنی رائے اور نیت اور ارادے پر کتنا بھروسہ ہے۔ دوستو احمد آباد نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں ان کے لفظوں کو ایک جھنڈا بنا کر اڑانا چاہتے اور ان کی تائید کرنی چاہتے۔ میں ان لفظوں میں ان کی تائید کرتا ہوں۔ (۱۵)

مولوی عبدالمجید دریا بادی کا عقیدہ تھا کہ۔ ”اپنا خیال ہے کہ گاندھی جی توحید کی حد تک تو مسلمان تھے اور خدائے واحد ہی کو خالق، کار ساز اور حکمران سمجھتے تھے۔ اصل اشتباہ و مغالطہ انہیں مسئلہ دینی میں رہا۔“ (۱۶)

مولانا محمد علی جوہر نے تو یہاں تک دعویٰ کیا کہ مسٹر گاندھی نے قرآن پاک بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو چکا ہے لیکن اس کے دل کا غور اسے یہ اعلان کرنے سے روکے ہوئے ہے۔“ (۱۷)

مولانا شوکت علی نے اپنی تقریر میں فرمایا: ”مہاتما گاندھی سچے خدا کی پرستش کرتے اور حق پر جان دیتے ہیں“ (۱۸)

یہی وجہ تھی کہ دیہات میں مسٹر گاندھی کی امامت کا غلغلہ پٹا ہو گیا تھا۔ مولوی محمد فضل قدیر ظفر ندوی نے یہ اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے۔

چونکہ یہ ”شائدار کارنامہ“ موجودہ دور میں بڑی سخت کا باعث بن رہا ہے۔ اس لئے اس کے اثرات زائل کرنے کے لئے مفتی محمد رفیع صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ۔

”حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب) نے اپنے رسالہ ”مسلم لیگ اور کانگریس کے متعلق شرعی فیصلہ“ میں اس کا نہایت مفصل جواب دیا کہ حضرت شیخ الحدیث نے ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کو اس لئے گوارا کیا تھا کہ اس وقت قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندو اس قیادت کے پیچھے چل رہے تھے۔“ (۱۹)

غور سے دیکھا جائے تو اس دعویٰ میں کوئی وزن معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جب ”شیخ الحدیث“ صاحب خود ایک متعصب ہندو کی قیادت کا اعزاز بخشے ہیں اور اسی دوران ہندو مسلم اتحاد کا مشہور زمانہ فتویٰ بھی جاری کرتے ہیں۔ (۲۰) تو ہندوؤں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ مسلمان قائد کی راہنمائی میں کام کرتے (۲۱) اگر مفتی صاحب کا اشارہ تحریک ریشمی رومال کی جانب ہے تو یہ بھی ان کی خوش فہمی ہے، وہ بقول مولوی حسین احمد سابق مستم دار العلوم دیوبند ایک سیکولر تحریک تھی (۲۲) اس کے صدر مشہور متعصب ہندو راجہ مندر پرناتپ تھے۔ (۲۳) مرکز لیڈروں میں لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور پنڈت سرو جیہ ہندو قائدین شامل تھے جو مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تک تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہیں کسی قسم کی مراعات یا حقوق دینے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ انہیں شدہ کر کے ہندو بنا لینے کے درپے تھے۔ (۲۴) ایسی تحریک کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ مسلمان قائد اور ہندو مقتدی تھے۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

منتخب قائد چونکہ اس وقت بالکل غیر معروف تھا۔ اس لئے قوی سطح پر اسے متعارف اور ”مہاتما“ کے عہدہ جلیلہ پر فائز کرانے نیز مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھانے کی خاطر ملک گیر ہندوؤں اور کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس مشکل پر کیسے قابو پایا گیا۔ یہ بھی مولوی محمد اسعد صاحب کی زبانی سنئے۔

”سوال یہ پیدا ہوا کہ ہندوؤں میں جہاں ملک کا دورہ کریں۔ پیسہ کہاں سے آئے؟ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ”بے شک یہ فنڈ مسلمانوں کا ہے لیکن ہندوستان کی آزادی جس طرح تمام ہندوستانی باشندوں کی ضرورت ہے اور ملک کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عالم اسلام کی ضرورت ہے۔ عالم اسلام میں جو تباہی و بربادی ہے اور اسلام دشمنوں کو جو خطرہ ہے اور ان کی جو سازشیں ہیں۔ یہ اس وقت تک ٹوٹ نہیں سکتیں جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو اور برطانیہ کا منہ کالا نہ ہو۔ اس لئے مسلمانوں کا فنڈ خرچ ہو تاکہ آزادی کا قافلہ بنے اور ملک کی آزادی سے عالم اسلام آزاد ہو۔“ (۲۵)

اس کی تصدیق مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

”یہ حقیقت ہمیں ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو راہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرایہ سے دورہ کرتا رہا۔ ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے

”پورب کے دہشت میں یہ افواہ پھیلی کہ گاندھی جی ہی امام آخر الزماں اور نفوذ باللہ امام مہدی ہیں۔ چنانچہ دیہاتی مسلمان بچے سے سوال کرتے تھے ”مولیٰ صاحب“ ”مامتا گاندھی امام مہدی ہے۔“ میں جواب دیتا ”ارے وہ تو کافر ہے، خبردار جو کسی نے اس کے بارے میں ایسا عقیدہ اختیار کیا“ (۱۸)

ہر فرمان واجب العمل

تحریک خلافت و ترک موالات کا سربراہ بن جانے کے بعد کسی قوم پرست مسلمان میں یہ جرات نہ تھی کہ وہ مسٹر گاندھی کے کسی بھی علم کی خلاف ورزی کر سکے۔ ۱۱ مئی ۱۹۳۱ء کو آٹھ آباد کانفرنس کے صدارتی خطبہ میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے فرمایا۔

”کہا جاتا ہے کہ مامتا گاندھی تو ایک اوتار ہیں مگر ان کے دو لفٹیننٹ بہت خطرناک ہیں۔ بعض لوگوں کو شوکت علی + ۵۰ فیٹ کے نظر آتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ شوکت علی کی طاقت کی کوئی حدود نہیں ہیں۔ تاہم جو کچھ مامتا گاندھی کہتے ہیں وہی ان کے لفٹیننٹ بھی تعلیم دیتے ہیں“ (۲۰)

قاضی محمد عدیل صاحب عباسی رقمطراز ہیں۔

”مولانا ابوالکلام آزاد قولاً اور عملاً گاندھی جی کے ہمنوا تھے“ (۲۱) جہاں تک ابوالکلام آزاد کی ہمنوائی کا تعلق ہے، انہوں نے پوری زندگی ”مامتا جی“ کی نذر کر دی:

”ہندوستان کی سیاست کے اس انقلابی دور میں حضرت مولانا (ابوالکلام آزاد) کی پہلی ملاقات مامتا جی سے ۱۸ جنوری ۱۹۳۰ء کو دہلی میں ہوئی جہاں مسئلہ ترکی و خلافت کے متعلق واسرائے سے گفتگو کرنے کے لئے تمام ممتاز ہندو مسلمان لیڈر جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر آنجنابی تلک بھی موجود تھے اور وہی دن تھا جب مولانا اور گاندھی جی کے درمیان محبت اور خلوص کا ایک ایسا رشتہ قائم ہوا جو گاندھی جی کے آخری دم تک قائم رہا“ (۲۲)

بات ہو رہی تھی مسٹر گاندھی کی فرمانبرداری کی۔ قاضی محمد عدیل صاحب عباسی کا بیان ہے۔

”احمد آباد کانگریس کے موقع پر مولانا عزیز گل (رفیق حضرت شیخ الحداد) نے ایک مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے، جس میں، میں خود موجود تھا، کہا۔ ”ہم نے گاندھی کو اپنا راہنما مان لیا ہے، آئے بے کو کے گا تو آئے، میں گے، پیچھے ہٹنے کو کے گا تو پیچھے ہٹیں۔“ (۲۳)

عقیدت کے پھول

خلافتی لیڈروں کا ذہن کچھ اس قسم کا بن گیا تھا کہ وہ مسٹر گاندھی کو اپنا جلا و ماویٰ تصور کرنے لگے اور ساری فتوحات کا سرچشمہ ”مامتا جی“ کی ذات قرار پائی۔ اس کا ایک مظہر رقمطراز ہے۔

”تحریک خلافت کی قیادت ابتدا سے انتہا تک مامتا گاندھی کے

ہاتھوں میں رہی بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح اور بجا ہوگا کہ اگر مامتا گاندھی اس تحریک میں پوری قوت کے ساتھ شامل ہو کر اس کا کل بار اپنے کندھوں پر نہ لے لیتے تو تحریک خلافت میں جو زور پیدا ہوا، وہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ مامتا گاندھی اس اعلان کے ساتھ تحریک خلافت میں شریک ہوئے تھے کہ یہ مسلمانوں کا مذہبی معاملہ ہے اور جب ہمارے مسلمان بھائی بے چین ہیں تو ہم کیسے خاموش رہ سکتے ہیں“ (۲۴)

ابوالکلام آزاد نے اپنی ایک تقریر میں مسٹر گاندھی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

”خلافت کی تحریک ہندوستان کی بڑی سے بڑی خدمت تھی جو تاریخ ہند کی اس عظیم شخصیت یعنی مامتا گاندھی نے انجام دی ہے“ (۲۵)

ان ”اسلامی خدمات“ کے پیش نظر، نیشنلسٹ مسلمان حلقوں میں مسٹر گاندھی کو ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا:

”۲۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو خلافت کانفرنس کا ایک جلسہ دہلی میں بڑی دھوم دھام سے مسٹر فضل الحق (بنگال) کی صدارت میں منعقد ہوا، مامتا گاندھی بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ان کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور اتنا جھوم غلغلا تھا کہ چاندنی چوک اور جامع مسجد کی راہ دو گھنٹے میں طے ہوئی۔ اس اجلاس میں صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام شریک کئے گئے جو تمام صوبوں سے آئے تھے۔ البتہ مامتا گاندھی کو ان کی عظمت کی وجہ سے شریک جلسہ کیا گیا تھا اور کچھ ان

انسانی خدمت اور ہر دم صحت کے لیے کوشاں

- نظری عینکیں اور دھوپ کے ٹھنڈے فیشن ایبل چشمے بازائے برعایت دیدگیا۔
- نظری کمزوری اور جدید فیشن ایبل کینکٹ لیزر گولڈے کیلئے تشریف الازیم۔
- ہر مرض کا شافی علاج بذریعہ جدید میو پیو پیٹیک میڈیسن سکروائیں۔

مختصر اخباری

واللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے
سفید موتیا بند شافی علاج
غریب اور بیکار کینے فی سبیل اللہ

امتیاز آپٹیکل اینڈ میو میڈی کیئر سنٹر
مدینہ مارکیٹ طفیل روڈ باغیچہ لالہ لالہ اندر گول پچر مد بازار لالہ لالہ لائنٹ

صاحب مرحوم نے کہا: ”مہاتما (گاندھی) کا بال بھی بیکا ہوا تو میں جان دے دوں گا“ (۲۲)

مولوی عبداللطیف صاحبزادی بھی مسٹر گاندھی سے عقیدت و محبت میں کسی سے پیچھے نہیں تھے اپنی آپ جی میں لکھتے ہیں:

”تحریک خلافت و ترک موالات کا زور بندھا اور ہر روز ہر جگہ جلے ہوئے گے اور جلوس نکلتے گئے اور مجھے جو عقیدت گاندھی جی اور مولانا محمد علی کے ساتھ تھی اس کے تقاضے سے ان جلے جلوسوں میں شریک تو ہونے لگا لیکن کسی اور عملی قدم پر آمادہ نہ ہوا۔ عقیدت ان دونوں سے برابر بڑھتی رہی اور مارچ ۱۹۳۲ء میں عرس خواجہ امیری (رحمۃ اللہ علیہ) کے موقع پر امیر جا کر گاندھی جی سے ملا۔“ (۲۳)

مولوی سبحان اللہ گورکھپوری اپنے ۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء کے خط میں رقمطراز ہے:

”انگلستان کی سیاحت جس نے دنیا میں چار سو برس کے اندر کوس لمن الملک الیوم بجایا تھا اور دنیا کی بہترین، عظیم ترین، قوی ترین قوم کو سیاسی میدان میں طفل مکتب کر کے دکھا دیا تھا۔ وہ ہماری کانگریس کے صرف ۳۵ سالہ سیاست آرائی سے ٹکرا کر اس طرح چور چور ہو گئی کہ ہم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ کم من فتنۃ قلیلۃ کثیرۃ“ اس اہمال کی

تفصیل یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان مطلق سیاسی معرکہ آرائی کا میدان عمل رہا ہے اور ۱۹ مئیوں کی تحریک ہم کو اس مقام پر لائی ہے جہاں خداوندی انتظام ایک نبی کی ضرورت تسلیم کرتا ہے لہذا ہم آپ کو بتا دیتا چاہتے ہیں کہ آپ اسی مقام پر آکر سیاسی داغوں کو سر تسلیم خم کر پڑے گا اور مذہب اپنا جھنڈا بلند کر کے آگے آئے گا اور اپنے اعلیٰ قوانین کی بنا پر آپ کو راہ عمل بتائے گا اور سنی منکور کو بجائے لبیک کہنے کے السعی منی کہتے ہوئے آگے بڑھ کر علم والا تمام من اللہ بلند کرے گا، اے میرے عزیز محترم مہاتما گاندھی جی، اے میرے عزیز محترم معظم اور مذہب کی پیچیدہ راہیں ملے گئے ہوئے ابوالکلام، اے میرے محترم و مقدس بزرگ جن کی ہستی ہمارے لئے ایک فرحت بخش نظارہ ہے یعنی قیام الدین عبدالباری، اس خوشی کے موقع پر انکلیات بنانے والے عبدالماجد، آگے بڑھو، آگے بڑھو اور مذہب کی جبل شین نکلو، تم کسی مذہب کے ہو مگر خدا کی رسی جو تمہارے انتظار میں لٹک رہی ہے اس کے سارے سے لٹک جاؤ۔۔۔

اے میرے عزیز مہاتما گاندھی جی، تم خداوند قدوس کے اس نظارے سے مت گھبراؤ جبکہ وہ اپنے لئے ہماری عزیز ترین چیزیں بیعت لے رہا ہو، یاد رکھو جس دن تم نے بیعت پڑھانے کا قصد کیا، اسی دن خدا اپنی مدد کا ہاتھ والہیں لے لے گا، البتہ یہ تم خدا پر چھوڑ سکتے ہو کہ وہ تم سے کب اور کیا مانگا ہے اور کب اور کیا لے گا۔ اگر کسی مقام پر کسی جماعت خاص نے کسی کمزوری کا اظہار کیا ہو تو وہ صرف اس امر کی شہادت ہو سکتی ہے کہ خدا ابھی تم سے تمہارے سنی کی بہترین جدوجہد اور چاہتا ہے جس کے بعد وہ اپنے رحم و کرم کا ہاتھ کمال دراز کرے گا۔“ (۲۴)

ہندو بزرگوں نے بھی شرکت کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ سندھ، رنگون، بنگال، بھار، صوبہ متحدہ وغیرہ سے جو ہندو آئے تھے ان کو مسلمانوں نے خلافت کیٹیوں کی طرف سے بھیجا تھا۔“ (۲۵)

ایک دینی تحریک کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے دینی مدرسوں کا افتتاح کرنے کے فرائض بھی ”مہاتما جی“ کو ادا کرنے پڑتے تھے مولوی عبدالرزاق طبع آبادی لکھتے ہیں:

”۱۹۳۱ء (یعنی کے نزدیک دسمبر ۱۹۳۰ء) میں ترک موالات کی تحریک نے کلکتہ کی سرکاری عملی دینی درگاہ مدرسہ عالیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، ایک نیا عظیم الشان دینی مدرسہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں قائم ہو گیا۔ گاندھی جی نے آکر مدرسے کا افتتاح کیا۔ مولانا حسین احمد مرحوم صدر مدرس بنے۔“ (۲۶)

”مولانا آزاد نے اس موقع پر جو تقریر کی وہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ آپ ایک عملی دینی مدرسے کے افتتاح کے لئے کی گئی تھی۔ اول تو اس نے گاندھی جی کے ہاتھ سے کرنا، دوسرے یہ تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت کی فضا کیا تھی اور مسلمانوں میں گاندھی جی کی محبوبیت و مقبولیت کا کیا عالم تھا۔“ (۲۸)

مولانا عبدالباری فرنگی علی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس جذباتی دور کا شکار ہوئے جو بعد میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سمجھانے پر نہ صرف تائب ہوئے بلکہ اپنا توبہ نامہ بھی شائع کرا دیا تھا۔ مولانا موصوف نے فرمایا تھا:

”میں مذہب کا پابند ہو کر ان (گاندھی) کی عظمت کرتا ہوں۔ مسلمان رہ کر اتحاد پیدا کرنے میں کوئی نقص نہیں، ہم وطنی کا خیال لازم ہے، ان کے اخلاق نے یہ بات (ترک گاؤ کشی) میرے ذہن میں پیدا کر دی۔ سوال یہ ہے کہ ہم مسلمان اور سچے مسلمان رہ کر ہندوؤں سے اتحاد رکھ سکتے ہیں یا نہیں، میں کہوں گا کہ یقیناً موجودہ مشکل زمانہ میں غیر مسلم کی ہمدردی کو خرق عادت سمجھتا ہوں اور ہندوؤں میں اس کی جو نظیر دی جاسکتی ہے وہ مہاتما گاندھی کی ذات ہے۔“ (۲۹)

الحاج محمد زبیر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب گاندھی جی اور مولانا محمد علی ہم خیال و ہم آواز تھے اور ان کے باہمی تعلقات کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کو گاندھی جی ”بگ برادر“ کہتے تھے اور یہ دونوں بھائی انہیں مہاتما جی کہا کرتے تھے۔“ (۳۰)

آل انڈیا کانگریس کے سیکریٹری منقذہ امرتسر ۱۹۱۹ء میں مانٹریو چیف فورڈ اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا:

”کوئی قانون ہو یا دستور اعلیٰ ہو اس کو قبول کرو جس سے بے شک محمد علی و شوکت علی کو پھانسی مل جائے مگر میرے مہاراج گاندھی کو چوروں کی طرح واپس نہ کیا جائے۔“ (۳۱)

جولائی ۱۹۳۰ء میں دہلی دروازہ لاہور کے جلسہ میں مولانا شوکت

نومبر ۱۹۹۳ء میں خلافت کے معروف لیڈر اور مشہور اہلحدیث عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مسٹر گاندھی کی بٹا خوانی کی:

”گاندھی احمد آباد گجرات کے رہنے والے ہندو بزرگ ہیں۔ ہندوستان کی محبت میں اپنا تمام کاروبار ذاتی اور خاندانی بلکہ عیش و آرام بھی چھوڑے ہوئے ہیں۔۔۔ ملک کی خصانہ محبت میں ایسے رنگے ہوئے ہیں کہ صاحب وزیر ہند تک ان کے اخلاص اور محبت ملکی کے قائل ہیں“ (دو) (دہلی سے ۳ نومبر ۱۹۹۳ء) کو صبح بیسویں میل پر امرتسر تشریف لائے خاکسار بھی گذشتہ سفر سے اسی گاڑی پر آیا تھا۔ آکر شیش پر دیکھا تو ہزارہا ہندو مسلمان سامتا گاندھی کے استقبال کے لئے موجود ہیں، اس جہوم کو دیکھ کر مجھے خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت کا ایک واقعہ یاد آیا۔ امام عبداللہ ابن مبارک بغداد تشریف لائے تو مسلمان ان کے استقبال کو اس کثرت سے نکلے کہ شہر قریباً خالی ہو گیا۔ خلیفہ کی لونڈی نے اپنے محل سے دیکھا تو کہا: خدا کی قسم! ہارون کی حکومت تو جابرانہ ہے، اصل حکومت تو یہ ہے۔“ (۳۵)

گاندھی کیپ اور کھدر

اسلام میں شبہ یا کفار کی معافیت ہے لیکن جب ہوش کے بجائے جوش سے کام لیا جائے، کفر اور اسلام کے امتیاز کی اہمیت نظر انداز کر دی جائے، اسلامی تہذیب و تمدن پر ملکی تہذیب و تمدن کو ترجیح دی جائے، مسلمان اپنے آپ کو علیحدہ قوم تصور کرنا ترک کر دیں اور کسی غیر مسلم کو راہنما بنا کر اس کا ہر حکم بلا چون و چرا تسلیم کرنے لگیں تو اسی قوم کے رنگ میں رنگ جانے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہی حادثہ مسلمانوں کے ساتھ تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران پیش آیا۔ گاندھی کے سر پر جو ٹوپی دیکھی، ہو ہو اسی قسم کی ٹوپیاں نہ صرف خود زیب سر کرنی شروع کر دیں بلکہ اسے پورے ملک میں رواج دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا (۳۶) کسی نے ٹوکا تو اس پر انگریز کے بچو ہونے کا الزام لگا دیا گیا: ”لے کسے؟“

”مسلمانوں نے گاندھی ٹوپی بھی اختیار کر لی۔ انگریز کے بچو جو ہر جگہ اسلام کا نام محض انگریز کی حمایت کے لئے لیتے تھے، فوراً دوڑ پڑے اور کہا کہ گاندھی ٹوپی کا پہننا جائز ہے؟ جواب دیا گیا لیکن سب سے موثر جواب یہ تھا کہ خود علماء نے گاندھی ٹوپی پہن لی ہے۔“ (۳۷)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”سندھ کے مشہور عالم مولانا محمد باثم جان سرہندی مجددی نے راقم سے خود فرمایا کہ سندھ کے ایک سیاسی جلسے میں مولانا حسین احمد دیوبندی (۳۸) نے علماء اور عوام کے سر سے عمامے اتروا کر گاندھی کیپ اوڑھائی جو وہ خود اپنے ساتھ لائے تھے، یہ منظر خود مولانا مرحوم نے ملاحظہ فرمایا۔“ (۳۹)

مولوی انضال الحق قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

”اگر ہم حضرت شیخ (مولوی حسین احمد دیوبندی) کو نہ دیکھتے تو ہم کو ہرگز یقین نہ آتا کہ اس چودھویں صدی میں کوئی صحابہ کی طرح

اسلام پر عمل بھی کر سکتا ہے۔“ (۴۰)

مسٹر گاندھی نے حکم جاری کیا کہ تمام ہندوستانی کھدر پہنیں تو چودھویں صدی میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح اسلام پر عمل کرنے والے اس مولوی صاحب کے لباس کا نقشہ کچھ یوں بن گیا:

”کھدر کا پاجامہ، کھدر کا براہون رنگ کا کرتہ زیب بدن اور کھدر کی دو پٹی ٹوپی (جیسی اس زمانہ میں تمام طلباء دارالعلوم پہنا کرتے تھے) زیب سر ہوتی تھی۔“ (۴۱)

بات بات پر بدعت کا فتویٰ لگانے والے اسی مولوی صاحب کے متعلق کیا فرمائیں گے کہ:

”جس میت کا کفن لٹھے کا ہوتا تھا اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے مگر امام جنازہ نہ بنتے تھے۔“ (۴۲)

اور

”اگلے دن اپنے سکول کے ساتھیوں میں یہ خبر سنی کہ مولانا (حسین) احمد دیوبندی نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی اظہار کیا کیونکہ کفن کھدر کا نہیں تھا۔“ (۴۳)

اور

”حضرت شیخ (مولوی حسین احمد دیوبندی) کا جسم مبارک دودھ کی طرح سفید اور آب زمزم میں دھلے ہوئے کھدر کے کفن میں لپٹا ہوا

ہمارے ہاں
پلاسٹک گلاس ٹیکسٹ لیزر۔ کاسٹیکس لیزر
بھی فٹ کیے جاتے ہیں

دھوپ کے
ٹھنڈے
چشمے



نظر
کی
عینکیں

فاریوق اپٹیکل سروسز

۱۔ علامہ اقبال روڈ (مقابلہ سنیٹ) چوک بوہڑ لاہور

فون۔ ۴۳۶۹۷۲۲
۴۳۶۵۰۴۸

تھا۔ آپ نے زندگی بھر کھدر پنا کھدر ہی کا استعمال کیا اور مرتے بعد بھی کھدر ہی کا کفن آپ کے حصہ میں آیا۔" (۳۴)

ایک مولوی حسین احمد دیوبندی پر ہی کیا موقوف ہے، ابوالکلام آزاد نے غالباً ۱۹۲۰ء سے کھدر پہننا شروع کیا، اخیر تک اسی پر قائم رہے۔ (۳۵) مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے تمام عمر موٹا جھوٹا پنا کھدر کبھی ترک نہیں کیا (۳۶) اسی طرح مولوی احمد علی لاہوری کے سر پر کھدر کی ٹوپی اور اس کے اوپر کھدر کی دستار فضیلت جس کے صرف چار بیچ ہوتے تھے، کھدر کا لبا سا کفنی نما کرتے جس کے موٹے موٹے دھانے نمایاں طور پر نظر آتے تھے اور ٹخنوں کے اوپر کھدر کی شلوار زیب تن رہتی تھی، یہ لباس زندگی کے آخر دن تک رہا بلکہ اپنے کفن کی چادریں بھی کھدر سے تیار کروائیں۔" (۳۷) ۱

قاضی محمد عدیل عباسی لکھتے ہیں:

"موٹا کھدر سب کے جسموں پر آگیا، چرخہ چیلنے لگا، سادگی، بے نفسی، پابندی محبت، بیعتی، سچائی اور آزادی وطن کا عزم راجح بدم تشدد یہ پیروان گاندھی کی شیریں تھیں۔" (۳۸)

عبدالحمید سالک نے قوم پرست کانگریسی مسلمانوں کے بدلتے ہوئے انداز ان الفاظ میں بیان کئے ہیں:

"نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمانوں نے اپنے آباؤ اجداد کے وضع لباس کو چھوڑ کر کھدر کی گاندھی ٹوپیاں اور دھوتیاں اور چادریں اوڑھنا اختیار کر لیا۔" (۳۹)

پہنانے کا انداز

بعض لوگ اب بھی مسٹر گاندھی کے مداح ہیں اور انہیں افسوس ہے کہ "پاکستان کی سرزمین میں گاندھی جی کے پایہ کا کوئی راہنما پیدا نہ ہوا" (۴۰) لیکن اس کی دور تحریک خلافت و ترک موالات اور بعد کی پوری زندگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ ہر حال میں ہندو مفادات کا تحفظ کرتا تھا۔ اس کی پوری سیاسی تک و دو کا بنیادی مقصد انگریزوں کے جانے کے بعد ہندو راج قائم کرنے کا تھا۔ (۴۱) اگرچہ ظاہری طور پر وہ عدم تشدد کی تبلیغ کرتا تھا لیکن مسلمانوں کو ذک پہنچانے کے لئے طاقت کے استعمال کا بھی حامی تھا۔ (۴۲) یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنے اسلام دشمن منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسے مسلمان راہنماؤں کی ضرورت تھی، اس مقصد کے لئے طریق کار یہ اپنایا تھا کہ "چند چوٹی کے لوگوں کو جن لیتے تھے اور ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے تھے۔" (۴۳) اسی قاعدہ کے مطابق مسٹر گاندھی نے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مورخ الذکر کے انکار (۴۴) کی وجہ سے دوسرا دروازہ کھٹکنا پڑا۔

مسٹر گاندھی مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے مختلف طریقے اپناتا تھا، تحریک خلافت کے دوران مسلمانوں کے جذبات اور جوش و خروش سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ کمہ کر میدان میں اترے۔

کہ "میرے مسلمان بھائیوں پر آزمائش کا وقت ہے، میں ان کے مطالبے کے حسن و قبح پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مطالبہ ناجائز نہیں ہے، لہذا میرا فرض ہے کہ میں ان کا پورا ساتھ دوں۔" (۴۵) پھر کہا کہ "میں نے اپنے آپ کو علی برادران کی گود میں ڈال دیا ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ سچے اور خدا ترس لوگ ہیں۔" (۴۶) اس طرح تحریک خلافت کی صدارت پر قابض ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد اسے اصل ہدف سے ہٹا کر سوراج حاصل کرنے کی تحریک میں بدل دیا۔

وہ مذہبی عناصر کو ہندو مسلم اتحاد کی وکالت اور سادہ لوح مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا، اگرچہ مسٹر گاندھی ایک کٹر ہندو تھا اور روحانیت کی ایجاد سے بھی واقف نہیں تھا لیکن منافقانہ انداز سے اس بات کا مدعی تھا کہ وہ "علاء کرام" کی قیادت سے روحانی فیض حاصل کرتا ہے۔ مولوی سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی تقریر میں کہا:

"پنڈت سندر داس نے مجھے بتایا کہ گاندھی جی نے ایک مرتبہ ان سے کہا: مولوی حسین احمد مجھے ملتے ہیں تو میں ان میں ایک روحانی کشش محسوس کرتا ہوں۔" (۴۷)

مسٹر احسان بی اے رقمطراز ہیں:

"چند روز ہوئے ایک محفل میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے گاندھی جی کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا، فرمایا کہ تحریک خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا اور مسلمان ابھی پوری طرح میدان میں نہیں اترے تھے، تحریک میں گاندھی جی کی دلچسپی بعض دور اندیش مسلمانوں کے لئے حیرت کا موجب بنی ہوئی تھی اور آپس میں یہ پہچاننا رہا تھا کہ گاندھی جی کس مقصد کے تحت تحریک پر اتنے مہیا ہیں۔ انہی ایام میں گاندھی جی نے حکیم اہمل خاں مرحوم کو مشورہ دیا کہ تحریک کے لیڈروں کو چاہیے کہ مولویوں اور مذہبی دیوانوں کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان کے ملائے بغیر تحریک قوت نہیں پکڑ سکتی اور عوامی تحریک نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اس مشورے کے مطابق خلافت کے زعماء کا ایک وفد جس میں حکیم اہمل خاں، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دوسرے لیڈر شامل تھے، ہمارے ضلع مونگھیر میں مولانا محمد علی مونگھیری سے ملنے کے لئے گئے، مولانا صرف اپنے ملائے میں ہی نہیں بلکہ اس سے باہر بھی بڑی موثر شخصیت تھے۔

وفد کے ہمراہ گاندھی جی بھی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گاندھی جی نے مولانا سے بہت ادب کے ساتھ کہا کہ "مولانا میں نے حضرت سیدنا علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ آپ دنیا کے عظیم ترین انسان تھے۔ اس کے علاوہ میں نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے، یہ عظیم کتاب ہے اور اس نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔"

سکتی ہے اور ہر دھڑکنے والا دل محسوس کر سکتا ہے کہ ایک بین الملی اسلامی تحریک میں ایک غیر مسلم کا کیا کام تھا۔ وہ گاندھی جو آج صرف اس واسطے پاکستان کی مخالفت میں ایزی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ کہیں یہ پان اسلامک تحریک نہ ہو، مسلمانوں کے جذبہ ملی سے کس عنوان سے اتفاق کر سکتے تھے۔ گاندھی جی صرف مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو فاکرنا چاہتے تھے۔ وہ اکثر کہتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ (۶۱) مگر افسوس کہ مسلمانوں پر ایسا جنون سوار ہو چکا تھا کہ گاندھی کی ”بنیاد پرستی“ کو ذرا نہ سمجھ سکے۔ (۶۲)

دوسرا مقصد گاندھی کی مخالفت کا تھا، مسٹر گاندھی نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ مولانا شوکت علی کو یار پار ہوتا رہا ہوں، میں ان کی لگائی (خلافت) بچانے میں مدد کر رہا ہوں تاکہ اپنی لگائی کو مسلمانوں سے بچا لوں (۶۳) وہ عدم تشدد کی پالیسی پر کابند رہنے کے باوجود بزور شمشیر (۶۴) یا بذریعہ قانون (۶۵) ذبیحہ گاؤں پر پابندی لگانے سے گریز نہیں کرتا تھا، اس کا عقیدہ یہ تھا کہ جب تک ہندوستان میں ایک گائے بھی ذبح ہوتی رہے گی، اس وقت تک اس ملک کو حقیقی معنوں میں آزاد تصور نہیں کیا جائے گا (۶۶) ظاہر ہے کہ بزور قوت وہ اپنا یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک جانب تو مسلمان مذہبی راہنماؤں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی (۶۷) دوسری طرف ہندو مسلم اتحاد کی آڑ میں مسلمانوں کو رضاکارانہ طور پر ذبیحہ گاؤں کے حق سے دستبردار ہونے کی تلقین کی اور اس میں وقتی طور پر کامیاب بھی ہوئے۔ ”تحریک ترک موالات کے دوران ہندو مسلم اتحاد کے

مولانا مونگھیری گاندھی جی کی باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے اور جب گاندھی جی اپنی بات کہ چکے تو مولانا نے پوچھا: ”مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آتی اور آخرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس کمزور پہلو سے آگاہ کیجئے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا“ گاندھی جی اس سوال کے لئے تیار نہ تھے، کچھ چرکے اور فوراً بولے ”ایسا تو کوئی پہلو میری نظر میں نہیں آیا“ اس پر مولانا مونگھیری نے سوال کیا ”تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟“ گاندھی جی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مولانا خفا ہو گئے اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا، غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف پھانسا چاہتے ہیں۔ صیاد بھی پرندوں کو پکڑنے کے لئے انیس کی بولیاں بولا کرتا ہے“ (۵۸)

یہ تو تھا مسٹر گاندھی جی کے کردار کا ایک پہلو جو نیشنلسٹ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل رہا اور جس کے ذریعہ وہ پھانسنے میں کامیاب رہا وہ تھا اس کا یہ اعلان: ”مہاتما گاندھی نے اب اپنی پوری استیم ستیہ گرہ، عدم تعاون یا نان کو آپریشن کی پیش کردہ تھی“ وہ کہتے تھے۔ ”چچ بولو“ ہر کام کی بنیاد سچائی پر ہو، جو سوچو، وہ کو، جو کہو وہ کرو، زندگی میں کوئی دھوکہ نہ ہو“ (۵۹)

مقاصد

گاندھی جی کو ہندوستان بچنے ہی یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ کسی طرح مسلمانوں کی مرکزیت اور تنظیم کو فاکرنا چاہئے، جب تک مسلمانوں میں ملی تشخص کا احساس باقی ہے، کبھی بھی ہندوؤں کے قابو میں نہیں آسکتے۔ مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت نہ صرف انگریزی حکومت تسلیم کر چکی تھی بلکہ ہندو کانگریس کے ساتھ تو لکھنؤ پیکٹ ہی دو قوموں کے درمیان معاہدہ تھا جو ایک مشترکہ مفاد کے لئے اٹھی ہوئی تھیں۔

یہ سب کچھ گاندھی جی کے سامنے تھا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی اور کانگریس ہندوؤں کی۔ لکھنؤ پیکٹ کا بدقت نظر معاہدہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلم لیگ کی سیاسی بصیرت عوام مسلمانوں کو ہندوؤں کے سیاسی دباؤ سے صاف بچا کر لے گئی تھی۔ (۶۰) یہ چیز گاندھی جی کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ مسلمان اپنی گزشتہ پچیس سالہ جدوجہد سے قوم میں کچھ نہ کچھ شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے، مگر گاندھی جی کو اس قبیلہ کو تخریب میں بدلنا تھا۔ وہ صرف موقع کی تاک میں بیٹھے تھے۔

حالات کی ستم گردی دیکھتے کہ خلافت کی تحریک میں گاندھی جی کو اپنے منصوبوں کی کارگزاری کے لئے ایک وسیع میدان مل گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے ایک خالص اسلامی تحریک کو آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جو جی میں آیا کیا اور مسلم لیگ کا گھمٹھ کر رکھ دیا۔ یہی ان کا مقصد وحید تھا ورنہ ہر دیکھنے والی آنکھ حقیقت تک پہنچ

اسحاق ڈیلرز

ایبٹ

کلاتھ مرچنٹ

186-انارکلی شاہراہ قائد اعظم لاہور

فون نمبر: 323916 65135

”چونکہ کانگریس کی رائے میں حکومت ہند ملک کے اعتماد سے کلیتاً محروم ہو گئی ہے“ اس لئے باشندگان ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان میں سوراج قائم کیا جائے۔“ (۷۳)

نیشنلسٹ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے بھی اسی قسم کے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور اوائے فرض اسلامی کی سب سے بڑی نازک اور فیصلہ کن گھڑی ہے جو آزادی ہند اور مسئلہ خلافت کی شکل میں ہمارے سامنے آگئی ہے۔“ (۷۴) مولوی محمد سجاد نے ترک موالات کا ایک مقصد یہ بتایا کہ ”ہندوستانی انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور مسلمان کسی کافر کے محکوم ہو کر نہ رہیں۔“ (۷۵) لیکن جب مسٹر گاندھی نے اپنا سلوگن بدل دیا اور خیال ظاہر کیا کہ بحالی خلافت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ پہلے سوراج حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے، کامیابی کی صورت میں خلافت بھی زندہ ہو جائے گی، تو خلافتی لیڈروں کا لب و لہجہ بھی بدل گیا اور مسٹر گاندھی کی لے میں لے ملائے ہوئے کہنے لگے:

○ ”تحریک خلافت ہندوستان کی آزادی کی تحریک ہے۔“ (ابوالکلام آزاد) (۷۶)

○ ”اگر ہمیں (مسلمانوں کو) ہندوستان سے کچھ سروکار نہیں،

صرف حرمین، بیت المقدس اور عرب کی حکومت کافروں سے واپس لینے

ہے تو پہلے ہندوستان کو سوراج دلا دو۔“ (مولانا محمد علی جوہر) (۷۸)

○ ”چونکہ جمعیت العلماء ہند ہندوستان کی آزادی کے لئے

کانگریس کے دوش بدوش برسرِ پیکار تھی لہذا تحریک خلافت کے دوران

کانگریس کو اس کی کھلی حمایت حاصل تھی کیونکہ جمعیت اس کو

ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتی تھی۔“ (مقدمہ

کتاب ”جمعیت العلماء ہند جلد اول از پروین روزینہ) (۷۹)

○ ”آج باوجود اختلاف مذہب سب مل کر ایک مقصد واحد آزادی

ملک کے لئے کوشاں ہیں اور ایک ہی تدبیر ترک تعاون پر عمل پیرا ہیں

اور یہ جدوجہد انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ان

کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔“ (مولوی حبیب الرحمن) (۸۰)

یہاں تک کہا گیا کہ مسئلہ خلافت قسلی بخش طریقہ سے حل ہو بھی

جائے یا نہ ہو، مقصد سوراج ہی حاصل کرنا رہے گا:

○ ”کوشش اور لڑائی صرف امکان مقدمہ اور خلافت کے لئے

نہیں بلکہ ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دلانے کے لئے ہے۔ اگر

خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم جدوجہد جاری رہے گی، اس

وقت تک کہ ہم لگدا و جٹا کی مقدس سرزمین آزاد نہ کرا لیں۔“

(ابوالکلام آزاد) (۸۱)

○ ”مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ اگر خلافت کا مسئلہ تمہارے حسب

نفاذ ملے کر دیا جائے گا تو آپ ہم سے موالات کریں گے؟ میں کہتا

ہوں کہ ترکوں کو ان کا اپنا ملک ہی نہیں، خواہ انگلستان، خواہ فرانس،

خواہ جرمن اور خواہ تمام یورپ ہی کیوں نہ دے دیا جائے، اگر ایک

بھی ہندی کے گلے میں طوق غلامی پڑا رہے گا تو میں اس کو توڑوں گا“

متعلق جو تجاویز و تقاریر ہوئیں ان کا یہ اثر مرتب ہوا کہ ہزاروں مسلمانوں نے قربانی گاؤں سے اجازت کیا، مسلمانوں نے مسلمانوں سے گائیں چھین کر ہندوؤں کو دے دیں۔ قصاویں کو ذبیحہ گاؤں سے روکا گیا، رضا کاروں نے پتھری کے پیچھے قربانی کی گایوں کو چھڑایا اور اگر ہو

چکی تو اس کو بیکار کر دیا۔“ (۶۸)

مسٹر گاندھی نے تحریک ترک موالات کا بنیادی مقصد سوراج

حاصل کرنا قرار دیا تھا۔ سوراج (۶۹) کا لفظ ہندی زبان سے ماخوذ ہے،

مقصد یہ تھا کہ رام راج قائم کرنے کی خاطر ہندوؤں میں جوش و جذبہ

پیدا کیا جائے جبکہ تحریک کا نام عربی زبان سے لیا گیا، اس سے انگریزوں

کو یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ تحریک چلانے والے مسلمان ہیں، اگرچہ یہ

تحریک عدم تشدد پر مبنی تھی لیکن اگر کسی موقع پر تشدد پیدا ہو جاتا تو

آسانی سے اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی جاسکتی تھی، گویا آزادی

حاصل ہو تو اس کے ثمرات سے ہندو مستفید ہوتے اور گولیوں سے

چھپائی کرنے کے لئے مسلمانوں کے سینے حاضر تھے۔

”مقاماتی“ نے نکلنے میں سامعین کو بتایا کہ اگر آپ نے تحریک

ترک موالات میں بھڑ پڑ حصہ لیا تو ایک سال میں سوراج حاصل کر

سکتے ہیں (۷۰) سوراج کا پہلا پوسٹ کیا ہے یہ ایک کانگریسی ہندو لیڈر

پنڈت مالویہ کی زبانی سنئے:

”ہمارے یہاں گنو گوبار اور تریا گوبار بہت مشہور ہے۔ جب کسی

گنو یا دیوی پر مصیبت آتی، اس نے پکار کی، فوراً تمام گاؤں اکٹھا ہو گیا

اور پانی ڈسٹوں کو بھگا دیا۔۔۔ مردوں کی نسبت تو نہیں کہہ سکتا لیکن

اگر میں زندہ رہا تو کم از کم بو بٹیوں کو تو پیٹول اور ہندو چلانا سکھا

دوں گا۔ وہ کالی کی مورچی اپنی حفاظت آپ کر سکیں گے لیکن مردو! تم

ان کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اگر مرد ہو تو تم کو اپنی حفاظت کے حق میں

آگاہی ہونی چاہئے۔

شریفو! جب تک بدعاش غنڈوں سے ڈرتے ہو، تب تک وہ تم پر

وار کرتے ہیں، یہ ڈنڈوں سے ڈرتے ہیں، اس لئے سامنے ڈٹ جاؤ“

سب بہن، بھائی، بوڑھے، بچے اپنی حفاظت میں شامل ہو کر ایک آواز

آنے پر سو دو سو باہر نکل آؤ۔۔۔ سو راہینہ کا پہلا پوسٹ یہ ہے کہ

قانون اور انتظام کا کام آپ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔“ (۷۱)

مسٹر گاندھی اپنے پروپیگنڈا میں اس نکتے پر زور دیتے رہے کہ عدم

تعاون کے مجوزہ پروگرام کا اصل مقصد تحفظ خلافت ہے، مسلمانوں کے

ساتھ سوسے بازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر عدم تعاون کے

ذریعہ حکومت کی مشینری کو مفلوج کر دیا جائے تو سوراج کا مسئلہ خود

بخود حل ہو جاتا ہے۔ (۷۲) ستمبر ۱۹۳۰ء میں تحریک ترک موالات پر غور

کرنے کے لئے کانگریس کا خاص اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا جس میں

مسٹر گاندھی نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اگر

سوراج حاصل کرنا اور مسئلہ خلافت کو قسلی بخش طریقے سے حل کرنا

مقصود ہے تو اس کے لئے تحریک ترک موالات کے پروگرام پر عمل کرنا

ناگزیر ہو گا۔ (۷۳) ناگزیر کانگریس کے اجلاس کے لئے مسٹر گاندھی نے

جو تجویز لکھی تھی اس میں یہ کہا گیا تھا کہ:

نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے ایک مکتوب میں ان الفاظ میں کیا تھا:
 ”ہماری دعا ہے کہ کل کارکنان خلافت جو کچھ بھی کریں، خدا اور
 اس کے نبی برحق کے مشا اور تعلیم کے موافق عملدرآمد کریں، آج کل
 جیسی اجتہاد کی گرم بازاری ہے، ڈر ہے کہ کبھی یہ مذہبی تحریک قوی
 قالب میں ڈھل کر اسلام کے خالص احکام باقی نہ رہیں اور رفتہ رفتہ یہ
 ایک قوی تحریک کی صورت اختیار نہ کرے“ (۸۷)

مسلمانوں کے متعلق گاندھی کا رویہ

تحریک خلافت کے دوران بعض ہندو حلقوں کی جانب سے مسلمانوں
 کے ساتھ مسٹر گاندھی کی وابستگی کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کیا
 گیا۔ مسٹر گاندھی نے ایک بار پھر یقین دہانی کراتے ہوئے کہا:
 ”یہ سرگوشیاں کی گئی ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ اس قدر قربت کی
 وجہ سے میں اس قابل نہیں رہا کہ ہندو ذہنیت کو سمجھ سکوں۔ یقیناً میں
 ہندوؤں کے درمیان نہیں رہتا کہ ہندو ذہنیت کو سمجھوں، میرے جسم
 کا ہر نس ہندو ہے، میرا ہندو ازم یقیناً بہت کمزور ہوگا، اگر یہ منہر
 اثرات میں رہ کر نشو و نما نہ پاسکے، یہاں منہر اثرات سے واضح طور
 پر مراد مسلمان ہیں“ (۸۸)

مسٹر گاندھی ان مسلمان لیڈروں پر بھی پستیاں کسے سے نہیں
 چونکا تھا جو ایک وفادار ساتھی کی طرح نہایت خلوص کے ساتھ اس
 کے دیئے ہوئے پروگرام پر نہ صرف خود عمل کرتے تھے بلکہ دوسروں کو
 بھی ایسا کرنے کی پر زور تلقین کرتے تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالباری
 فرنگی علی کے متعلق کہا:

داخلہ

بزرگ

دَارُ الْعِلْمِ جَامِعَةُ الْيُوسُفِيَّةِ

ابتداءً طور پر دو کلاسوں و ناظر و حفظ قرآن پاک
 میں داخلہ کے لیے دارالعلوم میں تشریف لائیں۔

الدعایہ: قاری محمد الیوسف بمتم دارالعلوم جامع الیوسف

امیر الدینے پارک فیصلہ ٹاؤن لاہور چاندنی

منجاب: محمد فیاض غازی آباد لاہور

میں اسلام کی کی توہین کروں گا، اگر ایسا نہیں کروں گا۔“ (مولانا محمد علی
 جوہر) (۸۹)

”درحقیقت ہندوستان کی حکومت خود اختیاری جس کو دوسرے
 الفاظ میں سوراج کہا جاتا ہے، نہایت ہی ضروری ہے اور اگر خالص
 سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو میں کون گا کہ مسئلہ خلافت اور مظالم
 پنجاب کی حلانی سے بھی یہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے“ (مولوی محمد صادق)
 (۸۹)

مولوی حسین احمد دیوبندی نے ایک تقریر میں کہا:
 ”آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ (علی صاحبنا الصلوٰۃ والتیمہ)
 نہایت کثرت اور وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ اسلام ہر جگہ اور ہر
 ملک میں فقط عالی اور بلند ہو کر رہ سکتا ہے۔ زیر اثر غیرے اور کفر کا
 محکوم ہو کر نہیں رہ سکتا۔ یہی اصلی تعلیم اسلام کی ہے اور یہی شارع
 علیہ السلام کا اصلی خشاء ہے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ
 وہ آزادی کی کوشش کرے۔ دوسرے مذہب کے زیر اثر ہونے سے
 اپنے شعائر کو بچائے۔ ہندوستان کی آزادی اور سوراج ہی کی صورت
 میں یہ امر ممکن ہے اور دوسری صورت اس کی ممکن نہیں ہو سکتی“
 (۸۹)

بالفاظ دیگر انگریزوں کی حکومت میں تو اسلام کفر کا محکوم ہے لیکن
 سوراج ملنے کی صورت میں جب مسٹر گاندھی، نہرو، پٹیل اور دیگر
 متعصب اور اسلام دشمن لیڈروں کے ہاتھ میں اقتدار آجائے گا تو
 اسلام برسر اقتدار آجائے گا۔ ایک ایسے خیالات رکھنے والے شخص کے
 متعلق یہ کہنا جانفہ آرائی نہیں تو اور کیا ہے کہ:

”حضرت شیخ الاسلام (مولوی حسین احمد) کے عہد کے قضاے تو
 بالکل ہی مختلف تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے وہی لائحہ عمل
 درست تھا جس کی طرف حضرت شیخ الاسلام نے راہنمائی فرمائی تھی۔
 مجھے یقین ہے کہ اگر اس دور میں حضرت مجدد (الف ثانی رحمۃ اللہ
 علیہ) بھی ہوتے تو اسی سلطان وقت اور اسکندر عزم کے جھنڈے کے
 نیچے نظر آتے“ (ڈاکٹر ابو سلمان شاہچانپوری) (۸۵)

لائحہ عمل کون سا درست تھا اور کون سا غلط۔ اس کا فیصلہ
 مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کی صورت میں کر دیا۔ اب اس
 ناگوار بحث کو دوبارہ چھیڑنا اور اکھنڈ ہجرت کے نظریہ کو برحق قرار دینا
 مناسب نہیں اور اس سے بھی زیادہ نامناسب بات حضرت مجدد الف
 ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تمت لگانا ہے کہ وہ اگر اس دور میں ہوتے تو
 ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور کانگریس نظریات کے مبلغ ہوتے جبکہ
 حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کے خطرناک
 دواغ اور مسلم کش منصوبوں کو خاک میں ملانے کی خاطر زبردست جہاد
 کیا۔ (۸۶)

بات ہو رہی تھی ایک پان اسلامک تحریک کی قوی تحریک میں
 ملنے کی اور ایسا کرنے میں مسٹر گاندھی کا سیاب بھی ہو گیا۔ اس خدشہ
 کا اظہار خواجہ شہاب الدین سابق وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پاکستان

ایک تو یہ کہ اسلام سے ہٹا کر انہیں اپنے دھرم میں واپس لوٹایا جائے اور اگر یہ نہیں ہو سکے تو پھر ان کے آبائی وطن میں لوٹا دیا جائے اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو ان کو ہندوستان میں غلام بنا کر رکھا جائے“ (۹۷)

”مہاتما جی“ کو اسلام صرف اس صورت میں پسند تھا کہ اس کی اپنی من پسند تشریح بغیر کسی قتل و قاتل کے قبول کر لی جائے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے پر بھی تیار تھا۔ (۹۸) بصورت دیگر وہ اسلام اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اگر زو ہندو مذہب پر پڑتی تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک تھانی نہ ہو جاتی۔ اسی ”تحریک خلافت“ کے ہنگامہ آفرین زمانہ میں مسٹر سید حسین ایڈیٹر انڈیا پرنٹرز (الہ آباد) اور موتی لال نہرو کی صاحبزادی وجے لکشمی میں معاشرت ہو۔ موصوف مولانا فاخر الہ آبادی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں اور سید حسین سے ان کا باقاعدہ نکاح ہو گیا۔ موتی لال اور جواہر لال تو شاید اسے گوارا بھی کر لیتے لیکن گاندھی جی جیسے قومیت متحدہ کے علمبردار کے لئے یہ حادثہ جانکاہ ثابت ہوا۔ انہوں نے علی براہدارن کو دھمکی دی کہ اس طرح اتحاد تباہ ہو جائے گا اور اس وقت چین لیا جب ان دونوں میں اختلاف ہو گیا اور موصوف پھر سے ”مشرف بہ ہندومت“ ہو کر گاندھی جی کے آشرم میں روحانی تربیت حاصل کرنے لگیں اور پھر مسٹر ایس کے پرنٹرز آجمنائی کے حوالہ عقد میں دے دی گئیں اور مسٹر سید حسین کو ترک وطن کر کے امریکہ کا رخت سربانہ ہٹا پڑا“ (۹۹)

اس کے برعکس ”مس حمیدہ طیب جی نے جب مسٹر شکر لال منیر کے تنبیہ سے شادی کی تو مہاتما گاندھی نے اپنی ”برکتیں“ بذریعہ تار ارباب فرمائیں“ (۱۰۰)

یہ وہ خالص مہاتمانی فلسفہ ہے جو اگرچہ اس دور کے قوم پرست مسلمان نہ جان سکے لیکن ”مہاتمانی“ کے موجودہ مداحوں کے لئے سرمہ بصیرت ہے۔ اسی واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ظفر علی خاں ایڈیٹر روزنامہ ”زمیندار“ نے یہ اشعار کہے تھے:

مسلمان ہو کے شکر لال کے بیٹے کے گھر آئی
دیا ایٹر کی ہے عباس طیب جی کی پوتی پر
مسلمان کا چھٹا تھ نہ کچھ بھی اس کے کام آیا
پنجاور ہو گئی شرع بنی زر تار دھوتی پر
حسین احمد سے کہتے ہیں خنزف ریزے مدینہ کے

کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے ستم کے موتی پر (۱۰۱)
تحریک خلافت کے دوران خلافتی لیڈروں نے بار بار تقیہ دہانی کرائی کہ وہ ہندوستانی باشندوں کی قوت پر بھروسہ کر کے انگریزوں سے نیرو آؤنا ہیں۔ بیرونی اسلامی ممالک کی امداد کے طالب نہیں۔ کوئی بھی بیرونی ملک ہندوستان پر حملہ کرے تو اس کا مقابلہ کرنے والوں میں مسلمان صف اول میں کھڑے ہوں گے چاہے وہ مسلمان ملک ہی کیوں نہ ہو۔ انحصار کے پیش نظر ہم یہاں ممتاز خلافتی لیڈروں کے چند چہیدہ

”مجھ سے کہا گیا کہ وہ ہندوؤں کے جذبہ مخالفت سے بھرتے ہوئے ہیں“ ان کی بعض تحریریں مجھے دکھائی گئی ہیں جن کو میں سمجھنے سے قاصر ہوں اور میں نے ان پر سربمبی نہیں مارا۔ اس لئے کہ وہ خدا کی سادہ مخلوق ہیں۔۔۔ وہ اکثر بلا سمجھے پوچھے بات کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں“ (۱۰۲)

اسی طرح مسٹر گاندھی نے اپنے اخبار ”ایک انڈیا“ میں تحریک خلافت کے سرور آورہ راہنماؤں کے بارے میں لکھا:

”شوکت علی خلیفہ آدی ضرور ہے لیکن ایک جوشیلا مذہبی پاگل ہے اور اس کی رائے کسی شخص کے لئے کوئی خاص وقعت نہیں رکھتی۔ حسرت موہانی ایک نکما آدی ہے جس پر ہر وقت سودیشی کی دھن سوار رہتی ہے۔ ڈاکٹر (سینف الدین) کیلو ابھی کل کا پتہ ہے اور امرتسر سے باہر اسے کوئی تجربہ نہیں ہے“ (۱۰۳)

شاہ محمد جعفر ندوی مسٹر گاندھی کی ذہنیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”انتہائی خطرناک گاندھی کی وہ مٹی مگر زہر آلود پالیسی تھی جو مسلمانوں کو سلا سلا کر کامل غفلت میں رکھنا چاہتی تھی۔ وہ ”بلینک چیک“ تو دینے پر آمادہ تھے لیکن تحفظ کی کوئی ضمانت دینے کو کبھی تیار نہ تھے۔ وہاں بیچ میں اچھوتوں کو جداگانہ نمائندگی دی جانے لگی تو گاندھی صاحب نے سرن برت شروع کر دیا اور چھ دن تک قلعہ کر کر کے عداوت ہو گئے لیکن مسلمانوں کے تحفظ کے لئے انہوں نے کبھی ایک گھنٹے کا بھی مرقع برت نہ رکھا“ (۱۰۴)

اسی ذہنیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھئے کہ جب جنگ عظیم اول شروع ہوئی تو مسٹر گاندھی یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوستانی فوج کو مسلمان ممالک اور خاص کر ترکی کے خلاف استعمال کیا جائے گا، اس لئے ”عدم تردد“ کے فلسفہ کو بلائے طاق رکھتے ہوئے (۱۰۵) ”مہاتمانی“ نے یہ نفس نفیس فوجی بھرتی کی مہم کا آغاز کر دیا تاکہ ایک جانب حکومت سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرے تو دوسری طرف یہی فوج مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے استعمال کی جائے۔ اس موقع پر انہوں نے وائسرائے ہند کو لکھا کہ:

”سلطنت برطانیہ کے لئے میں عزیز ہندوستان کے تمام تندرست افراد کی خدمات پیش کروں گا۔ مجھے انگریز قوم سے بہت محبت ہے اور میں ہر ایک ہندوستانی کے دل میں انگریز قوم سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہوں“ (۱۰۶)

مسٹر گاندھی بظاہر تو مسلمانوں کے ہمدرد تھے اور اپنے خیالات کا اظہار بڑے محتاط الفاظ میں کرتے تھے لیکن بعض اوقات غیر ارادی طور پر ایسی بات کہہ جاتے جس سے اس کی ہندوانہ ذہنیت بے نقاب ہو جاتی، ایسے ہی ایک موقع پر اس نے مسلمانوں کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا:

”مسلمان یا تو عرب حملہ آوروں کی اولاد ہیں یا ہمیں سے جدا کئے ہوئے افراد۔ اگر ہم اپنا وقار رکھنا چاہتے ہیں تو تین علاج ہیں۔

چندہ بیانات نقل کرتے ہیں۔

○ میں افغانستان سے آیا ہوں اور پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ اگر افغانستان نے حملہ کیا تو مسلمان سینہ سپر ہو کر افغانستان سے لڑیں گے اور سینہ پر گولی کھائیں گے (ظفر علی خان) (۹۹)

○ اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمان کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ حملہ آور سے مقابلہ کریں بلکہ اگر ایک ہندو قتل ہو جائے تو دس مسلمان اس کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے (ابوالکلام آزاد) (۱۰۰)

○ جب افغانی سرحد پر نمودار ہوں گے تو کوئی کارروائی کرنے سے قبل میں ان کے ارادوں کو معلوم کرنے کی کوشش کروں گا اور ان کے ارادے خواہ کچھ بھی ہوں۔ اگر انہوں نے برٹش گورنمنٹ کو شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو میں ان کو نکلانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا (مولانا محمد علی جوہر) (۱۰۱)

○ میں تو اپنی ذات سے ایک ہندو کا غلام رہتا پسند کروں گا۔ بمقابلہ ایک غیر ملکی کے۔ اگر مسلمانوں نے ہندوؤں کو افغانیوں کی مدد سے خطرہ میں ڈال دیا یا اگر ہندو اپنی تعداد کے بل پر مسلمانوں پر حاوی ہو گئے تو دونوں انسان اور خدا کے نزدیک ملعون ہوں گے (مولانا محمد علی جوہر) (۱۰۲)

○ سرولیم سنسٹ کہتے ہیں کہ ”میں ہندوستان میں مسلم حکومت قائم کرانا چاہتا ہوں“ میں یہ آواز بلند نہیں دلاتا ہوں کہ میرا یہ خیال کبھی ہرگز نہیں اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ (مولانا محمد علی جوہر) (۱۰۳)

ان یقین دہانیوں کے باوجود مسٹر گاندھی کہا کرتے تھے کہ ”ہندو مسلمانوں سے اس لئے خائف ہیں کہ جب کبھی مسلمانوں کے ہاتھ میں قوت آئی، انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ نہایت خبیث کاربائو کیا۔ اگرچہ ہندوؤں کی اکثریت تھی لیکن منہی بھر حملہ آوروں نے ان کو مغلوب کر دیا اور اس ملک میں اسی تجربے کے دوبارہ پیش آنے کا خطرہ ہے اور مسلمان لیڈروں کی سچائی اور خلوص کے باوجود عام مسلمانوں کا بیرونی حملہ آوروں سے مل جانا یقینی ہے“ (۱۰۴)

مولوی عبید اللہ سندھی بھی اس بات سے متفق نظر آتے ہیں کہ مسلمان غلام ہیں اور ہندو مظلوم۔ اپنے ایک خط بنام ڈاکٹر چو تھ رام پریڈینٹ کانگریس کمیٹی سندھ میں لکھتے ہیں:

”میں نے اپنی قوم کی سائیکالوجی جانتے ہوئے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جب ہم ہندوؤں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ کبھی ہم پر ظلم نہیں کریں گے۔ آج بھی مسلمانوں کے بعض بڑے بڑے لوگ ہندوؤں کے

سیاسی غلبہ سے ڈر رہے ہیں۔ میرا جواب ان کے لئے یہ ہے کہ شاید وہ پہلے ہندوؤں پر زیادتی کر چکے ہیں اور اب بھی اسی قسم کے کام مذہب کے نام سے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ضرور ڈرنا چاہیے۔ مگر جو مسلمان اس انقلاب سے پہلے کی تاریخ کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا، اس زمانہ کے کام، اس زمانہ کے لوگوں کی ذمہ داری پر مخصوص کر دیتا ہے اور آئندہ ہمارے پروگرام پر چلتا ہے، اسے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا“ (۱۰۵)

مسٹر گاندھی کے علاوہ دوسرے ہندو لیڈر بھی مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ مسلمان اپنے آپ کو پہلے مسلمان سمجھتے ہیں اور بعد میں کچھ اور وہ اسلام کی برتری، جنماد اور بیہون ملک مسلمانوں کی امداد پر یقین رکھتے ہیں۔ (۱۰۶)

تحریک خلافت کے دوران سب سے بڑا الزام مسلمانوں کے خلاف یہ تراشا گیا کہ وہ امیر افغانستان کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے کہ غدر کے بعد مسلمانوں کی کیا گت بنی تھی۔ غدر کی ہولناکیوں کا انہوں نے ضرور مطالعہ کیا ہوگا، چنانچہ انہوں نے اس بے بنیاد خیال کی زبردست تائید کی اور کہا کہ اگر امیر کابل انگریزوں کے خلاف لڑیں گے تو وہ ضرور ان کی مدد کریں گے۔ مگر مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف ابھارنے کی یہ زبردست سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے کہ انگریزوں کی فوجی اور ہوائی طاقت افغانوں کے مقابلے میں کتنی طاقتور ہے، مگر پھر بھی وہ اس بے معنی اور بے بنیاد خیال کی تائید کر رہے تھے۔ (۱۰۷)

مسٹر گاندھی نے یہ بھی کہا تھا کہ ”اگر اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں بادشاہ افغانستان کی کوشش سے ہندوستان آزاد ہوا تو ہم ان کو ہندوستان کا ثانوی بادشاہ تسلیم کر لیں گے“ (۱۰۸)

قوم پرست مولوی اور لیڈر بار بار اپنا یہ عقیدہ دہراتے رہتے تھے کہ وہ تشدد پر یقین نہیں رکھتے بلکہ گاندھی جی فلسفہ عدم تشدد کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور اسی پر ”نہ جہاں ہیں۔ مولوی حسین احمد دیوبندی کہتے ہیں۔

”میں خلافت“ کانگریس، جمعیت العلماء میں داخل ہو گیا اور خان والینس (عدم تشدد) کو سیاسی عقیدہ بنا کر تحریک ترک موالات (نان کو آبریش) کو اپنا عملی پروگرام بنالیا۔ اسی بنا پر ۱۹۱۹ء سے آج تک کانگریس اور جمعیت العلماء کا ممبر ہوں اور ان دونوں کے عقیدے میرے سیاسی عقیدے اور ان کے عملی پروگرام میرے دستور العمل ہیں“ (۱۰۹)

ط زویرانیٹیک لہورڈ
عابد عمران چاول
صدر بازار
لاہور چھادنی

اعلیٰ بستی چاول
اکبری منڈی کے بھاؤ خریدیں

پاکستان علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کا ذکر چل پڑا تو علامہ مرحوم نے فرمایا:

”قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا

سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے“

اس پر کہا گیا کہ دیوبند کی سیاسی روش تو انگریز دشمنی پر مبنی ہے۔ دیوبند کی تو یہ رائے نہیں کہ انگریزی حکومت کی اطاعت مذہباً فرض ہے جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں۔

فرمایا ”انگریز دشمنی سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ہم اسلام دشمنی اختیار کر لیں؟ یہ کیا انگریز دشمنی ہے جس سے اسلام کو ضعف پہنچے؟ ارباب دیوبند کو سمجھنا چاہئے کہ اس دشمنی میں وہ نادانستہ اس راستے پر چل رہے ہیں جو انگریزوں کا تجویز کردہ ہے۔ انگریز چاہتے ہیں مسلمان جنغرافی و طبیعت کا اصول اختیار کر لیں تاکہ اسلام کی حیثیت ایک عقیدے سے زیادہ نہ رہے اور امت یعنی بطور ایک سیاسی اجتماعی نظام کے اس کی وحدت ختم ہو جائے۔ یہ کیسی انگریز دشمنی ہے؟ یہ تو ان کے ہاتھوں میں کھلتا ہے“

اس پر عرض کیا گیا کہ اہل حدیث اقلیت میں ہیں اور اپنے عقائد میں بڑے متشدد۔ لہذا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ سواد اعظم میں ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ کانگریس کا ساتھ دے رہے ہیں۔

حضرت علامہ نے فرمایا: ”یہ امر تو اور بھی افسوسناک ہے، عقائد میں تشدد، تعصب اور تنگ نظری اگر اسلام کے لئے ہے تو بڑی مبارک بات ہے لیکن اگر اس لئے ہے کہ اہل حدیث سواد اعظم سے کٹ جائیں اور امت کی وحدت درہم برہم ہو جائے تو اذہد قابل افسوس“ (۱۴)

اختلاف کی وجہ سے ایک نقصان تو یہ ہوا کہ بعض مولویوں کی وجہ سے اسلام دشمن قوتوں کی طاقت میں اضافہ ہونے لگا۔ دوسرا اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ جب عوام کے سامنے متضاد فتوے آنے لگے تو غلط فتوے ایک جانب، صحیح فتوؤں کو بھی بعض کم فہم مسلمان شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے اور ان میں انگریز دوستی کی بو محسوس کی۔ اس طرح علماء کرام کے وقار کو کافی ٹھیس پہنچا۔ جہاں تک اسلامی روح سے مطابقت نہ رکھنے والے فتوؤں کا تعلق ہے۔ ان سے فائدہ کم اور نقصانات زیادہ پہنچے۔ نیشلت مولویوں کے فتوؤں سے تحریک خلافت و ترک موالیات کے دوران کئی سادہ لوح مسلمان متاثر ہوئے اور اپنا کافی نقصان کروا بیٹھے، وقتی طور پر کانگریس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ مسٹر گاندھی ”مامتا“ کے منصب پر فائز ہو گئے۔ کئی ہندو لیڈر خادم اسلام سمجھے جانے لگے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مضر اثرات بتدریج زائل ہونے لگے۔ ہندوؤں کے جارحانہ رویہ اور اسلام دشمن پالیسی کی وجہ سے مسلمانوں کا سواد اعظم سنی بریلوی علماء و

مولوی عید اللہ سندھی نے بھی عدم تشدد کے نظریے کی بڑی تعریف کی ہے اور اس پر کار بند رہنے کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ (۱۵) جمعیت العلماء ہند کو تو ہندو مسلم اتحاد اس قدر عزیز تھا کہ اس کی خاطر

قرآن پاک کا ادب ملحوظ نہ رکھتے کو بھی برداشت کرنے کے لئے آمادہ تھی۔ اس کی ایک قرار داد پیش خدمت ہے:

”جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس عام عدم تشدد کا شرعی حکم ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔۔۔ مثلاً کوئی آدمی کسی مسلمان کے رویہ قرآن پاک کی بے حرمتی کرے اور کسی طرح باز نہ آئے اور اس شخص کو قدرت ہو کہ کسی قسم کے تشدد سے اسے اس حرکت شیعہ سے روک سکے اور اس کا تشدد مفاد قوی کے خلاف نہ ہو تو ایسی حالت میں اس کا شرعی فرض ہو جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو قرآن پاک کو بے حرمتی سے بچائے“ (۱۶)

بالفاظ دیگر اگر ”برادران وطن“ ہندو مسلم اتحاد ختم کرنے کی دھمکی دیدیں اور قومی مفاد خطرہ میں پڑ جائے تو انہیں قرآن پاک کی توہین کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔ اندازہ کیجئے اس حد تک جانے کے باوجود مسٹر گاندھی کو یقین نہیں آیا اور انگریزوں کو برا سمجھتے کرنے کی غرض سے اپنی ایک یادداشت میں یہ وضاحت کی:

”میرا مذہب آپ سے خصومت رکھنے سے منع کرتا ہے، میں اپنے ہاتھ آپ پر کبھی نہ چلاؤں گا، خواہ میرے پاس اتنی طاقت بھی ہو جائے، میں خود مصیبت جمیل کر آپ پر فتح پانے کی امید رکھتا ہوں۔ علی برادران بے شک اپنے ملک و ملت کی حمایت میں تلوار اٹھائیں گے، اگر ان سے ہو سکا تو“ (۱۷)

اس کے علاوہ واتسرائے ہند لارڈ ریڈنگ نے پنڈت مالویہ کی وساطت سے مسٹر گاندھی سے چھ مرتبہ ملاقات کی اور اسے بتایا کہ علی برادران کی تقاریر اس کے عدم تشدد کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ چاہتے تو یہ تھا کہ ”مامتائی“ اپنے وفادار ساتھیوں کی حمایت کرتے لیکن اس نے علی برادران پر دباؤ ڈالا کہ وہ تشدد کی خدمت میں ایک بیان جاری کر دیں“ (۱۸)

آخر میں مسٹر گاندھی نے مجتہد مطلق بن کر فتویٰ دیا کہ:

”مسلمانوں کی سرشت میں خونریزی شامل ہے“ (۱۹)

فتاویٰ

ایک وقت تھا کہ علماء کے فتوؤں پر ہر مسلمان صدق دل سے عمل کرتا تھا۔ کسی کو مخالفت کی جرات نہ ہوتی تھی لیکن جب سے مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر اختلاف پڑ گیا تو اکثر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ اگر ایک طبقہ ایک جانب جھک جائے تو دوسرا قدرتی طور پر دوسرے ایک میں نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں جب اہل سنت و جماعت بریلوی لکھنے لکھنے تحریک آزادی ہند کے دوران ہندو مسلم اتحاد کی شدت سے مخالفت کی تو رد عمل کے طور پر ان کے مخالفین نے اس حدت زیادہ گرجوئی کے ساتھ ایک قومی نظریے کی حمایت کی۔ منصور

نہیں:

○ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترک موالات فرض ہے (مولوی محمود حسن) (۱۱۷)

○ حکومت سے عدم تعاون اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں (ابوالکلام آزاد) (۱۱۸)

اس جذباتی دور میں ہر شخص مفتی بنا ہوا تھا۔ مخالفین ترک موالات پر کفر کے فتوے لگائے جاتے تھے اور پولیس و فوج میں ملازمت کرنے والوں کے جنازے نہ پڑھنے کی تلقین کی جاتی تھی (۱۱۹) لیکن بخوف طوائف ہم یہاں صرف اس فتویٰ پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جس کا ذکر خلافتی لیڈر فخریہ انداز سے کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں سے ترک موالات کا فتویٰ پانچ سو علماء کے دستخطوں سے جاری ہوا تھا۔ لیکن خلافتی کارکنوں کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ علماء کرام نے اس پر نہ صرف خود دستخط کرنے سے گریز کیا بلکہ دیگر حضرات کو بھی منع کر رہے تھے۔ اگرچہ حسب عادت ہندو مسلم اتحاد کے مخالفین کو یہ لوگ سرکاری علماء کے خطاب سے فوازع تھے۔ لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی تعداد کافی تھی اور عوام میں مقبول بھی تھے جو مسلمانوں کا ہندوؤں سے قربت اور دلی محبت استوار کرنے کو اسلام کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے۔ کلکتہ سے ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء کو لکھے گئے مولوی محمد اکرم خان کے خط سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے جو اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے:

”فتویٰ کی مزید گالیاں پہنچ گئیں ہیں۔۔۔۔۔ دستخط کو کوشش ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ اسی جلسہ کے بعد دستخط لینے میں آسانی ہوگی مگر سرکاری علماء جن کی تعداد اور جن کا اثر بد قسمتی سے یہاں زیادہ ہے، نہ فقط دستخط کرنے سے ہچکچا رہے ہیں بلکہ خفیہ طور پر لوگوں کو منع بھی کر رہے ہیں“ (۱۲۰)

ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ انگریزوں سے ترک موالات کا فتویٰ اختلافی نہیں تھا بلکہ اجماعی تھا:

”جب مسلمانوں (یعنی جمعیت العلماء ہند) کا (ترک موالات کے متعلق) متفقہ فیصلہ یہ ہوا تو مسلمانوں کو یہ جائز نہ تھا کہ اس سے قدم باہر نکالیں، اگر انہوں نے قدم باہر نکالا تو انہوں نے ترک اجماع کیا“ (۱۲۱)

یہ تاثر یقیناً غلط فہمی یا خوشی فہمی پر مبنی ہے۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس جماعت اور مذکورہ فتویٰ کے خلاف تھی۔ جناب محمد امین ذبیحی رقمطراز ہیں:

مشائخ کے دو قوی نظریے کے حق میں دیئے گئے فتوؤں کی حقانیت کے قائل ہو کر جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے جس کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آگیا۔

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران دیوبندی اور بریلیو مکاتب فکر کی قیادت کرنے والے دونوں علماء نے ایک دوسرے کے بالکل متضاد فتوے دیئے اور اتفاق سے یہ ان کی زندگی کے آخری فتوے تھے۔ دیوبند کے مولوی محمود حسن نے اپنے فتوے میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور مسٹر گاندھی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر بنا دیا جبکہ ان کے مد مقابل امام احمد رضا خان فاضل بریلیو نے دو قوی نظریہ کی تائید میں فتویٰ دیا اور مسٹر گاندھی کی قیادت پر سخت تنقید کرنے کے علاوہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ مضبوط کرنے سے شدت کے ساتھ روکا۔ حالات کی ستم گردی دیکھتے کہ ہندو مسلم اتحاد کا داعی شیخ الحد کے عہدہ پر فائز ہو گیا اور پاکستان ہی کی نصابی کتب میں پروقار الفاظ کے ساتھ جگہ پا گیا جبکہ دو قوی نظریہ کے مبلغ کو نصابی اور تحریک پاکستان کی اکثر کتابوں میں جگہ نہ مل سکی۔ مخالفین نے ہندو پولیس کے زور سے انہیں انگریز کا ایجنٹ مشہور کر دیا اور انہوں نے ان کی چند اختلافی کتب چھاپ کر پیسہ تو کمایا لیکن ان کی علمی اور سیاسی خدمات کو منظر عام پر لانے میں کوئی قابل قدر کام نہیں کیا۔ البتہ گزشتہ چند سالوں میں کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے جسے مزید تیز رفتاری کے ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔

مولوی محمود حسن نے تحریک خلافت و ترک موالات کی حمایت کرتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کے حق میں جو فتویٰ دیا تھا۔ اس سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

”کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہندو) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں موید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منجّہ سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں، اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی“ (۱۲۲)

مولوی محمود حسن اور ابوالکلام آزاد انگریزوں سے تو ترک موالات فرض قرار دیتے لیکن ہندوؤں کا ذکر نہ کر کے خود بخود یہ تاثر عام کرنے کے مرتکب ہو رہے تھے کہ ان سے اسلام کو کوئی خطرہ

ایکسرے اور ای سی جی گھریجی کرنے کا انتظام ہے

مین بس سٹاپ صدر بازار لاہور کنینٹ

فون: 380204

ALI CLINICAL LABORATORY

علی کلینیکل لیبارٹری

انہیں کے اشارہ سے یہ عمل اختیار کیا گیا تھا۔ اس سے حقیقتاً خود اپنی اہمیت کو کم کرنا اور گورنمنٹ کو یہ یقین دلانا ہے کہ ہمارے اپنے جذبات کچھ نہیں ہیں بلکہ آئینہ گاندھی کے سامنے طوطی صفت وہی کہہ رہے ہیں جو اس آئینہ میں نظر آتا ہے۔۔۔

حال ہی میں جو فتویٰ علماء اسلام کا ضبط ہوا ہے، اس کے متعلق ہم یہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ گورنمنٹ کا یہ طرز عمل کس حد تک جائز تھا کیونکہ یہ مسئلہ بالکل کھلا ہوا اور روشن ہے لیکن اس پر ضرور اظہار حیرت و استعجاب کریں گے کہ جب فتویٰ کے ضبط ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو علماء نے پہلے ایک عریضہ مامتا گاندھی کی خدمت میں بھیجا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ کلام مجید موجود ہے، احادیث باقی ہیں، اصول فقہ مرتب ہیں، وہی کرنا چاہئے جو ان سے منضبط ہوتا ہے۔ کیا مامتا گاندھی ہم سے زیادہ ان کو سمجھ سکتے ہیں۔۔۔۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمان ہندوؤں میں جذب ہوئے جاتے ہیں اور اپنی ہستی کو اس وقت تک جو مستقل ہستی خیال کی جاتی

تھی، ہندوؤں کی ہستی میں تحلیل کئے دیتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ فتویٰ کی منطقی میں پہلے مامتا گاندھی سے مشورہ کیا جاتا ہے۔

اگر ہمارے ضعف و انحطاط کا یہی عالم ہے اور مصالح دنیا نے اصول مذہب کو اس قدر مغلوب کر لیا ہے تو وہ وقت دور نہیں جب معمولی مسائل روزہ و نماز کے بھی مامتا گاندھی سے دریافت کئے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض اعمال سے اتحاد و اتفاق کو صدمہ پہنچ جائے گا اندیشہ ہو" (۱۲۸)

اہل سنت کے نزدیک خلافت شریعہ کے لئے "قرشیت" شرط ہے۔ اس بارے میں کتب احادیث میں متواتر احادیث منقول ہیں۔ موضوع زیر بحث سے دلچسپی رکھنے والے محققین امام احمد رضا کی کتاب "دوام العیش" کا مطالعہ کریں لیکن مولوی عبدالرؤف کا فتویٰ یہ تھا کہ "خلافت کسی ایک خاندان کا ورثہ نہیں ہے" (۱۲۹) دیگر نیشنلسٹ علماء کا بھی یہی نظریہ تھا کہ بلکہ ابوالکلام آزاد نے تو یہ فتویٰ دیا تھا کہ "ترک کی خلافت کا منکر کافر اور خائن از اسلام ہے" (۱۳۰) حالانکہ اسی خلافت کی بحالی کے لئے چلائی جانے والی تحریک کا سربراہ منکر اسلام بنایا گیا تھا۔

تعلیمی اداروں پر دھاوا

مسلمان تعلیم کے میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے تھے۔ سرسید نے علی گڑھ کالج، جو بعد میں یونیورسٹی بن گیا، قائم کر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر ابھارا، اس میں شک نہیں کہ سرسید کے بعض مذہبی خیالات قابل گرفت تھے، لیکن تحریک پاکستان کے سلسلے میں علی گڑھ کالج کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کے چند تعلیمی ادارے تھے جن سے استفادہ کیا جا رہا تھا۔ ستر گاندھی اور اس کے رفقاءے کار حصول تعلیم میں مسلمانوں کی بڑھتی

"ترک موالات کا فتویٰ شائع ہوا جس پر پانچ سو دس خط علماء ہم علماء اور بڑے نام علماء کے ثبت تھے جس کی رو سے کونسلوں کی ممبری، وکالت، سرکاری کالج، سرکاری گرانٹ، انگریزی مال، انگریزی مجسٹری، فوجی و غیر فوجی ملازمت، بیرونی مقدمات اور خطابات کو موالات میں داخل۔۔۔ منسوخ قرار دیا گیا۔ (۱۳۱)

فتویٰ دیا تھا اور جمعیت العلماء بھی ایک ہی طبقہ کی جمعیت تھی۔ خانقاہ ابدادیہ تھا نہ ہندوؤں سے جو اسی طبقہ کے علماء کا ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ اس کے خلاف فتاویٰ شائع ہوئے۔ علماء ندوۃ العلماء بھی اس سے الگ تھے۔ بریلی کے علماء بھی مویدین میں نہ تھے۔ فرض سنی علماء کا سوا اعظم ترک موالات اور ہجرت کی تائید میں نہ تھا۔ (۱۳۲) بعض نے ہندوؤں کے ساتھ ایسے اتحاد کے خطرات سے بھی آگاہ کیا اور ان فتاویٰ کے خلاف رائیں ظاہر کیں مگر مسائل ترکی سے قلب ایسے متاثر تھے کہ عواقب و نتائج پر نظر ہی نہ تھی" (۱۳۳)

اس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ اس فتویٰ میں شریعت کو دخل کم اور ستر گاندھی کی خواہشات کی پاسداری زیادہ تھی ورنہ ایک چیز اگر اس وقت کتاب و سنت کی رو سے ناجائز تھی تو بعد میں جائز کیونکر ہو گئی۔ مثال کے طور پر اگر اسمبلیوں کا بایکٹا شرعی ضرورت تھی تو کچھ عرصہ بعد اس کے امیدواروں کے لئے ووٹ مانگنا کس نص کے تحت جائز ہو گیا؟ جناب عبدالوجید خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"تحریک خلافت کے زمانے میں اسمبلیوں کے بایکٹا کا فتویٰ بڑے شدومد سے دیا گیا۔ اسمبلی کی رکنیت کو حرام بتایا گیا لیکن جب کبھی کانگریس نے اسمبلی میں شرکت کا ارادہ کیا تو ہمارے انہیں (جمعیت علماء ہند کے) علماء نے پوری جدوجہد سے اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا" (۱۲۵) شیخ بدست

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے خیال میں:

"میں صاف کہتا ہوں کہ ان کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی تحلیل و تحریم حقیقت نفس الامری کے اور اک پر تو مبنی ہے نہیں، محض گاندھی جی کی جنبش لب کے ساتھ ان کا فتویٰ گردش کیا کرتا ہے" (۱۳۶)

تحریک ترک موالات کے متعلق جو فتویٰ جمعیت علماء ہند کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ وہ بقول مفتی محمود ضبط ہوا (۱۳۷) اس کے بعد کیا ہوا؟ ماہنامہ "صوفی" کے ایڈیٹر ملک محمد الدین کی زبانی سنئے:

"مسائل حاضرہ کے متعلق حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا، ہندوؤں سے اتحاد و اتفاق کرنا، مسئلہ خلافت کے متعلق ہتھیار و مضطرب رہنا، جیسے کرنا، انہوں کی بنیاد والا فتاویٰ صادر کرنا یہ سب اپنی اپنی جگہ صحیح و درست ہوں لیکن یہ قیامت تک درست نہیں ہو سکتا کہ جب کوئی فتویٰ ضبط ہو تو پہلے مامتا گاندھی سے مشورہ و استصواب کیا جائے کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہئے۔ کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ فتویٰ بھی مامتا گاندھی سے دریافت کر کے لے لیا گیا تھا اور

ایٹ بجادے، کسی بھی غیر مسلم معاشرے میں ایک مسلمان کے لئے اہم مقام حاصل کرنے کی خاطر ایسے کئی ناگوار کام کرنے پڑتے ہیں۔ اس اور اس جیسے دیگر ”شاندار خدمات“ کے اعتراف کے طور پر ہندوؤں نے انہیں کانگریس کی صدارت جیسے عمدہ جلیلہ پر فائز کر دیا۔ اگرچہ صدارت کانگریس کے دوران بقول قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ وہ ”شوہانے“ (۱۳۳) سے زیادہ حیثیت کے مالک نہیں تھے لیکن یہ بجائے خود ایک بڑی بات تھی کہ ایسے ہنگامہ خیز دور میں جبکہ ہندو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی جدوجہد میں مصروف تھے، ان کے سب سے بڑے ادارے کا سربراہ ایک مسلمان تھا۔

بات ہو رہی تھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی، ابوالکلام آزاد وہاں پہنچے اور طلباء سے خطاب کرتے ہوئے نصیحت کی کہ:

”حکومت سے عدم تعاون اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں اور میں تم کو پکارتا ہوں کہ کالج کی پار دیواری سے باہر نکلو اور کالج کی تعلیم کا پائیکٹ کرو“ (۱۳۳)

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ بھی گاندھی فلسفہ کے ایک پرستار کی زبانی سنئے:

”ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اس وقت (علی گڑھ) یونیورسٹی کے پروفیسر وائس چانسلر اور ہر معنی میں یونیورسٹی کے حل و عقد کے ذمہ دار تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے اپنا ایک بیان اخبارات میں خلافت عثمانیہ

ہوئی دلچسپی کو خطرے کا شعل سمجھ رہے تھے، وہ موقع کی تاک میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح اس رجحان کو نہ صرف بڑھنے سے روکا جائے بلکہ اس پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ مسلمان دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہ سکیں۔ اس طرح وہ ہندوؤں کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے اور ”ممانعتی“ ان کی تکمیل پکڑ کر جیسے چاہیں گے، استعمال کریں گے۔ تحریک خلافت و ترک موالات نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔

خود سامنے آنے کے بجائے مسٹر گاندھی نے بعض مسلمان رہنماؤں کو اس کام پر مامور کر دیا۔ پہلا حملہ علی گڑھ یونیورسٹی پر کیا۔ اس مہم میں مولوی محمود حسن، ابوالکلام آزاد، علی برادران اور دیگر نیشنلسٹ مولویوں نے ہراول دستے کا کام انجام دیا، ان حضرات نے سر توڑ کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے اس مضبوط قلعہ کو سسار کر دیا جائے۔ ضرورت کے وقت مسٹر گاندھی خود بھی مدد و نصیحت کے لئے پہنچ جاتے لیکن وہ اپنے حوالے سے بات نہیں کرتے تھے بلکہ نہایت مکاری سے یہ کہہ کر مسلم طلباء اور ان کے والدین کو

گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کرتے تھے کہ آپ کے علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ اسلام کی رو سے مسلمان طلباء کسی ایسے تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے جو گورنمنٹ سے امداد لیتی ہو۔

مولوی حسین احمد دیوبندی کا بیان ہے:

”یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ناچور میں اجلاس کانگریس ہوا تھا اور اس میں نان کو اپریشن کی تحریک پائی ہو چکی تھی۔ اس کے خلاف مسٹر جناح اور ان کے موافقین نے آزاد بہت کمزور پڑ گئی تھی اور یہ پارٹی حد درجہ اقلیت میں آگئی تھی۔ ملک کے تمام اہل الرائے ہندو اور مسلمان برطانیہ سے نہایت برگشتہ ہو رہے تھے۔ ممانعتی گاندھی کی رائے قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترک موالات کے متعلق طلباء (علی گڑھ) یونیورسٹی نے فتویٰ حاصل کر لیا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترک موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی اور تمام مسلمانوں اور طلباء مسلم یونیورسٹی کو زور دار مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں، گورنمنٹ سے قطع تعلیق کریں اور تمام کالج اور سکول گورنمنٹی امداد چھوڑ دیں اور اگر کالجوں اور سکولوں کے زعماء ایٹ نہ چھوڑیں تو طلباء ایسے کالجوں اور اسکولوں سے نکل آئیں“ (۱۳۳)

ابوالکلام آزاد کے متعلق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی روایت ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اہداف کے مخالف تھے اور ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ کے بغیر ہندو کانگریس میں بھرپور حصہ لینے کی دعوت دیتے تھے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مسلمانوں کو تحفظات حاصل کے بغیر ہندو اکثریت پر اعتماد کر لینا چاہیے تھا، تب بھی مسلم یونیورسٹی اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مخالفت کو کیونکر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ (۱۳۴)

اب ابوالکلام آزاد کے لئے موقع تھا کہ ہندو کانگریس کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے علی گڑھ کے تعلیمی ادارے کی ایٹ سے

پاپولر ایڈیشن مجلہ

ہول سیل اینڈ پریچون

ہمارے ہاں

سکول بیگ، سفری بیگ، ڈاکٹر بیگ، ہینڈ بیگ اور بے آرڈر پرتی راتیں ہیں

پاپولر جنرل سٹور سٹریٹ 951 صدر بازار لاہور

فون 6660282

اور پھر علی گڑھ چلا گیا، ان دنوں ڈاکٹر ضیاء الدین کالج کے پرنسپل تھے۔ مجھے وہاں گئے ہوئے چند برس ہی ہوئے تھے کہ عدم تعاون کی تحریک زور پکڑ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء علی گڑھ تشریف لائے اور انہوں نے ایسی دل میں اتر جانے والی تقریریں کیں کہ طلبہ کی بڑی تعداد نے انگریزوں کی درس گاہ سے قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا، دیکھتے ہی دیکھتے تین چار سو طلباء باہر نکل آئے۔ اتنی بڑی تعداد کی طرف سے بائیکاٹ ہو جانے پر علی گڑھ کالج بند کر دیا گیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے طلباء کو اپنے اپنے صوبوں میں کام کرنے پر مامور کر دیا۔ (۳۰)

جس طرح ہندوؤں نے اپنے تعلیمی اداروں کو ترک موالات کے مسموم اثرات سے بچائے رکھا، بالکل اسی طرح دارالعلوم دیوبند کی بھی حفاظت کی گئی۔ ارباب اہتمام نے مولوی عبداللہ سندھی کی سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے ان کے چند مسائل کو بھانہ بنا کر ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور انہیں مدرسہ سے الگ کیا (۳۱)۔ اگرچہ وہ اس کے بعد بھی سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ لیکن اس سے دارالعلوم پر کوئی وجہ تکلے کا احتمال نہیں تھا۔ دارالعلوم کے جو ملازم مقامی کانگریس کے باقاعدہ ممبر یا عمدہ دار بن گئے، اس طرح کی چیزوں کی مناسب طریقہ سے روک تھام کی گئی اور جن ملازمین نے دارالعلوم کے مسلک کے خلاف اپنے رویہ پر اصرار کیا، ان کو معطل کیا گیا۔ (۳۲) جناب مسعود قاسمی کے نزدیک:

”دارالعلوم کو سیاسی سرگرمیوں سے بچانا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اگر یہ ادارہ ایک سیاسی حیثیت اختیار کر گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ برسر اقتدار جماعت یعنی انگریزی حکومت اس ادارے کی مخالفت بن جائے گی جس سے ادارے کی شہرت و ناموری اور مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا“ (۳۳)

انگریز گورنر سر جیمس میسٹن نے دارالعلوم دیوبند کا دورہ کیا، بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔ متمم دارالعلوم کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا۔ اس کا دفاع کرتے ہوئے پروفیسر انوار الحسن صاحب رقمطراز ہیں:

”ہر متمم کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تدبیر سے کسی ادارے کو خطرات سے بچا کر لے جائے، وہی اس دور میں جناب متمم صاحب نے کیا، دوسری جانب جنگ عظیم کے باعث ترک زبردست بحران سے دو چار تھے۔ اس لئے مجاہدین اسلام کی جماعت دشمنان دین کے وجود کو مقدس اداروں میں آنے اور ان کے لئے عقیدت مندی سے انتظامات فراہم کرنے کو گوارا نہیں کر سکتے۔ یہی پارٹ جو متمم صاحب

نے ادا کیا۔ خلافت کے عدم تعاون اور انگریزی حکومت سے بائیکاٹ کے دور میں ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے کیا اور میرے نزدیک درست کیا۔

رہا انگریزوں کا دارالعلوم میں بلایا جانا، یہ بھی علمائے دیوبند کی بیشہ سیاست قائم رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے

اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کی تائید میں شائع کرا دیا تھا مگر وہ تحریک عدم تعاون کی کس طرح تائید کر سکتے تھے؟ انہوں نے پوری ہوشیاری اور چالاکی سے اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد امام المذہب تو تسلیم کر لئے گئے (۳۴)۔ لیکن ان کا فرمانِ غلیظہ المسلمین ترکی کے فرمان کی طرح بے اثر رہا۔ (۳۵)

مسٹر گاندھی نے یہ نفس نشیں ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر صاحب نے گاندھی جی سے کہا کہ وہ طلباء کے ذہنوں کو مسموم نہ کریں اور یہ بھی یاد دلایا کہ جنوری میں انہوں نے کہا تھا کہ طلباء کو تحریک سے مستثنیٰ کیا جائے۔ گاندھی جی نے اس کا جواب دیا کہ میری رائے بدل گئی ہے۔ اب میرے نزدیک تعلیم کو اعلیٰ سیاست کی خاطر قویانہ چاہئے۔ (۳۶)

۳ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو عصر کے وقت سید نور اللہ وائس پریذیڈنٹ کی صدارت میں میٹنگ ہوئی، ہال کھپا کھینچ بھرا ہوا تھا، باہر برآمدوں اور یونین کی کرسی کے نیچے طلباء اور اولڈ بوائز کا جھوم تھا۔ سید نور اللہ نے حکومت کے مظالم بیان کئے اور خلافت کا مسئلہ بیان کر کے حکومت سے ترک تعاون کی اپیل کی۔ مجمع میں سے میرسٹر عبدالعزیز صاحب نے دریافت کیا کہ طالب علم کالج چھوڑنے کے بعد کیا کریں گے؟ جواب دیا گیا، خلافت کا کام، پھر انہوں نے سوال کیا، قیصری کام کی کیا اسکیم ہے؟ اس پر علی برادران نے جواب دیا کہ اس اسکیم کے نہ ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں کو مذہب پر سب کچھ قربان کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے۔ انہوں نے پھر سوال کیا، ہندو یونیورسٹی میں کیا ہوگا؟ مولانا محمد علی نے جواب دیا، خلافت مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے (اس لئے یہ سوال بے محل ہے) (۳۷)

جہاں تک ہندوؤں کی بنارس یونیورسٹی، کالجوں اور اسکولوں کا تعلق ہے تو اگرچہ بظاہر مسٹر گاندھی اور ان کے بعض ہم مذہب بھی پبلک میں یہی پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ تحریک ترک موالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہندو بھی تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کریں لیکن درپردہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو جاری رکھنے پر تے ہوئے تھے۔ ”ہندوؤں میں بھی تعلیمی و سیاسی ماہرین نے تعلیمی مقاطعہ کی علامتہ مخالفت کی، چنانچہ ایک طرف علی گڑھ میں روز محشر کا سماں تھا تو دوسری طرف (ہندوؤں کی) بنارس (یونیورسٹی) میں موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پڑت مالویہ نے (بنارس کی ہندو) یونیورسٹی کی حدود میں نہ صرف علی برادران کو بلکہ گاندھی جی کو بھی تقریر تک نہ کرنے دی اور وہ زور شور جو علی گڑھ میں دیکھا گیا، یہاں قطعی سرد تھا۔ گاندھی جی نے صرف یہ کہہ کر ”مالویہ جی نہیں مانتے“ ہونٹوں پر مرسکوت لگائی“ (۳۸)

ہندو طلباء تو دستور تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہے لیکن جن مسلمان طلباء کو تعلیمی اداروں سے نکال لیا گیا تھا، ان سے کیا کام لیا گیا، جناب الہی بخش اس کی روداد سناتے ہیں:

”والد صاحب کے انتقال کے بعد ہمارے ماموں نے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اٹھائی، ہائی اسکول تک ریاست خیرپور میں زیر تعلیم رہا

ادا فرمانے کے بعد آپ نے جلسہ افتتاح یونیورسٹی میں کرسی صدارت کو معزز فرمایا" (۱۳۵)

آگے چل کر مولوی سید اصغر حسین صاحب لکھتے ہیں:
"بعض دنیا پرست اخباروں نے حضرت کی اس شرکت کے واقعہ کو استہزاء و تمسخر کے لہجہ میں بیان کر کے اپنی عاقبت خراب کی ہے وہ غالباً "سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی تکلیف میں صحابہ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں بغرض شرکت جماعت تشریف لے جانے کے حوصلہ افزا قہ سے ناواقف ہیں اور رجلاہ تحفان فی الارض کی تکلیف وہ حالت ان کو پیش نظر نہیں رہی" (۱۳۶)

حیرت ہوتی ہے علم دین رکھنے کے وعیدار حضرات کی ایسی سوچ پر کہ قطعی خلاف شریعت واقعہ کو اسوۂ حسنہ سے ملا کر صحیح سوچ رکھنے والوں کو عاقبت کی خرابی کی وعید سناتے ہیں۔ کہاں وہ واقعہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت میں تشریف لے گئے اور ان کا حوصلہ بڑھایا اور کہاں مسٹر گاندھی کی جنبش لب پر کی جانے والی امت مرحومہ میں انتشار و افتراق پھیلانے والی یہ کارروائی پھر ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ دعویٰ بھی دھوکہ دہی کی ایک نادر مثال ہے کہ:

"(مولوی محمود حسن نے) ایک تو علی گڑھ کا دورہ کیا۔۔۔ اور دوسرے جدید اور قدیم کے استزاج کی سعی اور علی گڑھ اور دیوبند کے مابین ایک درمیانی راہ پیدا کرنے کے لئے مسلم نیشنل یونیورسٹی کی بنیاد

ڈھانے میں اس عہد کے لفٹیننٹ گورنر کے سیکرٹری آئے تھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے ڈھانے میں آرڈن صاحب گلکٹر سہارن پور مدعو کئے گئے تھے اور ۱۹۰۵ء میں جناب مولانا رشید احمد صاحب کی سرپرستی کے دور میں سرچیس لائوس گورنر پر پی آئے تھے۔ اس لئے یہ امور قابل اعتراض نہیں میرے نزدیک ان کا دیوبند میں آنا اور ذمہ داران دارالعلوم کا شاندار انتظامات کرنا مدرسہ کی خاطر ایک سیاسی آگہ پھولی تھی" (۱۳۷)

اگرچہ پروفیسر صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی کو بچانے کے عمل کی حمایت کی ہے لیکن وہ اس بات سے پہلو بچا گئے ہیں کہ جمعیت العلماء ہند کے "پانچ سو علماء" کے فتویٰ ترک موالات کا اطلاق صرف مسلمانوں کے تعلیمی اداروں، ملازمتوں اور وکلاء پر ہوتا تھا یا دارالعلوم دیوبند بھی اس کی زد میں آتا تھا۔ اس لئے کہ دارالعلوم کو بچانے کی خاطر انگریزوں کو گلے لگانے، انہیں مدعو کرنے، استقبال کرنے، مراعات حاصل کرنے، شمس العلماء کا خطاب قبول کرنے پر تو کسی خلافتی و مولائی لیڈر نے اعتراض نہیں کیا۔ مولوی محمود حسن دیوبند سے بناری کی حالت میں مسلم یونیورسٹی کو قیام کرنے کی غرض سے علی گڑھ پہنچے، طلباء کو برصغیر کرنے کے لئے فتویٰ بھی صادر فرمایا اور مخالفین پر انگریز پرستی کے الزامات بھی لگائے گئے لیکن دارالعلوم کے طلباء اور ارباب اہتمام کی اس اعلانیہ انگریز پرستی پر کوئی گرفت نہیں کی۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے بھی ہندو تعلیمی اداروں کی طرح دارالعلوم دیوبند کی حفاظت اور انگریز پرستی پر بھی خاموشی اختیار کئے رکھی اور خود تو کیا کسی نیشنلسٹ مسلمان لیڈر کو بھی دیوبند بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔

التحضر علی گڑھ یونیورسٹی اگرچہ ترنوال ثابت نہ ہوا تاہم جن طلباء کو گمراہ کر لیا گیا، انہیں حمہد قومیت کا سبق پڑھانے اور بقول مسٹر گاندھی سچا ہندوستانی بنانے کے لئے جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس "مبارک" کام کے افتتاحی جلسہ کی صدارت کے لئے مولوی محمود حسن، جو بستر مرگ پر پڑے تھے، خود تشریف لے گئے:

"اسی حالت مرض میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا معاملہ پیش آیا، مولانا محمد علی صاحب اور دیگر حضرات نے تحریک فرمائی اور حضرت مولانا (محمود حسن) نے اس کو ایک دینی اور مذہبی کام خیال فرمایا اور اپنے تشریف لے جانے کو مولانا محمد علی صاحب اور ان کے معاونین کے لئے باعث تقویت اور ترک موالات کی تحریک کے لئے موجب تائید خیال فرمایا۔ حالت مرض کو دیکھنے والے آپ کے ارادہ سفر سے حجب و حیران رہ جاتے تھے اور بہت سے شخص ارادہ فتح کرنے کا

باب مشورہ دیتے تھے لیکن حضرت نے مرض و ضعف کی اصلاح پرواہ نہ کر کے سفر کی شدید تکلیف گوارا فرمائی اور ۱۵ صفر کو بروز پنج شنبہ چند خصوصی حضرات کے ہمراہ علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ ۱۶ صفر (۲۹ اکتوبر ۱۹۰۵ء) کو بروز جمعہ سواری میں کالج تشریف لے گئے اور لوگوں نے جنت فخر مباہلات آپ کو ہاتھوں ہاتھ لے جا کر مولانا محمد عبداللہ صاحب انصاری ناظم دینیات کے کمرہ میں لٹا دیا۔ نماز جمعہ بہ تکلیف

معیار پسندوں کا انتخاب

مارو سے دھلائی
کیڑوں سے صفائی

ماروی سوپ

بھنڈراں والا سنز

(پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور فون: ۳۳۱۴۳۳۳

مسلم لیگ پر الزام یہ ہے کہ اس نے ان مذہبی اداروں کی مالی امداد کیوں نہیں کی جو مسٹر گاندھی کو قاتل احترام اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے شر سے بچانے والا سمجھتے تھے۔ اصولاً ان اداروں کی سرپرستی ہندوؤں کو کرنی چاہئے تھی، اس لئے کہ وہ ان کے مقاصد کے لئے کام کرتے تھے۔ اگر عجیب صاحب اپنے برادران وطن سے یہ شکایت کرتے تو حق بجانب ہوتے لیکن مسلم لیگ کو مورد الزام ٹھہرانا کسی صورت میں بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی بھی ذی ہوش جماعت اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے جانی دشمنوں کو کھلا پلا کر موٹا تازہ اور طاقتور بنائے تاکہ وہ مزید شدت کے ساتھ تحریکی کارروائیوں میں حصہ لینے کے قابل ہو سکیں۔

ان اقتباسات اور مختصر تبصرہ کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ جامعہ ملیہ جیسے ادارے کا سنگ بنیاد رکھنے کی خاطر تیاری کی حالت میں سڑک کے جانا اور کرسی صدارت کو زینت بننا نہ تو کوئی دینی خدمت تھی اور نہ ہی اس کا اسوۂ حسنہ سے کوئی تعلق تھا بلکہ یہ خالص گاندھی فلفلے کو تقویت پہنچانے کا فعل تھا۔ اس لئے کہ اسی ادارہ نے گاندھی کو مرتبہ الوہیت پر فائز کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جبکہ اس کے ارباب انتظام اتنے ناشکرے نکلے کہ مسلم لیگ کی مالی امداد نہ کرنے کا لگہ تو کرتے ہیں لیکن مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح رحمت اللہ علیہ نے ان کو اپنی دولت سے نوازا، اس کا شکریہ تک ادا کرنے کے روادار نہیں، جبکہ ان کے ”مہاتما جی“ مشرک ہو کر منافقت انداز سے ہی سنی، بعض اوقات قائد اعظم کی تعریف کر لیا کرتے تھے۔ جناب شاہ حسن، طاہر صاحب کا بیان ہے:

”جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ہنگامہ نظریات کو اپنایا اور گاندھی جی کو کبھی کبھی الوہیت کے مرتبہ پر فائز کرنے میں پس و پیش نہ کیا مگر قائد اعظم نے اپنی دولت سے اس ادارہ کو بھی نوازا“ (۵۸)

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے والے مسلمان لیڈر ہندوؤں کا آواز کار بننے کو فی خود کشی کے مترادف سمجھتے تھے، اس لئے ان میں سے کسی نے بھی جامعہ ملیہ جیسے ہندو نواز ادارے کی حمایت نہیں کی۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بعض لوگوں نے اخبارات میں یہ افواہ پھیلا دی کہ وہ قومی آزاد یونیورسٹی (جامعہ ملیہ) قائم کرنے کے حق میں ہیں، علامہ نے اس شراغیز خبر کی فوری تردید کی۔ خان نیاز الدین خان کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں:

”یاتی رہا میرا ان لوگوں سے ہم خیال ہونا، ہم خیالی صرف اسی حد تک ہے جس حد تک قرآن (حکیم) کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں انہوں نے شائع کیا ہے کہ اقبال نے قومی آزاد یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے جہیل حکم میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے، تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے، بالکل غلط ہے، میرے ساتھ ان کی کوئی گفتگو اس بارے میں نہیں ہوئی، واقعات کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکہ نہ

رکھی جو بعد میں ”جامعہ ملیہ“ کے نام سے موسوم ہوئی“ (۵۹)
حالانکہ مولوی محمود حسن کا یہ ”کارنامہ“ جدید اور قدیم کے امتزاج کی سہی نہیں تھی بلکہ علی گڑھ یونیورسٹی جو دو قومی نظریہ کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، سے زیادہ سے زیادہ افرادی قوت نکال کر کانگریس کو مضبوط کرنا تھا۔ دراصل دو قومی نظریہ کے مخالفین ہیر پھیر اور خوشنما الفاظ کے استعمال سے ان لوگوں کی عقلت دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جو متحدہ قومیت کے علمبردار اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ پاکستان کی بنی نسل سے حقائق کو چھپا کر صرف ان مذہبی شخصیات اور اداروں کو محبت بھرے انداز میں متعارف کیا جا رہا ہے جو سرے سے اس نظریہ کو ہی باطل سمجھتے تھے۔ جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ نصابی کتب کو اٹھا کر دیکھ لیں، ان میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے نجات دہندہ کے طور پر دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اور ان سے وابستہ شخصیات جیسے ایک قومی نظریہ اور ہندو و انگریزوں کے طرفداروں کا ذکر بڑے طعنائی سے ملے گا لیکن ان سنی بریلی اکابرین اور ان کے اداروں کے نام دور بین لگا کر دیکھنے سے بھی نظر نہیں آتے جنہوں نے عمر بھر مسلم لیگ کی حمایت کی اور دو قومی نظریے کا پرچار کیا۔

آئیے اب جامعہ ملیہ کا اصل چہرہ دیکھئے۔
جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر جناب مجیب رقمطراز ہیں:
”پانچ سال قبل (علامہ) اقبال نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں کا اپنا علیحدہ ملک ہونا چاہئے جہاں وہ شریعت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، یہ تصور اس اصول کے بالکل خلاف تھا جس کے تحت جامعہ ملیہ وجود میں آئی تھی۔ یعنی یہ کہ مسلمان شہریت اور تہذیب و تمدن کے مشترک تصورات کو فروغ دینے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل جل کر رہیں اور کام کریں۔“

یہی دو نظریات آج بھی موجود ہیں، وہ علاقہ جہاں مسلمان شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں پاکستان ہے اور جامعہ اب بھی وہیں ہے جہاں یہ پہلے تھا اور ان ہی اہداف کے لئے کام کر رہی ہے“ (۶۰)
یہی وائس چانسلر صاحب مسلم لیگ کے متعلق فرماتے ہیں:
”اگر مسلم لیگ کے مذہبی جذبات خلوص پر مبنی ہوتے تو خیراتی ادارے، سکول اور کالج، جن کی کفالت مسلمان کرتے تھے، کو اس سے مستفید ہونا چاہئے تھا۔ میرے علم کی حد تک ان میں سے کسی نے بھی اس سے مالی امداد حاصل نہیں کی، اگر مسلم لیگ غریب کی وجہ سے مالی امداد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی تو کم از کم اخلاقی مدد تو کرتی، اس کے برعکس دینی دارالعلوم دیوبند کو سیاسی وجوہات کی بنا پر نظر انداز کر دیا گیا اور جامعہ ملیہ سے بدگمانی یا ناراضگی ظاہر کی گئی، اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو بنیادی تعلیم سے وابستہ رکھا اور اعلائیہ مہاتما گاندھی کی تعریف اور ادب و احترام پر اصرار کیا جو (یعنی ”مہاتما جی“) جیسا کہ ہمیں علم ہے، واحد شخص تھا، جس نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے شر سے بچایا“ (۶۱)

چوری اور سینہ زوری کی اس سے بڑھ مثال کوئی اور نہیں ہو سکتی

وہ اصولی طور پر تحریک (ترک موالات) کے موافق نہیں تھے (۱۵۳) یہی وجہ ہے کہ اسلامیہ کالج کو انہوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے شامل ہونے نہ دیا" (۱۵۵)

علامہ اقبال مرحوم اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۰ء بنام خان نیازالدین خان میں تحریر فرماتے ہیں:

"علی گڑھ سے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی، اسلامیہ کالج میں بھی وہی حالات پیدا ہو چکے تھے مگر طلباء کو چھٹی دے دی گئی ہے اور الحاق کے بارے میں خود ان کی رائے میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے، امید ہے کہ اب اس بارے میں اراکین انجمن کو تردد نہ رہے گا۔ میری تو یہی رائے ہے کہ گرانٹ اور الحاق کے بارے میں جو فتویٰ علماء کا ہو اس پر عمل کرنا چاہئے، چونکہ واجب الطاعہ امام اس وقت موجود نہیں، اس واسطے جمہور مشایخ علماء ہند کا فتویٰ ضروری ہوگا، صرف ایک عالم کا فتویٰ اس بارے میں کافی نہیں، خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ علماء کی غالب جماعت کا اس پر اتفاق ہونا چاہئے۔ ذاتی رائے میری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اگر علماء کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو سر تسلیم خم ہے، جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں، قرآن کے احکام اس بارے میں صاف اور واضح ہیں لیکن افسوس ہے کہ بعض مشہور علماء فتویٰ دیتے ہوئے خائف ہیں، بعض کی خدمت میں، میں نے خطوط لکھے ہیں مگر امید نہیں کہ جواب ملے" (۱۵۶)

اقبالیات کا مطالعہ کرنے والے محققین جانتے ہیں کہ گو علامہ اقبال مرحوم نے کسی اجلاس یا ملاقات میں کھل کر یہ بات نہیں کی کہ خلافتی و موالاتی لیڈروں کو صاف طور پر بتا دیا جائے کہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو تباہ و برباد کرنے کے خطرناک کھیل سے باز آجائیں لیکن اشاروں، کنایوں، خاموشی، رد کردہ اور بعض اوقات خطوط و بیانات کے ذریعے، مسلمانوں تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ وہ تعلیمی پانچاٹ کے حق میں نہیں ہیں، اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، محو بلاخ کے مندرجہ ذیل پر غور کیا جائے تو اس میں بھی یہی پیغام درج ہے، بعض کو تاہم میں اس کے اس سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگرچہ علامہ مرحوم ذاتی طور پر تحریک ترک موالات کے خلاف تھے لیکن انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ علماء کے فتویٰ پر ہی عمل کیا جائے، چونکہ علماء نے ترک موالات کے حق میں فتویٰ دیدیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے کا پابند سمجھتے تھے حالانکہ یہ تاثر قطعی طور پر غلط ہے، جہاں تک نام نہاد پانچ سو علماء کے فتویٰ کا تعلق ہے، علامہ اقبال کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ محترم محمد احمد خان رقمطراز ہیں:

کھائیں، میں نے ایک بار آنریری سیکرٹری کو دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے جو اخباروں میں شائع ہوئی ہے" (۱۵۱)

جامعہ ملیہ کے افکار و نظریات جاننے کے لئے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے ایک عقیدہ مند اور مشہور و معروف مسلم لکھی کارکن حکیم محمد حسین بدرپشتی مرحوم کا یہ چشم دید واقعہ پڑھ لینا ہی کافی ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"راقم الحروف جب اپنے ایک دوست غلیل الرحمن چٹا گنگی جو پہلے میرے ساتھ علی گڑھ یونیورسٹی میں ہم سبق تھے، بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں مائٹریشن کرائے، اسے ملے گیا تو مولانا عید اللہ سندھی سے بھی جامعہ ملیہ میں ملاقات ہوئی، مولانا صاحب نئے نئے روس سے واپس آئے تھے اور طلبہ کو متحدہ قومیت اور سوشلزم پر لکچر دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ میری ان تعلیمات سے نہ جندو، بندو اور نہ مسلمان، مسلمان رہے گا اور دونوں خدا سے بھی دور نہ ہوں گے بلکہ بندو اور مسلمان کھیر شکر بن کر رہیں گے" (۱۵۲)

آئیے مل کر حکیم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے سیاہ رنگ کی اپن اور ملی گڑھ کٹ پاجامہ اور سر پر تری ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جب مولانا (عید اللہ سندھی) صاحب کی مجھ پر نگاہ پڑی تو کہنے لگے کہ یہ ملک دشمن جامدہ ملیہ میں کیے آگیا۔ غلیل الرحمن نے مجھے دور سے پہچان لیا اور کہا کہ یہ ایک پنجابی طالب علم ہے جو مجھ سے ملے آیا ہے۔ مجھے غلیل الرحمن مولانا صاحب کے پاس لے گئے۔ مولانا صاحب سے میں نے سلام کیا۔ مولانا صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ علی گڑھ میں زیر تعلیم ہیں، میں نے کہا، جی ہاں، مولانا صاحب نے کہا کہ آپ نے ایسے شخص کو قائد اعظم بنا رکھا ہے جو مسلمانوں کی زبان اور دین نہیں جانتا، میں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کی اکثریت کا یہی حلقہ فیصلہ ہے اور ۳ مارچ ۱۹۳۱ء کو اتحاد طلبہ جامعہ علی گڑھ نے ایک تقریب میں محمد علی جناح کو قائد اعظم کا خطاب دیا، اور انہوں نے ازراہ خوشنودی طلبہ اسے قبول کر لیا۔ یہ جواب سنتے ہی مولانا موصوف آپ سے باہر ہو گئے اور حضرت علامہ اقبال اور قائد اعظم کے لئے ایسی فحش اور بازاری زبان استعمال کی کہ جو گزیرے باہر ہے" (۱۵۳)

مشر گاندھی اور خلافتی لیڈروں نے مسلمانوں کی ایک اور مشہور تعلیمی درس گاہ یعنی اسلامیہ کالج لاہور کو اپنا نشانہ بنایا، داتا گھڑی کا یہ مشہور زمانہ کالج علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی کوششوں کی وجہ سے تباہی سے بچا۔ مصروف پاکستان "علامہ اقبال ایک علم دوست انسان تھے۔ پھر انہیں اپنے صوبے کے مسلمانوں کی تعلیمی پسٹی کا حد درجہ قلق تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وقتی طوفان کے اس دھارے سے اسلامیہ کالج کو نہ بچایا گیا تو مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو بڑا دھکا لگے گا اور یوں بھی

جہاز سے سٹود کی تمام وراثتی کے علاوہ

کھلونے بیگ بے اٹھی محسوس سپورٹس

کا سامان بازار سے با رعایت دستیاب ہے

صدر بازار لاہور چھانڈی 961 سب ڈروڈ

پاپو لرحزل سٹور

مولوی اشرف علی تھانوی (۱۲۹۰) ممالک مغربی و شمالی سے کرائس اور صحیح فتویٰ پر عمل کریں نہ کہ غلط پر" (۲۶)

پروفیسر صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ سے براہ راست رابطہ قائم کر کے ان سے فتویٰ حاصل کیا۔ اسی سے متعلق ایک اور صاحب کے سوال کا جواب بھی فاضل بریلوی نے تفصیل سے تحریر فرمایا، یہی وہ فتویٰ تھا جس نے حالات کا رخ موڑ دیا، کانگریسی مولویوں کے پھیلانے ہوئے شکوک و شبہات کو دور کر دیا، متحدہ قومیت کے حامیوں کی نیندریں حرام کر دیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں دو قومی نظریہ کا بیج بویا، ہندو راج قائم کرنے کے سارے راستے مسدود کر دیئے۔ ساتھ ہی فاضل بریلوی کے ہم مسلک سنی علماء و مشائخ بھی مصروف عمل تھے۔ اس طرح علامہ اقبال مرحوم نے جن فتاویٰ کا بار بار ذکر فرمایا تھا بلکہ خواہش ظاہر کی تھی وہ منظر عام پر آ گئے تھے۔ بعض تحریری شکل میں اور بعض تقریروں کی شکل میں۔ ان سب کے مجموعی تاثر کی وجہ سے حالات میں بدترجی ٹھہراؤ آنا شروع ہو گیا اور مسلمانوں کے تقلیدی ادارے کسی نہ کسی شکل میں مکمل تباہی سے بچ گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک خلافت و ترک موالات سے اختلاف کیوں کیا، بنیادی وجہ وہی تھی جس کی نشاندہی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ اور ان کے ہم خیال علماء و مشائخ نے اپنے فتاویٰ اور تقاریر میں کی ہے یعنی یہ کہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا کسی بھی عقلی و فطری دلیل سے جائز نہیں۔ جس دن لاہور میں خلافت کے راہنماؤں نے مقابلہ کیا تھا کہ ارباب اسلامیہ کالج حکومت سے ترک موالات کا اعلان کر دیں اور اس کی حمایت و مخالفت کرنے والوں میں بحث و مباحثہ ہو رہا تھا، علامہ اقبال موجود تھے لیکن انہوں نے شروع سے آخر تک سکوت فرمایا۔ سید ذریعہ نیازی تحریر فرماتے ہیں:

"آگے چل کر میں نے ان (علامہ اقبال) کے ارشادات سے محسوس کیا کہ انہیں اس تحریک سے اختلاف تھا تو اس بنا پر کہ اس کی زمام گاندھی جی کے ہاتھ میں ہے اور گاندھی جی کو سورہ ممتحنہ کی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں۔ یوں بھی بایاں تحریک نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہمیشہ قائم رہے گا۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر یہ اتحاد قائم نہ رہا تو نتیجہ کیا ہوگا، پتانچہ یہی کچھ ہوا۔ گاندھی جی نے تحریک واپس لے لی، ہندو مسلم اتحاد ٹوٹا اور مسلمان میدان میں اکیلے رہ گئے۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہونا چلا گیا، ہر طرف بے دلی پھیل گئی" (۲۷)

خلافت و موالاتی لیڈروں سے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم، جناب خان نیاز الدین خان کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"امید ہے کہ عوام کی حالت جنوں زیادہ دیر تک نہ رہے گی، تعلیم میں عدم تعاون کرنے کا یہ طریقہ نہ تھا جو بعض لوگوں نے اختیار کر

"علی برادران لاہور پہنچے تھے کہ اسلامیہ کالج کے ٹرینیوں اور اساتذہ کو تحریک ترک تعاون میں شریک کرایا جائے۔ ڈاکٹر اقبال اس زمانہ میں اسلامیہ کالج کے سیکرٹری تھے آپ نے علی برادران سے اختلاف کیا، اس روداد کو رکھیں الاحرار مولانا محمد علی کی زبانی سنئے:

"ہم لاہور پہنچے اور اسلامیہ کالج کے ٹرینیوں اور اساتذہ کو دعوت الی الخیر دی تو ان کو علی گڑھ کالج کے ٹرینیوں اور اساتذہ سے بھی زیادہ مستعد پایا اور اس سے اندازہ کیا کہ طلباء کس قدر مستعد ہوں گے مگر ڈاکٹر محمد اقبال سیکرٹری تھے اور آپ نے جن سے ہم نے اسلام سیکھا تھا، ہماری دعوت کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ علماء کرام کا فتویٰ لے لیا جائے۔ خیر پانچ سو علماء نے بھی ہندو باہ بعد فتویٰ صادر فرما دیا مگر ڈاکٹر اقبال نے اس پر بھی توجہ نہیں فرمائی، البتہ اجتہاد فرمایا تو علم الاقتصاد کے ماہر کی حیثیت سے، اس وقت جبکہ مہاتما گاندھی ایک کروڑ روپیہ جمع کر لائے اور وہ اجتہاد یہ تھا کہ اس سے ٹیکو لاجیکل (مصنعی) انشٹی ٹیوٹ کا افتتاح کیا جائے" (۱۵۷)

غور طلب بات یہ ہے کہ ایک جانب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار فرمایا کہ علماء کا فتویٰ لیا جائے تو دوسری طرف پانچ سو "علماء" کا فتویٰ بھی آیا لیکن آپ نے اسے کوئی اہمیت نہ دی، اصل بات یہ تھی کہ علامہ مرحوم کو سنی بریلوی علماء و مشائخ کے فتاویٰ کا انتظار تھا جو ہندوؤں کی اس خطرناک سازش کا ٹٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ ایک تو علامہ مرحوم خود اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے (۱۵۸)، دوم ان علماء و مشائخ کی طرح علامہ اقبال بھی دو قومی نظریہ کے پر زور حامی تھے اور بعد میں مولوی حسین احمد دیوبندی سابق مستم دارالعلوم دیوبند کے ساتھ سخت جھڑپ بھی اسی موضوع پر ہوئی تھی (۱۵۹) اور تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران بھی ان کا موقف وہی تھا جو بریلوی اکابرین کا تھا۔ مزید تصدیق ان کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ "قرآن کے احکام اس بارے میں صاف اور واضح ہیں لیکن افسوس ہے کہ بعض مشہور علماء فتویٰ دیتے ہوئے خائف ہیں" چونکہ اس جذباتی دور میں خلافتی و موالاتی لیڈروں نے ہندو پریس کی مدد سے ایسا ماحول بنایا تھا کہ جو بھی تحریک خلافت و ترک موالات کی مخالفت کرتا، اسے بلا سوچے سمجھے انگریز کا ایجنٹ ہونے کا خطاب مل جاتا، اس لئے علامہ مرحوم کو یہ خدشہ تھا کہ کوئی بھی صحیح فکر عالم دین اپنی بگڑی اچھالنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا لیکن بعد میں یہ غلط فہمی دور ہوئی۔

علامہ اقبال کے ایک قریبی دوست اور امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے عقیدت مند پروفیسر مولوی حاکم علی مرحوم نے ڈٹکے کی چوٹ پر فتویٰ دیا کہ:

"جتنا علم مجھے دیا گیا ہے، میں اس کی بنا پر فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے۔ آپ میرے اس فتویٰ کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی خیال کے اور ان کے ہم خیال نہیں ہیں، مثلاً موبہ ملت ظاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قادری بریلوی علاقہ روہیل کھنڈ اور

رہے گا، تحریک خلافت اسی حادثے کا شکار ہو گئی، مسٹر گاندھی اگرچہ دنیاوی لحاظ سے ذہین اور چالاک لیڈر تھا، اس نے ہندوؤں کو سیاسی طور پر بیدار کر دیا، ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت پیدا کی، انہیں اپنی عدوی اکثریت کی قوت کا احساس دلا کر متحدہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی رغبت دلائی لیکن وہ کسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے لئے بہتر قائد ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

تحریک خلافت و ترک موالات کی قیادت سنبھالتے ہی مسٹر گاندھی نے جن خطوط پر کام کرنا شروع کر دیا تھا، وہ مسلمانوں کو تباہی و بربادی کی جانب لے جا رہے تھے، گزشتہ صفحات میں ”مہاتما جی“ کے مقاصد پر گفتگو ہو چکی ہے، یہاں صرف اس پہلو کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ مسٹر گاندھی اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک مسلمان اسلام کو کامل اور جامع دین تصور کر کے اس پر عمل پیرا رہیں گے، اس وقت تک انہیں ہندوئی سے آئنا آسان نہیں ہو گا، اس لئے اس نے سب مذاہب کے سچے ہونے کا پرچار شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو اس قدر مسموم کیا کہ وہ ہندوؤں کی تقریبات میں بے تکلف شرکت فرمانے لگے اور ہندوؤں کو بطور واعظ مساجد میں منبر نبوی پر بٹھانے میں بھی کراہت محسوس نہیں کرتے تھے، ذیل میں بعض ان غیر شرعی حرکات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسٹر گاندھی کی ستائش

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (۱۶۵) کسی غیر مسلم کے بھائی ہونے کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن ۱۹۲۰ء میں جمعیت العلماء ہند (دہلی) کے ایک جے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا:

”اے اللہ ایک ہم سے نیک کام بھی ہو گیا ہے یعنی میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی بھائی ہو گئے ہیں اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر بڑھائی ہے۔“ (۱۶۶)

قرآن کریم میں مشرکین کو نجس کہا گیا ہے (۱۶۷) لیکن: ”بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر کانگریس کمیٹی اور خلافت کمیٹی کے سیکرٹریوں کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان ”مہاتما

رکھا ہے۔ اگر عدم تعاون کو شرعی فرض بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ طریق کار میرے نزدیک شریعت اسلامیہ کی سپرٹ کے مخالف ہے“ (۱۶۳)

یعنی شہادت کی بنا پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ لاہور میں سارا زور اسلامیت کالج کو بند کرانے پر صرف ہوا، ہندوؤں کے مشہور سربراہ لالہ لاجپت رائے اپنے ہندو اور مسلمان ساتھیوں کو لے کر تقریباً ہر روز کالج میں آجاتے اور طلباء کو گمراہ کرتے، ہندوؤں کے تین کالج یعنی ڈی اے وی (D.A.V) کالج (موجودہ اسلامیہ کالج لائیز) سنان دھرم کالج (موجودہ گورنمنٹ ایم اے او کالج) اور دیال سنگھ کالج کھلے تھے اور وہاں پڑھائی باقاعدہ ہوتی تھی، بالآخر ایک دن لالہ مذکور کو بتا دیا گیا کہ اپنے کالجوں کی بھی خبر لیں۔ اس دن کے بعد وہ تو نہ آئے مگر مسلمانوں کا بہت بڑا گروہ کالج بند کرانے کے درپے ہوا۔ بڑی گز بڑ ہوئی، فساد بھی ہوئے، میاں فضل حسین میرٹھان دونوں کالج کمیٹی کے سیکرٹری تھے، انہوں نے طے کیا کہ طلباء سے پوچھ لیا جائے کہ یونیورسٹی سے الحاق رکھا جائے یا نہ، چنانچہ وہ کالج میں آئے اور ہر کلاس میں طلباء سے ہاں یا نہ کی پچیاں وصول کر کے چلے گئے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی اس موقع پر آگئے تھے۔ کالج میں بڑا بیجان برپا تھا۔ پورڈنگ ہاؤس میں کشیدگی بھی تھی۔ میاں فضل حسین نے دوسرے دن اطلاع بھیجی کہ طلباء کی اکثریت الحاق کے حق میں ہے، اس لئے یہ مسئلہ ختم سمجھا جائے ساتھ ہی طلباء کو چھٹی دے دی گئی۔ بعد میں حالات ٹھیک ہوتے چلے گئے۔ (۱۶۳)

غیر شرعی حرکات

کسی بھی اسلامی تحریک کے بہتر نتائج اس وقت ہی برآمد ہو سکتے ہیں جبکہ اس کی باگ ڈور کسی صحیح العقیدہ اور دل میں خوف خدا رکھنے والی شخصیت کے ہاتھ میں ہو، اگر کسی غیر مسلم کو قائد بنا لیا جائے تو مقصد سے عدم دلچسپی اور اپنے مذہبی مفادات کی حفاظت کو ترجیح دینے کی سوچ کے باعث وہ تحریک کو صحیح سمت پر چلانے سے قاصر ہو گا اور نتیجتاً قائدہ برائے نام اور نقصانات بے شمار پہنچنے کا خدشہ برقرار

۱۱۶۴ ساگر روڈ

صدر بازار

لاہور چھاؤنی

فونٹ
۳۸۰۷۶۲

○

پروفیسر ایڈیٹر

ایم اسلم
ایم رمضان

غریباں دی مہی

پینٹ اینڈ ہارڈ ویئر سٹور

بائسٹن لیک پینٹ

نبی کے آنے کی گنجائش ہوتی تو مسٹر گاندھی اس منصب پر فائز ہو جاتے:

رسالہ الناطق کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے کہا:

”اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مامتا گاندھی نبی ہوتے۔“ (۱۷۵)

ہندوؤں کے لئے دعائے مغفرت

کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق کسی مشرک کی نجات ممکن نہیں اور نہ ہی مرنے کے بعد اس کی روح کو سکون مل سکتا ہے، لیکن ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کی خاطر بعض حضرات اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ ہندوؤں کے لئے دعائے مغفرت مانگنے لگے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کو کانگریس کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا:

”میرے دل میں مسٹر گوگلے کا بڑا احترام ہے، خدا ان کی روح کو سکون عطا فرمائے۔“ (۱۷۶)

نہ صرف یہ کہ ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا دیا گیا بلکہ ان کے ماتم میں مسجد میں تعزیتی جلسے کئے گئے اور فاتحہ خوانی بھی کی گئی، چنانچہ ”تک کے مرنے پر (مہبران خلافت کمیٹی نے) علم میں بروز دسواں جامع مسجد میں نئے نئے بزرگ جمع ہو کر تک کے لئے دعا اور فاتحہ اور نماز کا ان کی مغفرت کے لئے اشتہار شائع کیا۔“ (۱۷۷)

مذہبی رسومات

ہندو مسلم اتحاد کے پہلے عملی مظاہرے کے حوالے سے جناب سید نور احمد لکھتے ہیں:

”۱۸ اپریل (۱۹۹۲ء) کو ہندوؤں کا رام نومی کا تہوار تھا، اس دن پھر دکانیں بند رہیں یعنی عملاً ہڑتال ہو گئی، رام نومی کا مذہبی جلوس مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھا۔ اس میں مسلمان بھی شریک تھے اور شری رام چندر جی کی جے کے ساتھ ”گاندھی جی کی جے“ اور ”ہندو مسلم کی جے“ کے نعرے بھی لگائے جا رہے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے جذبات دلوں سے اٹل رہے تھے۔ اس جلوس میں (لاہور کی تاریخ میں پہلی مرتبہ) ہندو اور مسلم عوام ایک ہی برتن میں پانی پی کر اور ایک ہی برتن سے پوریاں اور مٹھائی کھا کر ”ہندو مسلم ایک ہیں“ کے مظاہرے کر رہے تھے۔“ (۱۷۸)

یہی وقت میلاد بدعت ہونے کے قیام کے لئے نعرے جلوس میلاد بدعت

ہندت جو اہر لال سنو نے اپنی ”آپ جی“ میں لکھا ہے کہ ”ہر جگہ ہندو مسلم کی جے کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔“ (۱۷۹) مولوی اشرف علی تھانوی بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”جے کے نعرے لگائے، پٹیشنوں پر قیام لگائے“ (۱۸۰) ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا، رام لیلہ وغیرہ کا انتظام مسلمان والیٹیروں نے کیا، بیہودہ

گاندھی کی آمد ”کشور پریس بریلی میں ۱۹۳۰ء میں طبع کرا کے شائع کیا گیا“ اس میں کہا گیا ہے: خدا کا شکر ہے کہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو ہمارے ملک کے لیڈر، ہمارے شہر کی خاک پاک کرپٹے کے لئے آ رہے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے شہر میں ان کا استقبال ان کے مرتبے اور عزت کے موافق ہو گا۔“ (۱۶۸)

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جب کوئی طالب علم دین حاصل کرنے جاتا ہے تو فرشتے اس کی راہ میں پر پھاتے ہیں لیکن:

”بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد پر مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلم لیڈروں کے سامنے مسٹر گاندھی کی مدح میں جو خیر مقدمی قصیدہ پڑھا گیا، اس میں ایک یہ مصرع بھی تھا: جھکاتے جن کے آگے ہیں ملائک سر، وہ آتے ہیں سب نے سنا اور خاموش رہے۔“ (۱۶۹)

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق آخری دور میں امام ممدی کا ظہور ہو گا جو تجدید و احیائے دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے اسلام کا بول بالا اور کفر کا فاتحہ کریں گے۔ لیکن خلافتی لیڈروں نے مسٹر گاندھی کو ان کا قائم مقام بتایا:

”سورت میں مسٹر شوکت علی اور مامتا گاندھی رونق افروز ہوئے اور ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شوکت علی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے نازک وقت میں امام ممدی علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ تمام دنیا میں پیغام حق پہنچائیں گے مگر اس وقت ان کی جگہ امام گاندھی شریف لائے ہیں۔“ (۱۷۰)

قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہا گیا ہے: ”فَذَكَرْنَا اَنْتَ مَذْكُوْرًا“ (تو تم نصیحت سناؤ، تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو۔“ (۱۷۱) لیکن یہ منصب مسٹر گاندھی کو عطا کر دیا گیا: مولوی عبدالماجد بدایونی نے جمعیتہ العلماء ہند دہلی کے جلسے میں فرمایا:

”خدا نے ان کو (گاندھی کو) ہمارے لئے ذکر بنا کر بھیجا ہے۔ قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا ذکر کر کے بھیجا ہے۔“ (۱۷۲) اسلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کا حکم دیا ہے (۱۷۳) اور اس کے بعد اولیاء کرام اور علماء امت سے بحیثیت وارث نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے راہنمائی حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن خلافتی لیڈر مولانا محمد علی جوہر نے اس کے برعکس بعد از نبی توئی قصہ مختصر کا نعرہ لگاتے ہوئے فرمایا:

”میں یہ جانتا ہوں کہ رسول کے بعد میرے اوپر گاندھی جی کا حکم نافذ ہے۔“ (۱۷۴)

مذہب نبوت پر اجماع امت ہے، اس لئے کسی کو یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ خود یا کسی اور کی نبوت کا اعلان کر دے لیکن مسٹر گاندھی کو بالقوة نبی تسلیم کر لیا گیا اور نہایت حسرت کے ساتھ کہا گیا کہ اگر کسی

اور لکھا ہے کہ مسجد کی توہین کی گئی اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا، وغیر ذاک (۱۸۷)
آزاد صاحب، مسلمانوں کے اس نقطہ نظر سے متفق نہیں تھے بلکہ

اس کے برعکس انہوں نے اپنا خیال ان الفاظ میں پیش کیا:
”اس دور فتن میں اگر مسلمانوں کی کسی جماعت نے کوئی بستر سے بستر کام کیا ہے تو وہ یہی ایک کام ہے کہ مقاصد صالحہ کے پیش نظر مسجدوں میں مجالس منعقد کیں اور اپنے غیر مذہب ہمسایوں اور حلیفوں یعنی ہندوؤں کو بھی اسی مقصد سے ان میں شریک کیا جس مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندوں اور دوستوں کو مسجد میں بلائے اور ٹھہراتے تھے۔“ (۱۸۸)
ہوا یہ کہ قوم پرست لیڈروں نے سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے متعصب ہندو لیڈر سوامی شرمانند کو جامع مسجد دہلی میں منبر نبوی پر بٹھا کر تقریر کرائی (۱۸۹) جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا، اس میں شک نہیں کہ بعض مخصوص حالات میں اگر کوئی غیر مسلم مسجد میں داخل ہو جائے تو شریعت میں اس کی مخالفت موجود ہے لیکن مسجد کو غیر مسلموں کی سیاسی تقریروں کے لئے آڑہ کے طور پر استعمال کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، ابوالکلام آزاد کا یہ کہنا کہ ہندو صلح پسند اور مسلمانوں کے دوست ہیں، بھی قطعی طور پر غلط ہے، حالات و واقعات اور اس دور سے لے کر آج تک ان کا رویہ آزاد صاحب کے دعویٰ کی تکذیب کرتا ہے اور پھر شرمانند، جس کی وجہ سے یہ نتیجہ اٹھا تھا، تو

اور کفریہ کلمات کہے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں ہندو (مسٹر گاندھی) نبی ہوتا، کیا خرافات و اہمال ہے۔“ (۱۸۱)
○ خلافت کمیٹی کے والٹیر بھٹی میں سر بازار اللہ اکبر کے ساتھ گاندھی کی ہے، تلک کی ہے، گومانما کی ہے پکارتے تھے جس پر ہزاروں مسلمان شاہد ہیں۔“ (۱۸۲)

○ ان دنوں جلوس صبح و شام بازاروں میں گھومتے۔ بچے ان میں خصوصیت سے حصہ لیتے اور لٹو لگاتے، تین ٹھہرے بیک زبان پکارتے، نعرہ نکھیر ہندوؤں کی زبان پر جاری ہوتا، بندے ماترم مسلمان پکارتے، ست سری اکال کی طویل اور خمبیر گونج میں تینوں قوموں کی آوازیں شامل ہوتیں، ایک ہی شکرے سے پانی پیا جاتا، ہندو راہنما مسجدوں کے ممبروں تک پہنچے، مسلمان مقرر ویدوں کے متروک سے تقریر کا آغاز کرتے۔ (۱۸۳)

○ وہ دہاتی جو کانٹیل کی صورت سے ڈر جاتے تھے، اب میرا ان میں سینہ کھول کر نکل آئے تھے، پولیس اور فوج کے سامنے نعرہ نکھیر اللہ اکبر، ہندو مسلمان کی ہے، ماتما گاندھی کی ہے، مولانا محمد علی کی ہے، مولانا شوکت علی کی ہے کے ٹلک شکاف نعرے لگاتے تھے۔۔۔ ملک میں ایک طرف خمبیر اور بھارت ماتا کی ہے کے نعرے تھے جو ہندو مسلمان دونوں لگا رہے تھے اور دوسری طرف گورنمنٹ کی جانب سے داروگیر کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا (۱۸۴)
○ محمد علی، شوکت علی بڑی بڑی قراقلی ٹیٹیاں پہنے جن پر ہلال کڑھے ہوئے تھے، شہروائیاں اور چست پاجامے زیب تن کئے ہوئے نمودار ہوئے، اللہ اکبر، بندے ماترم ست سری اکال، ہندو مسلمان کی ہے، محمد علی، شوکت علی کی ہے، ماتما گاندھی کی ہے کے نعروں سے گنبد ٹلک گونج اٹھا۔ (۱۸۵)

مولوی حسین احمد مدنی تو بے ہند کے نعرے سے اس قدر متاثر تھے کہ تقسیم ہند کے بعد بھی اسے اپنائے رکھا۔ ۳ جون ۱۹۵۳ء کو عبدالماجد دریا بادی نے ان کے نام ایک خط میں لکھا: ”والا نامہ کے ایک دوسرے پہلو سے متعلق ایک گستاخانہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں“ آپ ہی کے اکابر نے اسافر کو اس کی اجازت دے رکھی تھی، والا نامہ کے چند صفحات میں کہیں بھی بسم اللہ یا اس کے مماثل کلمہ کا نظر نہ آتا بلکہ بجائے اس کے ہر صفحہ پر انگریزی حروف میں ”بے ہند“ نظر آتا مجھ ناظم کی قسم سے بالکل باہر نکلا۔“ (۱۸۶)

قسم اللہ سے انکار کرتے ہیں ہندو مساجد میں

ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: ”بعض اخبارات نے مسلمانان دہلی و گلگت کے اس طرز عمل کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے کہ مسجدوں کی مجالس میں ہندوؤں کو بھی شریک کیا گیا اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ دہلی کے مسلمان سب سے زیادہ نشانہ ملامت ہیں کہ انہوں نے سوامی شرمانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔ ان اخبارات نے اس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے بلکہ ایک سخت فتنہ بدعت سے تعبیر کیا ہے

سلسلہ وار

ماہنامہ کنز الایمان

جامع مسجد غوثیہ مین بازار قلعہ گوہر سنگھ لاہور

علامہ محمد امانت سؤل

ماہنامہ درس قرآن دیتے ہیں

نوٹ:- درس قرآن کی محفل ہر انگریزی ماہ کی پہلی جمعرات کو بعد از نماز عشاء منعقد ہوتی ہے

مشرکین کی خوشامد

آل انڈیا کانگریس کے اجلاس منعقدہ امرتسر ۱۹۹۹ء میں مانٹیکو جیمس فورڈ اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں گاندھی جی کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے مشرکوں کی طرف سے فرمایا:

"تمک مہاراج کو میں اپنا گرو مانتا ہوں، وہ اس لئے اچھا آدمی خیال کیا جاتا ہے کیونکہ سارا ہندوستان اس کی پیروی کرنے پر تیار ہے۔۔۔ ایک دنیا کو معلوم ہے کہ ہماری زبان اور قوم پر مر گئی ہوئی تھی۔ ہمارے ہندو بھائیوں نے ہم مسلمانوں سے جو ہمدردی کی ہے، اس کے متعلق میں فقط اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک ہم مسلمان زندہ ہیں اور خدا اور رسول کو مانتے ہیں، ہندو بھائیوں کا احسان بھلا نہیں سکتے۔" (۱۹۸)

ایک لیڈر نے تو یہاں تک گوہر افشانی کی کہ "زبانی بے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے۔" (نوروز باللہ من ذلک) (۱۹۹)

مولوی حبیب الرحمن دیوبندی نے اپنی تقریر میں کہا: "مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملہ میں بھی براہِ ران وطن نے ان کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش چلے۔" (۲۰۰)

متفق غیر شرعی حرکات

ایک پنڈت ساکن بلیا آج کل آرمہ میں آکر بہت زوروں کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک جامع کرنے کی پکڑ دیا کرتے ہیں۔ بعد فتح پکڑوہ پنڈت خود اپنے ہاتھ سے ہندو مسلمانوں کے ہنک دیتے ہیں، قبل ہنک دینے کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے ہاں مخالفت تو نہیں؟۔۔۔ ایک روز پنڈت نے ہندو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہم اپنی رامائن کا اور مسلمانوں کے قرآن اور انگریزوں کے بائبل کا یعنی تینوں کا پوجا کریں گے۔ اس کے انتظام و اہتمام کے لئے یہ تھا کہ ایک ڈولہ جس کو وہ "سنگھن" کہتے ہیں، اس کو بڑے گلف کے ساتھ بار پھول سے سجوا کر اس کے اندر ایک طرف رامائن، ایک طرف بائبل، چھ میں مسلمانوں سے قرآن مجید منگوا کر رکھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بھجن گاتے، ڈھول و جھانچ وغیرہ بجاتے اور اس میں مسلمان بھی شریک ہو کر شہر سے گھماتے، اپنے مندر کے اندر لے جا کر رکھا۔ جب ان مسلمانوں سے کہا گیا تو جواب دیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ (۲۰۱)

"ہندوؤں کے ساتھ مولانا تاجور نجیب آبادی کے خصوصی تعلقات تھے۔ بہت سے ہندو ادیب اور شاعر ان کے شاگرد تھے۔ ہندو مسلم اتحاد انیس مرغوب تھا اور وہ بھی اس حد تک کہ انہوں نے ایک بیٹے کا نام محمد پرکاش رکھ دیا جس پر بہت چہ میگوئیاں ہوئیں کیونکہ عام مسلمانوں کو ایک فاضل

اس قدر اسلام کا مخالف تھا کہ اس نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور انہیں ہندومت میں ضم کرنے کے لئے شدھی کی تحریک شروع کر دی تھی، اس کے اس اسلام دشمن اقدام کی وجہ سے ایک مسلمان بچاؤ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔

ابوالکلام آزاد کے اس فتوے کے دور رس نتائج برآمد ہوئے، ملک بھر میں ہندوؤں کے لئے مساجد کے دروازے کھول دیئے گئے، روزانہ مسجدوں میں جلے منعقد ہونے لگے جن میں نجس مشرکین بکثرت شریک ہو کر تقریریں کرتے، حکیم اہلسنت محترم محمد منوئی امرتسری مدظلہ العالی رقمطراز ہیں:

"گروہ علماء نے مشرک گندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لا کر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ "اے اللہ، تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔" (معاذ اللہ) (۱۹۰)

نواب شاہ سندھ میں ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مسئلہ خلافت کے متعلق ایک جلسہ ہوا، جلسہ میں دو ہزار مسلمان اور چند ہندو صاحبان بھی تھے۔۔۔ مسلمان "اللہ اکبر" اور "ہندے ماترم" کے جھنڈے لئے ہوئے تھے، ہندو و مسلمان مسجد میں داخل ہوئے جہاں قرآن (پاک) کی آیات پڑھی گئیں۔" (۱۹۱)

گورکھپور ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو مسلمان اپنی اپنی مسجدوں سے نکل کر جامع مسجد میں مجتمع ہو گئے، مجمع اس کثرت سے تھا کہ پچانک تک مل رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ گورکھپور کھنڈ کے مسلمانوں نے دعا کے بعد ایک لاکھ بار درود شریف اور ایک ہزار بار استغفار کا ورد کیا اور سب ننگے سر اور بادبندہ پر غم تھے۔ ایک کثیر تعداد میں ہندو بھائی بھی شریف لائے۔" (۱۹۲)

بنارس: (اسی روز) بنارس میں ہندو مسلمانوں نے مشترکہ طور پر یوم خلافت منایا، روزہ رکھا گیا اور دعائیں مانگی گئیں، جامع مسجد میں نماز کے بعد دعا مانگی گئی۔ ایک مسجد میں عظیم الشان جلسہ کیا گیا جس میں اہل ہندو بھی شریک تھے۔ تجاویز منظور ہوئیں اور ان کے نقول و اسرارے کو بھیجا جاتا طے ہوا، ایک ہندو نوجوان نے تحریک خلافت میں ہندوؤں کی شرکت کا پرچوش یقین دلایا۔" (۱۹۳)

"ایک دفعہ شاہی مسجد مذکور (سیوا پورہ ضلع بجنور) میں بعد نماز جمعہ مولوی حسین احمد دیوبندی کی تقریر ہوئی، ہزار ہا ہندو مسلمانوں کا مجمع تھا۔" (۱۹۴)

لیکن گھاٹ میں نماز جمعہ کے وقت تخمیناً ۱۵۰۰ ہندو مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر و دعا میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا۔" (۱۹۵)

مسجد قطب خانساں (شملہ) میں ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء کو ہندو مسلم کا متحدہ جلسہ ہوا جس میں ہندو مسلم اتحاد پر مسلمانوں نے تقریریں کیں اور اس کی تائید میں ہندوؤں نے بھی زوردار تقریریں کیں (۱۹۶) جامع مسجد بنگالوں بلڈانہ میں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس کی صدارت پانڈو سنگ دیتا تھ نے فرمائی۔" (۱۹۷)

ہندو سے ایسی توقع نہیں تھی۔" (۲۰۲)

انتہا پسندی کی حد ہو گئی تھی، تحریک خلافت و ترک موالات کے مخالفین کا معاشرتی پانکٹ کیا گیا اور ان کے میزوں کو قبرستانوں میں دفن نہیں ہونے دیا گیا۔ (۲۰۳)

یہ اور ان جیسے دیگر غیر شرعی امور کو برداشت کرنے بلکہ عملی طور پر سرانجام دینے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کی منصوبہ بندی ہونے لگی۔ "مرکزی خلافت کمیٹی کے آنریری سیکرٹری مولانا شوکت علی نے خلافت کمیٹی کے جلسہ منعقدہ الہ آباد (۲ جون ۱۹۳۰ء) کی رپورٹ میں یہ الفاظ تحریر کئے جو اخبارات میں شائع ہوئے: "الہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ ایثار و رفاقت کی نئی اسپرٹ کو ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاک یا عظم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔" (۲۰۴)

تحریک خلافت

تحریک خلافت و ترک موالات چونکہ دونوں بیک وقت سرگامی کی قیادت میں چل رہی تھیں، اس لئے ان میں اکثر باتیں مشترک ہیں جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، تاہم بعض باتوں کا علیحدہ ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی تصحیح باقی نہ رہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس تحریک کا مقصد ترکوں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا ازالہ اور بحالی خلافت تھا، یہ علیحدہ بات ہے کہ غلط قیادت کی وجہ سے یہ اپنے ہدف سے ہٹ گئی اور ہندوؤں کی عدم دلچسپی کے باعث اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔

انگریز اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندو خلافت کی بحالی کے لئے قربانیاں دینے کے حق میں نہیں ہیں اور تحریک ترک موالات کا آغاز بھی اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو عی قربانی کا بکرا بنا کر ان کا زیادہ سے زیادہ نقصان کرایا جائے اور کوئی قائمہ چھپنے کی توقع ہو تو وہ ہندو حاصل کر لیں، اس لئے حکومت وقت نے کسی موقع پر بھی معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ خلافت کے مطالبات پورے ملک کے باشندوں کے حقوق مطالبات نہیں ہیں، اس میں شک نہیں کہ علی برادران نے ملک میں جذبات مشتعل کر دیئے، ان کے ساتھ ہندو لیڈر بھی خلافت فتنے سے سز کرتے تھے اور نمائشی ہمدردیاں بھی ظاہر کرتے رہے لیکن جب خلافت کا وفد اپنے مطالبات منوانے کے لئے یورپ گیا تو وہاں انگریز حکام نے کوئی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ وفد اٹھ ماہ انگلینڈ میں مقیم رہا اور ۶۵ ہزار روپے خرچ کر کے اکتوبر ۱۹۳۰ء میں بے نسل مرام واپس آیا (۲۰۵) ہندو حکومت کی خواہش بھی یہی تھی کہ جب مسلمان انگریزوں سے بالکل مایوس ہو جائیں گے تو بے بسی کے احساس کے پیش نظر یکے ہوئے چلنے کی "طرح" تشکیل کی جہول میں آکر ان کے اور ہوا بھی کی، ہندوستان واپس پہنچنے ہی کے بعد انہی جو ہر نے مسلمانوں کو ہدایت قربانی کی وہ:

"ہندوؤں کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کریں کیونکہ اس کے بغیر خلافت کی آزادی ممکن نہیں۔" (۲۰۶)

ایک اور بات جو خلافتی لیڈروں کے حق میں نہیں جاتی تھی وہ یہ کہ خود ترکی کے سلطان، جنہیں وہ بحیثیت خلیفہ بحال کرنے کی جگہ و دو کر رہے تھے، کی پوزیشن کافی کمزور تھی، یہاں ہم مولوی عبید اللہ سندھی کے خیالات پیش کرتے ہیں جو اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں:

"اسلام کی بین الاقوامی تحریک کا یہ چوتھا دور تھا، اس دور میں زمام اقتدار کلیتہاً غیر عرب مسلمان اقوام میں آگئی اور خود عرب قوم اور ان کا ملک تک عثمانی ترکوں کے ماتحت ہو گیا، ان مسلمان اقوام پر ان کے "قوی" بادشاہ ہی حکومت کرتے تھے، یہ ان معنوں میں تو جمہور کے نمائندے نہ تھے کہ ان کے عزل و نسب کا اختیار جمہور کو ہوتا ہے کہ یہ تھوار کے زور سے تخت و تاج کے مالک بننے تھے اور جو ان میں سے صالح ہوتا، وہ البتہ جمہور کی مرضی کے مطابق حکومت کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ حکمران بادشاہ جمہور سے دور ہوتے چلے گئے اور آخر کا "شاہیت" اپنے محکموں کے لئے وبال جان بن گئی۔" (۲۰۷)

جناب پیام شاہجہانپوری رقمطراز ہیں: "جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس میں خلافت کا تقدس ختم ہو چکا تھا اور خلیفہ مسلمانوں اور وہ بھی ترکیہ کے مسلمانوں کا محض سیاسی سربراہ تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود ترکیہ کے

لالہ مہک ڈپو

سکولوں اور کالجوں کی کتابیں اور کاپیاں
سامان شیشہری اور سامان ڈرائینگ
خریدیں تا میں

علامہ اقبال ڈو
لالہ مہک ڈپو ۱۴۲ دھرم پورہ پل نہر لاہور

فون: ۳۳۳۶۰۲

ہمت سے عوام اس کی سیاسی سربراہی کو بھی پائند کرتے تھے۔ (۲۰۸)

جہاں تک تقدس کا تعلق ہے تو یہ کوئی راز کی بات نہیں رہی تھی، ثبوت کے طور پر یہ بات پیش کی جا سکتی ہے کہ ”برطانیہ نے باب عالی پر اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ خلافت عثمانی سے ۱۷۹۸ء میں اپنے سفیر مقیم قسطنطنیہ کی وساطت سے سلطان سلیم ثالث سے ایک فرمان حاصل کیا جس میں سلطان شیخ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ برطانیہ کے ساتھ اپنی معاندانہ پالیسی ترک کر دے اور فرانس کو اپنا حریف خیال کرے کیونکہ فرانس اسلام کا دشمن ہے، انگریز نہیں ہیں، اسی طرح برطانیہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران سلطان عبدالحمید سے ایک فرمان کے ذریعہ مسلمانان ہند کو مشورہ دلایا تھا کہ وہ برطانیہ کے خلاف بغاوت ترک کر دیں کیونکہ وہ ہمارا حلیف ہے حالانکہ مسلمانان ہند نے اس وقت سلطان ترکی کے مشورے کو قبول نہیں کیا تھا۔“ (۲۰۹)

عرب عوام سلطان ترکی کے خلاف تھے، انہوں نے ترکی کے خلاف بغاوت کی اور نہ تو اپنے سلطان سے وفاداری کی کوئی پرواہ کی اور نہ ہی اسلامی بھائی چارے کی، جس کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو سخت اٹھانی پڑی کہ عرب عوام اپنے سلطان یا خلیفہ کی حکومت پر غیر مسلموں کی سربراہی کو ترجیح دے رہے تھے۔ (۲۱۰)

ایک انگریز مصنف ولفریڈ ترکی کی اندرونی حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”جب ہندوستان میں خلافتی لیڈر اور ارکان ترکی کی مدد اور سہایت نظام کو برقرار رکھنے کی خاطر بھرپور جدوجہد کر رہے تھے، اسی دوران خود ترکی بالکل دوسری جانب مصروف عمل تھی، یہ محسوس حقائق جوں جوں منظر عام پر آئے گئے، ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو اس سے ہم آہنگ کرنے میں دقت محسوس کر رہے تھے، بیشک یہ ایک تکلیف دہ عمل ہوتا ہے کہ خواہوں کی دنیا سے نکل کر حقائق کا سامنا کیا جائے۔“ (۲۱۱)

۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کا بھی خاتمہ کر دیا اور ترکی دیگر حکومتوں اور سلطنتوں کی طرح ایک دنیوی حکومت رہ گئی، اس واقعہ نے ہندوستان میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑا دی۔ (۲۱۲)

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جذبات ٹھنڈے پڑتے گئے اور آج ہمت کم لوگوں کو ان واقعات کا تھوڑا ہمت علم ہے، اکثر لوگ اپنی مصروفیات کے باعث علمی باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کو وقت کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔

تحریک ہجرت

ہندوؤں کی عیاری

ہندوؤں کی دلی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو انگریزوں سے لڑا کر ان کی قوت پر ضرب کاری لگائی جائے، انہیں تعلیم حاصل کرنے سے روک کر ملازمتیں چھوڑنے کی رغبت دلانی جائے اور آخری حربہ کے

طور پر رضاکارانہ طور پر افغانستان ہجرت کرنے پر آمادہ کیا جائے، تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران ان ہی لائحوں پر کام کیا گیا، مولوی فیروز الدین صاحب مرحوم رقمطراز ہیں:

”مسلمان لیڈروں نے تحریک ہجرت شروع کر کے اپنی خفیف الحرکت کا جو ثبوت دیا، وہ نہایت دل شکن اور قابل افسوس ہے۔ ہزارہا مسلمان اپنے لیڈروں اور ساز و سامان اونے پونے بیچ کر افغانستان کی طرف چل اپنے گھریار اور ساز و سامان اونے پونے بیچ کر افغانستان کی طرف چل دیئے اور پھر کشمیری کے بعد نقد و جیس برباد کر کے واپس لوٹے، اس تحریک میں گاندھی صاحب نے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھوکی تھی۔ اگر مسلمان جا کر واپس نہ آتے تو کم از کم اتنا فائدہ ہوتا کہ ان کی آبادی کم ہو جاتی مگر وہ بھی نہ ہوا اور سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ اکثر ہجرت کے بانی مبنی میمن بیٹھے بیٹھے ملائی کا کام کرتے رہے کہ جو آیا، اسے آگے کر دیا۔“ (۲۱۳)

مولانا محمد علی جوہر نے وائسرائے کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ ہم اپنی مسجدیں اور آباء و اجداد کی ہڈیوں کو اپنے پیارے اور قابل احترام غیر مسلم ہم وطنوں کی تحویل میں دیں گے۔ یہ مقدس اثاثہ شایان شان ہاتھوں میں محفوظ ہو گا۔ (۲۱۴)

اگرچہ ہندو بھی یہی چاہتے تھے لیکن مسلمانوں کو اس موقف پر ڈٹے رہنے کی خاطر کہا کرتے تھے کہ ہم بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ ہجرت کریں گے حالانکہ نہ تو کسی ہندو نے ہجرت کی نہ وہ اس حکم کے مخاطب تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کا یہ بیان اسی ہندو ذہنیت کی غمازی کرتا ہے:

”امر تشر میں میں نے کہا تھا کہ بھائیو! اب شکر ہے کہ ہم اپنی اپنی مسجدیں ہندو بھائیوں کے سپرد کر کے ہجرت کریں گے، اس پر میرے ایک ہندو دوست نے فرمایا، سنئے صاحب! مسجد کا قبضہ تو ہم نہیں لے سکتے۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ہجرت کریں گے تو ہندو اس سے پہلے ہجرت کے لئے تیار ہیں۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کا ہی نہیں ہے بلکہ سکھ و ہندو سب کا ہے۔“ (۲۱۵)

فتاویٰ

کہا جاتا ہے کہ ہجرت کا فتویٰ مولانا عبدالباری فرنگی مٹلی نے دیا، لیکن یہ صحیح نہیں، انہوں نے فرمایا تھا کہ ”ہم لوگ چونکہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں، اس وجہ سے ہجرت کو فرض نہیں سمجھتے ہیں۔“ (۲۱۶) البتہ یہ فتویٰ ضرور دیا تھا کہ ”میں نے ہر مسلمان کو ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا، نہ کابل کے حالات ہی اجازت دیتے ہیں کہ بغیر کامل غور و خوض کے ہجرت کی جائے، مجھے ابھی ہجرت کی فرضیت کا یقین نہیں لہذا حقوق و فرائض کی بنیاد آوری اور والدین کی اجازت لازمی ہے۔“ (۲۱۷)

کرنل عزیز ہندی امرتسری تحریر فرماتے ہیں: ”مجھے معلوم ہوا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہایت مستعدی اور گرم جوشی سے ہجرت کی

چاہئے، جو لوگ ہجرت کریں گے پہلے ہجرت پر بیعت کر لیں۔" (۲۲۲)
 بیعت کس سے کی جائے، اس کے متعلق آزاد صاحب نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے لکھا:
 "میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے، جس طالب حق کو مجھ پر اہتمام ہو، اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے۔۔۔ بافضل طریق عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ توفیق عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں۔" (۲۲۵)
 ابوالکلام آزاد کی اس مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب قاضی محمد عدیل عباسی رقمطراز ہیں:

"اس طرح بیعت ہجرت بالواسطہ بیعت امامت تھی اور دونوں تحریکیں مولانا (ابوالکلام آزاد) ایک ساتھ چلا رہے تھے، مولانا کو اپنی ذات کی اہلیت پر اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے اہل الرائے کے مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی اور براہ راست قوم سے بیعت لینا چاہتے تھے بلکہ امامت کے لئے بیعت لینے کی تو مہم چلا رکھی تھی۔" (۲۲۶)
 بعد میں ابوالکلام آزاد نے جو موقف اختیار کیا وہ بھی ایک الیہ سے کم نہیں، کرل عزیز سہندی امرتسری کا بیان ہے:

مجھے یہ سن کر روحانی صدمہ ہوا ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے ایک موقع پر اہتمام خیال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تحریک ہجرت میں انگریزوں کا ہاتھ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خیالات میں یہ تفسیر بعد کی

تخلیج شروع کر رکھی ہے، میں نے اس تأیید ضعیفی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے از راہ تفقہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب تو آپ میرے ساتھ ہی ہجرت کریں گے؟ جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ آگے جائیں، میں آپ کے پیچھے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا، یہ بات ذہن میں رہے کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی۔" (۲۱۸)

اس دور میں سرکاری سطح پر جو واقعات مرتب کر کے شائع کئے گئے تھے، ان میں موضوع زیر بحث کے حلقہ لکھا ہے کہ:

(۱) ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے کہا کہ اب جہاد ناممکن ہے لیکن امیر کے اعلان نے ہجرت کو قابل عمل بنا دیا۔ (۲۱۹)

(۲) ۲۷ اپریل کو مولوی داؤد نے افغانستان ہجرت کرنے کی ترغیب دی۔ ۲۸ مئی کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے نہ صرف خود ہجرت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا بلکہ کہا کہ وہ ایسا کرنے سے قبل تین یا چار انگریزوں کو جنگوں میں قتل کریں گے۔ (۲۲۰)

(۳) ۱۱ جون کو امرتسر میں مولوی داؤد نے قلعہ ہجرت پر روشنی ڈالی اور مہاجرین کو دفتی اور اخروی اجر و ثواب کی یقین دہانی کرائی۔ (۲۲۱)

(۴) ۱۳ اگست ۱۹۳۰ء کو ظفر علی خان نے ۳۰ ہزار سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اب حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا وقت بھی ہے۔ انہیں ترک موالات کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے اور حکومت تباہ و برباد ہو جائے گی۔۔۔ ترکی کا معاہدہ کانٹہ کا ایک پیکار نکلا تھا، انہیں اب ہجرت کرنی چاہئے، سب نہیں بلکہ دولت مند، ڈاکٹر، انجینئرز اور معمار خاص کر جوان اور طاقتور لوگ اور اس مقصد کے لئے رقم جمع کریں، اگر وہ ترک موالات میں ناکام رہے تو خود بخود کافر ہو جائیں گے۔" (۲۲۲)

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے امام المہدی بننے کی کوشش کی اور ہجرت کرنے والوں کو ہدایت کی کہ وہ جانے سے قبل اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، یہ علیحدہ بات ہے کہ مطلوبہ خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ سیکولر سیاست کے میلان بن گئے اور یہی شعل زندگی کی آخری سانس تک قائم رہا۔ آزاد صاحب نے فتویٰ دیا کہ:

"تمام دلائل شرعی، حالات حاضرہ، مصالح، مصلحت اور مقتضیات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمان ہند کے لئے ہجرت کوئی چارہ شرعی نہیں ہے۔ ان تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔" (۲۲۳)
 آگے چل کر فرماتے ہیں:

"امال ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنہ نبوت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے، بغیر بیعت ہجرت نہیں کرنی

نعیم مشنری سٹور



بالمقابل گورنمنٹ ٹیکنالوجی

۹۹۔ ریلوے روڈ لاہور

چیف ایگزیکٹو

نعیم قیصر قریشی

چاہئے، جو لوگ ہجرت کریں گے پہلے ہجرت پر بیت کر لیں۔“ (۲۲۳)
بیت کس سے کی جائے؟ اس کے متعلق آزاد صاحب نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے لکھا:

”میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے، جس طالب حق کو مجھ پر اہماد ہو، اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے۔۔۔ بافضل طریق عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ توفیق عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں۔“ (۲۲۵)
ابوالکلام آزاد کی اس صم پر تہرہ کرتے ہوئے جناب قاضی محمد عدیل عباسی رقمطراز ہیں:

”اس طرح بیت ہجرت باواسطہ بیت امامت تھی اور دونوں تحریکیں مولانا (ابوالکلام آزاد) ایک ساتھ چلا رہے تھے، مولانا کو اپنی ذات کی اہمیت پر اتنا اہماد تھا کہ انہوں نے اہل الرائے کے مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی اور براہ راست قوم سے بیت لینا چاہتے تھے بلکہ امامت کے لئے بیت لینے کی قوم چلا رکھی تھی۔“ (۲۲۶)

بعد میں ابوالکلام آزاد نے جو موقف اختیار کیا وہ بھی ایک المیہ سے کم نہیں، کرنل عزیز سہندی امرتسری کا بیان ہے:

مجھے یہ سن کر روحانی صدمہ ہوا ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے ایک موقع پر اہماد خیال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تحریک ہجرت میں انگریزوں کا ہاتھ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خیالات میں یہ نتیجہ بعد کی

تخلیف شروع کر رکھی ہے، میں نے اس تاہید فیہی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے از راہ تفقن مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب تو آپ میرے ساتھ ہی ہجرت کریں گے؟ جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ آگے جائیں، میں آپ کے پیچھے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا، یہ بات ذہن میں رہے کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی۔“ (۲۱۸)

اس دور میں سرکاری سطح پر جو واقعات مرتب کر کے شائع کئے گئے تھے، ان میں موضوع زیر بحث کے متعلق لکھا ہے کہ:

(۱) ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو امرتسریں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے کہا کہ اب جہاد ناممکن ہے لیکن امیر کے اعلان نے ہجرت کو قابل عمل بنا دیا۔ (۲۱۹)

(۲) ۲۷ اپریل کو مولوی داؤد نے افغانستان ہجرت کرنے کی ترغیب دی۔ ۲۸ مئی کو امرتسریں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے نہ صرف خود ہجرت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا بلکہ کہا کہ وہ ایسا کرنے سے قبل تین یا چار انگریزوں کو بنگلوں میں قتل کریں گے۔ (۲۲۰)

(۳) ۱۱ جون کو امرتسریں مولوی داؤد نے فلسفہ ہجرت پر روشنی ڈالی اور مہاجرین کو دنیوی اور اخروی اجر و ثواب کی یقین دہانی کرائی۔ (۲۲۱)

(۴) ۱۳ اگست ۱۹۳۰ء کو ظفر علی خان نے ۳۰ ہزار سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اب حضرت ممدی علیہ السلام کے تصور کا وقت بھی ہے۔ انہیں ترک مولاتا کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے اور حکومت تہاد و بریاد ہو جائے گی۔“ ترکی کا معاہدہ کانٹہ کا ایک پیکار نکلا تھا، انہیں اب ہجرت کرنی چاہئے، سب نہیں بلکہ دولت مند، ڈاکٹر، انجینئرز اور معمار خاص کر جوان اور طاقتور لوگ اور اس مقصد کے لئے رقم جمع کریں، اگر وہ ترک مولاتا میں ناکام رہے تو خود بخود کافر ہو جائیں گے۔ (۲۲۲)

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے امام السند بننے کی کوشش کی اور ہجرت کرنے والوں کو ہدایت کی کہ وہ جانے سے قبل اس کے ہاتھ پر بیت کریں، یہ علیحدہ بات ہے کہ مطلوبہ خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ سیکولر سیاست کے مبلغ بن گئے اور یہی شغل زندگی کی آخری سانس تک قائم رہا۔ آزاد صاحب نے فتویٰ دیا کہ:

”تمام دلائل شرعیہ، حالات حاضرہ، مصالح مہامت اور متعقبات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانان ہند کے لئے ہجرت کوئی چارہ شرعی نہیں ہے۔ ان تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔“ (۲۲۳)
آگے چل کر فرماتے ہیں:

”مال ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنہ نبوت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیت ہے، بغیر بیت ہجرت نہیں کرنی

نعیم مشنری سٹور



بالمقابل گورنمنٹ ٹیکنالوجی

۹۹۔ ریلوے روڈ لاہور

چیف ایگزیکٹو

نعیم قیصر قریشی

اس کو زمین اور مکان اور نوکری حسب لیاقت دی جائے گی تو اعلیٰ حضرت نے اعلان کر دیا، لوگ آنا شروع ہو گئے اور انگریزوں کا دماغ پریشان ہو گیا۔" (۲۲۶)

مسلمانوں کی ہجرت سے انگریزوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ واپس آنے والوں کی دلجوئی کر کے قاعدہ میں رہے کسی تخریب کارروائی کا بھی خطرہ نہیں تھا، اس لئے کہ گاندھی فلسفہ عدم تشدد پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے افغانستان میں گورنر تربیت حاصل کر کے انگریزوں سے لڑنا پروگرام میں شامل نہیں تھا، جہاں تک بغیر منصوبہ بندی کے کسی سربراہ مملکت سے اعلان کروا دینے کا تعلق ہے تو یہ بھی دور اندیشی کی بات نہیں تھی، زمینیں اور ملازمتیں دلوانے کا لالچ دے کر تو مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کر لیا گیا لیکن ابتدائی انتظامات کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جناب خضر حسن ایک نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"افغانستان میں جتنی کوتاہ اندیشی ہوئی، اتنی ہی بدانتظامی ہندوستان میں تصور پذیر ہوئی، کسی کو اس کا خیال تک نہ آیا کہ امیر کابل کو خط لکھ کر آیا آوی بھیج کر معلوم کریں کہ ان مہاجروں کی پذیرائی اور ان کے بسنے کے لئے کیا انتظامات کئے گئے، نہ ہی کسی کے عقل میں یہ بات آئی کہ ان مہاجروں کو چھوٹے چھوٹے قافلے کی شکل میں اور چند چند روز کے قافلے سے بھیجا جائے تاکہ ایک قافلہ کے رہنے کا اچھی طرح انتظام ہو جائے، پھر دوسرا قافلہ روانہ کیا جائے۔ ہجرت کے فتویٰ کے بعد سادہ لوح مسلمانوں نے اپنے گھر اور کھیت توڑے دھاموں پر چھ دیئے اور نتیجہ و عاقبت کو سوچے بغیر افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔" (۲۲۷)

"اول سب سے سندھ کے مہاجرین کی پیشکش اور پھر پنجاب کی پیشکش (زرنیں) پشاور کو جانے گئیں، ان میں ہندو (۲۲۷) 'مسلمان' سکھ (۲۲۸) سب ہی شامل تھے۔ پشاور سے کابل تک آوی ہی آوی نظر آتا تھا۔ بڑے بڑے کاریگر اور تعلیم یافتہ لوگ بلکہ یوں کہو کہ ہندوستان اپنے بیکر پاروں کو کابل کی طرف پیشک رہا تھا، یہاں تک ہوا کہ سات لاکھ آوی ہندوستانی کابل میں جمع ہو گئے اور ابھی آمدورفت جاری تھی۔ جو روٹی کابل میں پیسے میں بکتی تھی، اب ایک روپیہ سے زیادہ میں بکتے لگی اور قحط سالی کے آثار نمودار ہو گئے۔ امان اللہ خان نے اس پر تمام مہاجرین کو واپسی کا حکم دے دیا۔" (۲۲۹)

تباہی و بربادی

ہجرت کے باعث کس قدر تباہی و بربادی ہوئی، یہ محتاج بیان نہیں، بات یہ ہے کہ اس سے تحریک خلافت کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا بلکہ ضیف کے آثار نمایاں طور پر نظر آنے لگے، کئی پڑے نکلے اور ذہین مسلمان واپس آنے کے بجائے روس چلے گئے، وہاں اگرچہ انہیں مالی فائدہ تو ہوا لیکن مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے اور واپسی پر سوشلسٹ تحریک کے بہترین

پیداوار ہے اور اس وقت کی ہے جبکہ وہ ہندو کانگریس کے ہاتھوں بری طرح مسوم ہو چکے تھے۔" (۲۲۷)

نیشنلسٹ مورخ قاضی محمد عدیل عباسی بھی ابوالکلام آزاد کی تبدیل شدہ سوچ کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(انگریزوں نے) اپنی عمارتوں کو کام میں لا کر اپنے گھر گئے چھوڑ دیئے جو لوگوں کو اپنی ہجرت کے فتوے دکھاتے اور شرعی حکم کے بموجب کی جانب متوجہ کر کے ہجرت کی تلقین کرتے تھے، یہ بھی سبز باغ دکھاتے تھے کہ وہاں پہنچے ہی تم کو ہر طرح کی راحت ملے گی اور تم مالدار ہو جاؤ گے، جین کی زندگی گزارو گے۔" (۲۲۸)

مولوی احمد علی لاہوری کی سوانح حیات کے مرتب کا رتھان بالکل اس کے برعکس ہے، ان کا خیال ہے کہ ہجرت سے منع کرنے والے لوگ انگریزوں کے ہاتھ کیے ہوئے تھے:

"تحریک خلافت زوروں پر تھی، انگریزوں کے خلاف شدید نفرت و عقارت کے جذبات مشتعل ہو چکے تھے اور معاملہ یہاں تک آگیا تھا کہ فیور مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ انگریزوں کی غلامی میں ایک دن بھی سرزمین ہند میں بسر کریں، ہجرت کا فیصلہ ہوا اور ہجرت کرنے والوں میں حضرت مولانا (احمد علی لاہوری) بھی تھے۔"

ادھر انگریزوں کے ذریعہ مسلمانوں نے دوسرے انگیزیاں کیں اور کہا کہ یہ لوگ ہندوؤں کے لئے سب کچھ چھوڑ گئے ہیں، یہ ہندوؤں کی چال ہے، انگریزوں کے یہ جاسوس "سر" اور "خان بھادر" انگریزوں کے کسی ظلم کو ظلم نہ کہتے تھے لیکن آزادی کی صفوں میں رنڈ ڈالنے کے لئے ذرا ذرا سی بات کو کفر اور ظلمیان کہہ کر مسلمانوں کو جنگ آزادی سے روکتے تھے۔" (۲۲۹)

پھنسانے کے حربے

شرعی ضروریات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ، منتظمین ہجرت نے غیر شرعی ہتھکنڈوں سے بھی گریز نہیں کیا، اگرچہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ افغانستان جیسا چھوٹا اور پسماندہ ملک کثیر تعداد میں مہاجرین کی دیکھ بھال کرنے کے قابل نہیں ہو گا، نیز اس میں اتنی سکت بھی نہیں کہ انگریزوں کا سیاسی دباؤ برداشت کر سکے، اس کے باوجود انہوں نے سادہ لوح اور غریب مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ افغان حکمران زرغیر زمینوں کا تحفظ لئے ان کے استقبال کے لئے تیار ہیں۔" (۲۳۰) مولوی عبداللہ لغاری اسی سے ملے پہلے تاثر کا اہتمام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب امرتسر میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو مولانا محمد علی نے فرمایا کہ اگر برطانیہ ترکی کو آزاد نہ کر دے گی تو ہم ہندوستان سے باہر نکل جائیں گے اور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں بیٹھ کر برطانیہ سے جنگ کرتے رہیں گے، مولانا (عبداللہ) سندھی نے اس وقت اعلیٰ حضرت امان اللہ خان سے کہا کہ اعلان کر دو کہ جو شخص ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان میں آئے گا،

اپنے بچوں کو آنسوؤں بھری آنکھوں اور لرزے ہاتھوں سے رخصت کر رہے تھے۔ ہر طرف عورتوں کی آہ و بکا اور بچوں کی گریہ و زاری سے ایک کھراں چا تھا، جدھر دیکھو، لوگ جانے کی تیاریوں میں منہمک نظر آتے۔" (۲۳۰)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"مہاجرین کا بے پناہ جھوم مذی دل کی طرح کھیتوں اور میدانوں میں کھلے آسمان کے نیچے پڑے پڑے بھوک اور پیاس سے دم توڑنے لگا، عورتیں، بچے اور نوجوان ایک گلاس پانی اور ایک کھڑا روٹی کے لئے اپنی عزت، ناموس اور عصمت تک بیچنے پر مجبور ہو گئے، اب نہ تو وہ آگے جانے کے قابل تھے نہ پیچھے لوٹنے کی سکت تھی۔" (۲۳۱)

تباہی و بربادی سے دوچار کرنے والی اس غیر ضروری اور غیر شرعی ہجرت کے محرک تقسیم ہند کے وقت پاکستان آنے والے مہاجرین کو کیا سبق پڑھا رہے تھے؟ وہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کی زبانی سنئے:

"جمیعت العلماء ہند کے تمام ارکان اور حضرت شیخ الاسلام (مولوی حسین احمد دہلوی)۔۔۔ نے ہجرت کے مقدس نام پر (ہندوستان سے پاکستان کی جانب) ہزدلانہ فرار کے مقابلے میں بہادرانہ موت کو ترجیح دینے کی تلقین کی۔" (۲۳۲)

آخر میں ہجرت کرنے کے بعد ہندوستان واپس آنے والے مسلمانوں کے متعلق جناب اللہ بخش، یو سی کا بیان ملاحظہ ہو:

کارکن بن گئے۔" (۲۳۱) جہاں تک مہاجرین کی پریشانیوں اور اقتصادی بد حالی کا شکار ہونے کا تعلق ہے تو یہ داستان بھی بڑی المناک اور سبق آموز ہے۔

جناب ظفر حسن ایک لکھتے ہیں:

"قافلے پہ در پہ جلال آباد اور وہاں سے کابل پہنچے گئے۔ شروع میں ان کو غیموں میں چمن حضوری میں جگہ دی گئی لیکن ان سب کے لئے قاتل اطمینان انتظام نامکن تھا۔ بے چاری پردہ پوش عورتیں وہاں سخت مشکلات میں مبتلا ہوئیں۔ بعض بد اخلاق کالپوں نے ان پر جن انداز میں بھی کی، بعض لوگوں نے تو روٹی اور کھانا خریدنے کے لئے اپنا اثاثہ ایست بھی فروخت کرنا شروع کیا جس کو کالپوں نے آدمے دام بھی نہ لیا۔ ان لوگوں کا قاری زبان سے بے بہرہ ہونا، ان کی بے مائیگی پر دلس اور وقار دوستوں کا فحشان، یہ سب ایسی مصیبتیں تھیں جن کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ان کو خود دیکھا ہو اور ان کا سامنا کیا ہو۔" (۲۳۵)

سید طفیل احمد منگھوری نے "علامہ" عنایت اللہ مشرقی کا یہ بیان نقل کیا ہے:

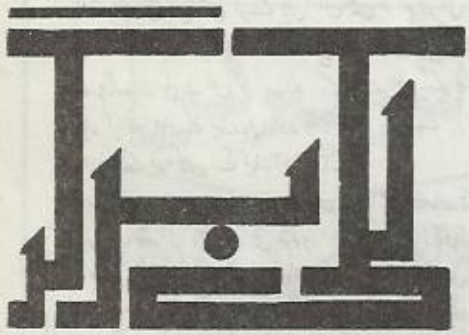
اپنا الو سیدھا کرنے والوں اور باقی تمام دنیا کو الونانے والے ملائوں کی ہلاکت آمیز تعلیم کے اثر کو دور کرنے کے لئے میں نے ۱۹۳۰ء میں جبکہ یہ لوگ کانگریس کی ملی بجلی سے قوم کا پچھتر لاکھ روپیہ بے ڈکار ہضم کر گئے اور پچیس ہزار مسلمانوں کو ہجرت میں دھکیل کر ہندوستان میں گاؤں تکیہ لگائے اپنی موجودگیوں پر چمچے رہے تھے۔" (۲۳۸)

چودھری سردار محمد خان صاحب نقصانات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ترک موالات کے پروگرام کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلمانوں نے جن میں مولانا آزاد بھی شامل تھے، یہ طے کیا کہ مسلمان ہندوستان سے افغانستان ہجرت کر جائیں۔ سندھ اور سرحدی صوبوں میں اس بیہودہ سکیم نے اتنا زور پکڑا کہ افغانہ ہزار سے بھی زیادہ مسلمان اپنے گھر بار، کاروبار کو خیر باد کہہ کر افغانستان کی طرف چل پڑے مگر افغانوں نے جیسی کہ توقع تھی، مہاجرین کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روک دیا، چنانچہ یہ قافلہ پھر ہندوستان کی طرف لوٹا اور اس بیہودہ مہم میں مسلمانوں کا جو بھی مالی اور جانی نقصان ہوا، وہ بیان سے باہر ہے۔" (۲۳۹)

صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی پریشانیوں اور تباہی و بربادی کی دردناک داستان جناب فارغ بخاری نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"علمائے کرام اور رہنمایان عظام نے قرآن اور حدیث کے حوالے دے دے کر لوگوں کو ترک وطن پر آمادہ کیا۔ صوبے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گویا ایک قیامت صغریٰ پھا تھی۔ صدیوں کے آباد گھراڑ رہے تھے، مال و متاع کو زبوں کے مول نلام ہو رہے تھے، جاگداریں بیٹی جا رہی تھیں، کمزری خصلیں جلائی جا رہی تھیں، باپ بیٹوں سے اور بیٹے ماؤں سے جدا ہو رہے تھے۔ جوان بیٹیوں کی شادیوں میں والدین اتنی عجلت برت رہے تھے کہ بغیر جانے پوچھے، دیکھے بھالے جو نوجوان سامنے آتا، نکاح پڑھا کر اس کے پلے پاندھ دیتے۔ جو بوڑھے والدین، سڑک کے قاتل نہ تھے وہ



تازہ خستہ اور لذیذ سادہ، چکن، آلیٹ
برگر اور شامی کباب

ڈے بلاڈنگ C-M-H لاہور چھاؤنی
پیر در پیر ایئر۔ محمد شریف

”جو افغانستان میں مقیم ہو گئے یا آگے نکل گئے، ان پر جو گزری، سو گزری اور جو تباہ حال واپس لوٹے، ان کے خلاف ”کفر“ کے فتوے گئے“
جہت سے واپس لوٹنے والوں کو مسلمان نہ سمجھا گیا، ان سے معاشرتی پابنکات کا اعلان ہوا اور کافی دنوں تک یہ فتوے بازی اور ہنگامہ آرائی جاری رہی۔“ (۲۳۲)

ہندوؤں کا رویہ

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران مسلمان واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور موافق و مخالف نہ صرف ان تحریکوں کے دوران بلکہ اب تک دست و گریباں ہیں لیکن ہندو بڑی ہوشیار قوم ہے، وہ اپنی قوت کو آپس میں لڑکر ضائع نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان تحریکوں کے دوران جو ہندو مخالف یکپ میں تھے، یہ مقابلہ فریق نے کبھی ان کی سرزنش نہیں کی، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کتے پتہ کی بات فرمائی تھی:
”افسوس ہے مسلمان سیاسی اعتبار سے ہمیشہ غیر منظم رہے، ان میں کوئی اعتدال پسند فریق قائم نہ ہو سکا جس میں ان حضرات کا فی الواقعہ شمار ہوتا“
ہندو البتہ کہیں زیادہ منظم ہیں، ان کے یہاں بھی ایک اعتدال پسند فریق موجود ہے لیکن کوئی نہیں جو اسے غلامی اور وقاداری کا طعنہ دے یا اس پر خود غرضی اور مفاد پسندی کا الزام رکھے۔“ (۲۳۳)
اسی حقیقت کا اعتراف مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

”ہندوؤں میں بھی فرقے ہیں، ان میں کوآپریٹر بھی ہیں، حکام رس، گورنمنٹ کے خطاب یافتہ اور کونسل کے ممبر بھی ہیں، ہندوؤں نے ان سے جنگ نہ کی نہ ان کو سب و سم کیا نہ ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کیا جو ہمارے لیڈروں اور (خلافت) کمیٹی کے مولویوں اور جمعیت العلماء کے اراکین نے کیا۔“ (۲۳۵)

ہندو ہر اس کام سے کتراتے تھے جس سے انہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔
۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء کے ایک خط میں مولوی مسعود علی ندوی رقمطراز ہیں:
”ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے اور چونکہ کانگریس کمیٹی نے ابھی اپنا فیصلہ نہیں کیا ہے، اس لئے ہندو حضرات تذبذب میں ہیں، تمام مسلمانوں کا وکالت چھوڑنا بہت دشوار ہے۔“ (۲۳۶)

جناب اقبال شیدائی نے لاہور سے ایک خط کے ذریعے اطلاع دی تھی کہ:

”ہندو کہتے ہیں کہ وہ انگریزوں سے تعلقات قطع کرنے کے ریڈیویشن میں شریک نہیں ہو سکتے، میاں فضل حسین اور ڈاکٹر اقبال بھی گریز کرتے ہیں۔“ (۲۳۷)

ہندوؤں کو خلافت کی بحالی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اگرچہ وہ اپنے لیڈروں کے کہنے پر بظاہر ہمدردی بھی ظاہر کر دیتے لیکن در پردہ وہ ان راہنماؤں کا مذاق اڑایا کرتے تھے:

”دلی کی خلافت کانفرنس میں گاندھی نے اس بات پر زور دیا کہ خلافت کے تحفظ کے لئے انگریزوں کے خلاف جدوجہد کی جائے، اس کا

مطلب یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس معاملے پر وہ کانفرنس کے مسلمان شرکاء کے مقابلے میں انگریزوں کے کہیں زیادہ مخالف ہیں، اس پر نئی محفلوں میں گاندھی کے دوستوں اور قریبی ساتھیوں نے اس کا خاصا مذاق بھی اڑایا، اس بات کا اندازہ شاید ولہم بھائی ٹیل کے ان الفاظ سے ہو سکے جو انہوں نے گاندھی کے سیکرٹری اندو لال بیچک سے کہے تھے: ”ذرا سوچئے تو“ ایسے وقت میں جبکہ ہم خود اپنے ملک میں انگریزوں کی سنگینوں کے زیر سایہ غلاموں کی زندگی بسر کر رہے ہیں، عرب اور فلسطین کے عربوں، شام اور میسوپوٹامیہ کی آزادی کے لئے کیسے جدوجہد کر سکتے ہیں؟ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو گی؟“ اندو لال نے اس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”ان اجتماعات میں ایک ایسے بے کار شخص اور عیاش سلطان کی سیاسی اور مذہبی آزادی بحال کرنے کے لئے حلق کا پورا زور لگایا جاتا جس کے خلاف انگریز تو تھے ہی، خود اس کی اپنی رعایا نے بھی بغاوت کر دی تھی۔“ (۲۳۸)

سوائی شروہاند کو اس بات کا ڈر تھا کہ تحریک خلافت اگرچہ انگریزوں کے خلاف شروع ہوئی تھی لیکن اس کا رخ کسی وقت بھی ہندوؤں کی جانب مڑ سکتا ہے، وہ لکھتا ہے:

”میں نے سامتا گاندھی کی توجہ ایک اور اہم نکتہ کی جانب مبذول کرائی جبکہ ایک رات ٹاکیو کی خلافت کانفرنس میں ہم دونوں اکٹھے تھے۔ اس موقع پر علماء نے قرآن کی جن آیات کی تلاوت کی ان میں بیکثرت ہمد اور کانفرنس کو قتل کرنے کے حوالے تھے لیکن جب میں نے اسے تحریک خلافت کے اس رخ پر غور کرنے کو کہا تو مہاتما جی مسکرائے اور کہا کہ ”وہ برطانوی پیورو کرسی کی جانب اشارہ کر رہے ہیں“ جواب میں میں نے کہا کہ یہ سب عدم تشدد کے نظریے کو پامال کرنے والا ہے اور جب جذبات بدلیں گے تو مسلمان علماء یہ آیات ہندوؤں کے خلاف استعمال کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔“ (۲۳۹)

جنگ عظیم اول کے خاتمہ پر مسلمان مایوسی کا شکار تھے، اس لئے کہ کئی اسلامی ممالک یورپ کی مسیحی طاقتوں کی جوع الارض کا شکار ہوئیں جبکہ کانگریسی ہندو لیڈروں کا رد عمل مایوس کن تھا، تحریک خلافت کی زبانی حمایت کرنے کے باوجود وہ مسلمانوں کی تباہی پر پھولے نہیں ماتے تھے۔ صدر کانگریس پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنے خطبہ مدارت میں جنگ عظیم اول کے متعلق ان جذبات کا اعتراف کیا:

”حضرات و خواتین! آپ لوگ جو ہر مذہب کے ہیں اور سب ایک خدا کی مختلف ناموں کے ساتھ عبادت کرتے ہیں، آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ سب اس خدا کا شکر ادا کریں کہ اس جنگ کا انجام بہت اچھا ہوا اور پھر آپ کی اور اپنی طرف سے میرا فرض ہے کہ وقادارانہ مبارک باد کے معکم کی خدمت میں پیش کروں کہ جنگ اچھے طریقے سے ختم ہوئی، یہ ہندوستانوں کے لئے خاص طور پر قابل اطمینان ہے کہ جبکہ تمام ظالم باد

الرحمن دیوبندی نے جمعیت العلماء ہند کے اجلاس دسمبر ۱۹۹۲ء کے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا:

”اس وقت اسلام کا معجزہ مصطفیٰ کمال کی صورت میں ظاہر ہوا (۲۵۵) غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کی تجدید باعتبار المعنی الاول کی یعنی خلافت اسلامیہ کو فنا ہونے کے بعد از سر نو قائم فرمایا، میری رائے ہے کہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو ان کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں مجدد خلافت کا خطاب یا اعتبار معنی اول کے مسلمان ہندوستان کی طرف سے دیا جائے۔“ (۲۵۶)

مولوی صاحب نے مزید کہا کہ ”مجدد خلافت اعلیٰ حضرت غازی مصطفیٰ کمال اور ارکان مجلس علیہ ہمہ تن خلافت کو اصول شریعت پر قائم کرنے کے ورپے ہیں۔“ (۲۵۷)

خلافتی لیڈروں نے پہلے یہ مطالبہ کیا تھا کہ خلیفہ کی سلطنت میں وہ تمام علاقے شامل ہونے چاہئیں جو جنگ عظیم کے آغاز پر حصے پورے عرب، شام اور عراق پر اس کی حکمرانی ہو اور شریعت کے عین مطابق اسے روحانی اور دنیاوی اختیارات حاصل ہونے چاہئیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تمام مسلمانوں پر کوشش کرنی لازم ہے لیکن جب ۱۹۹۲ء میں کرسس کے موقع پر آل انڈیا خلافت کانفرنس اور جمعیت العلماء ہند نے کانگریس کے ساتھ کیا میں ایک مشترکہ اجلاس منعقد کیا تو وہ کچھ نہ کر سکے، انہوں نے

مث پکے ہیں، ہمارا شریف اور نیک دل شہنشاہ اپنی جگہ پر ہے، ہم سلطنت احمد کے لوگوں کو بھی مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی سبق و ترویج کے لئے قربانیاں پیش کرنے میں کوئی کٹاوتھ نہیں رکھی۔“ (۲۵۸)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی آپ جی میں مسلمانوں کی ناکامیوں اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا ذکر بڑے دلخراش انداز میں کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اسی زمانے میں ہندی مسلمانوں کو حکیم صدمات پینے اور ان کے بہت سے خیالات جن کی پرورش بڑی تنہاؤں سے کی گئی تھی، پاش پاش ہو گئے، اسلام کے غازی مرکز نے نہ صرف یہ کہ خلافت کو ہی ختم کر دیا جس کے لئے ہندوستان ۱۹۴۰ء میں اتحاد الاقوامہ بلکہ یکے بعد دیگرے ایسے قدم اٹھائے جو مذہب سے اس کو دور ہی لے جا رہے ہیں۔“ (۲۵۹)

ایک انگریز مصنف پی ہارڈے نے تحریک خلافت کا تجزیہ کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس قدر قوت اور جوش سے کام لیا گیا مگر انجام یہ ہوا کہ مسلمان اپنے ہم وطن ہندو ساتھیوں کی نظر میں نہ صرف بے وقوف بلکہ خطرناک بھی ثابت ہوئے۔ بے وقوف اس لئے کہ وہ ایک ایسے آئینہ کی حصول کے لئے جدوجہد کر رہے تھے جس سے خالص مسلمان عرب ممالک اور ترکی لا تعلق رہے اور خطرناک اس لئے کہ ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ انہیں مسیحی کے ساتھ ایک ایسے کام پر لگایا جا سکتا ہے جس کا ہندوستان سے بہت کم تعلق ہو اور جس میں ملک کے اکثر باشندے شامل نہ ہو سکیں۔ (۲۶۰)

خاتمہ خلافت پر رد عمل

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے برسر اقتدار آ جانے سے سلطان ترکی یا خلافتی لیڈروں کے الفاظ میں خلیفہ کا کردار ختم ہو چکا تھا اور ترک قوم نے ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا، اس نئی صورت حال کی وجہ سے تحریک خلافت میں پرجوش حصہ لینے والے نیشنلسٹ مسلمانوں پر سخت طاری ہو گیا، اس لئے کہ جس خلافت کی بحالی کی خاطر انہوں نے تن من دھن کی قربانی دی تھی، وہ خود ترک مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہوتا نظر آ رہا تھا، اپنی سخت محنت کے لئے انہوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کو مبارکباد دینی شروع کر دی، جمعیت العلماء نے اپنے نومبر ۱۹۹۱ء کے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی:

”جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی اسلامی خدمات کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہے۔ اور مسلمان ہند کو ان کے اسلامی فرض سے آگاہ کرتا ہے کہ اس وقت اس غازی اسلام کی امداد و اعانت کرنا افضل ترین عبادت اور جہاد مالی ہے۔“ (۲۶۱)

آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس ۸ تا ۱۰ جولائی ۱۹۹۱ء کو کراچی میں منعقد ہوا جس میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور انگریز کی حکومت کی شاندار فتوحات اور اسلامی قوانین کی بحالی کے سلسلہ میں ان کی جرات مندانہ کاوشوں پر تہ دل سے مبارکباد پیش کی گئی (۲۶۲) اسی طرح مولوی حبیب

النور فیہ رکس

لیڈرز اینڈ جینٹلمین کی رائیٹی کا مرکز

سفاری سوگرم سوٹ
اور تمام اقسام کی ورائٹرز
موجود ہیں

نقشہ
6660691 صدر بازار لاہور کینٹ

سے کرایا کرتا ہے۔“ (۲۳۳)

ایک اور بات جو اس مضمون میں میاں صاحب نے لکھی ہے، اس کا اگرچہ تحریک خلافت سے تعلق نہیں ہے لیکن ریکارڈ پر لانا فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ: ”عرب عربوں کے لئے ہے جب یہ سنی شریف حسین نے برطانیہ کو سنا چاہا تو اس کو نکال کر ابن سعود کو حجاز پر قابض کر دیا گیا۔“ (۲۳۴)

آخر میں مولوی ابوالحسن علی ندوی کی رائے یہی قارئین ہے: ”اگر پوچھا جائے کہ عالم اسلام کے لئے آخر صدیوں کی طویل تاریخ میں محسوس ترین دن کون سا تھا؟ تو ایک باخبر اور حقیقت پسند مورخ اس کے سوا کوئی جواب نہیں دے سکتا کہ وہ مارچ ۱۹۲۳ء کی تاریخ تھی جب قسطنطنیہ کی مجلس وطنی نے الفائے خلافت کا فیصلہ کیا اور مقامات مقدسہ ہی نہیں، مسلمانوں کی عزت و اہدو کا وہ مضبوط حصار ٹوٹ گیا جس کو ترکوں نے اپنی قربانوں، فوجی طاقت اور خلافت کے مقدس نام سے تعمیر کیا تھا۔ یہ فیصلہ مغربی طاقتوں بالخصوص برطانیہ کے اشارے بلکہ اصرار سے عمل میں آیا۔“ (۲۳۵)

تحریک ترک موالات کی بندش پر رد عمل

جناب محمد امین زہری تحریر فرماتے ہیں: ”کانگریس کا ایک نہایت بااثر حصہ ابتدا سے ترک موالات کا مخالف تھا اور اس کے خلاف اپنا اثر استعمال کرتا رہتا تھا۔ فروری ۱۹۲۲ء میں چورا چوری واقعہ صوبہ متحدہ میں عوام کے مشتعل ہجوم سے پولیس کا تصادم ہوا، تھانہ جلا دیا گیا اور چند سپاہی مارے گئے۔ اب کانگریس کو ایک نادر موقع ہاتھ آگیا۔ ہر طرف سے گاندھی جی پر اس تحریک کو ختم کرنے پر زور دیا گیا اور سات دن کے اندر یعنی ۱۲ فروری (۱۹۲۲ء) کو پارلیمانی کانگریس کی مجلس عاملہ نے خاتمہ کر دیا۔ ساتھ ہی خلافت (کانفرنس) اور جمعیت العلماء نے بھی (اپنے فتویٰ) ترک موالات کو بالائے طاق رکھ کر، حاشیہ برداروں کی طرح اس کو قبول کر لیا اور اب تمام جملے جلوس بند اور تمام پروگرام ختم ہو گئے۔ اس وقت علی برادران، مولانا ابولکلام آزاد اور دیگر زعمائے اسلام قید و بند میں تھے، جب ان کو یہ اطلاع ملی تو وہ نہایت مضطرب ہوئے اور انہوں نے تحریک کے رہنماؤں کو خطوط لکھے۔ یہ خطوط جب ۲۳ فروری ۱۹۲۲ء کو گاندھی جی کے سامنے پیش ہوئے تو ان کا صرف یہ جواب تھا کہ:

”وہ لوگ جیل میں ہیں، وہ سول حیثیت سے مرہ ہیں اور ان کو کوئی حق نہیں کہ وہ باہر والوں کو مشورہ دیں۔“ (۲۳۶)

پنڈت جواہر لال نہرو کے سوانح نگار نے مسٹر گاندھی کی تائید کرتے ہوئے کہا:

”دراصل ایک حقیقی خلعہ موجود تھا کہ کانگریس کی صف میں ٹاپیندہ

ترکی کی جی مقبول حکومت پر اکتفا احماد کیا اور ان کے مقرر کردہ بے اختیار خلیفہ کو تسلیم کر لیا۔“ (۲۵۸)

بالآخر ترکوں نے خود خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا:

”اگر میں کوئی پیغمبر ہوتا اور مجھے غیب کا علم دیا گیا ہوتا اور میں جانتا کہ تحریک خلافت کا یہ انجام ہو گا، تب بھی میں خلافت کی تحریک میں اسی اٹھاک سے حصہ لیتا، خلافت کی یہی تحریک ہے جس نے قوم کو بیداری عطا کی، اب میں پھر اسے سونے نہ دوں گا۔“ (۲۵۹)

مولوی محمد سجاد نے جمعیت العلماء ہند کے اجلاس جنوری ۱۹۲۵ء میں تقریر کرتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

”گذشتہ چند سالوں کے اعتبار سے خلافت اسلامیہ کا مسئلہ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے پہلے صرف اعداء دین اس کے تباہ و برباد کرنے کی فکر میں تھے اور اس کے نام و نشان کو تمام دنیا سے مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اب یہ حال ہے کہ خود مسلمانوں ہی نے اپنے ہاتھوں تخت خلافت کو الٹ دیا اور آج دنیائے اسلام اس وقت بلا خلیفہ کے زندگی بسر کر رہی ہے۔“ (۲۶۰)

مولوی صاحب نے مزید کہا:

”پہلے ہلاک خان جیسے لعین شخص نے خلافت کا خاتمہ کر کے دنیائے اسلام کو متلاشہ مصیبت کیا تھا اور آج خود ہمارے بھائیوں نے ہم کو اس مصیبت عقلی میں مبتلا کر دیا ہے۔“ (۲۶۱)

قوم پرست مولوی اس بات پر متفق تھے کہ خلافت کا خاتمہ ترکی کی جدید حکومت نے بغیر کسی جھوٹی دباؤ کے کیا تھا، یہاں تک کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے جو ”اصلاحات“ نائذ کی تھیں یعنی خاتمہ خلافت، عربوں کا بایکات، عربی زبان اور عربی خط سے متعلقہ، ”لاطینی حروف رائج کرنا، عورتوں کو بے پردہ کرنا، ایک سے زائد شادی ممنوع قرار دینا وغیرہم“ ان سب کا دفاع مولوی محمد میاں عالم جمعیت العلماء ہند نے ایک طویل مضمون میں کیا تھا، اس مضمون میں کمال آغا ترک کو بدنام کرنے والے بدھنیت قرار دیئے گئے ہیں، ایک سے زائد شادی ممنوع قرار دینے اور شادی کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کی خاص عمر مقرر کر دینے کے حکم کو مولوی صاحب شریعت کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے رقطراز ہیں:

”شریعت عوام کی رو سے مصطفیٰ کمال کا ایسا حکم ہر مسلمان کے لئے واجب الاتباع تھا۔ اگر مسلمان سلطان اور شریعت کے کسی مباح یا مستنون حکم میں بظاہر تعارض ہو جائے تو سلطان کی اطاعت کو مقدم قرار دیا ہے کیونکہ وہ واجب ہے اور واجب کا مرتبہ مستحب، مستنون اور مباح سے بالا ملتا جاتا ہے۔“ (۲۶۲)

آخر میں مولوی صاحب کہتے ہیں: ”خدا نے مصطفیٰ کمال کو ایک کامل مجاہد بنا کر پیدا کیا تھا اور اس سے وہ کام کراتا چاہتا تھا جو اپنے پاک بندوں

"خلافت کی تحریک کی ناکامی کے بعد وہ بالکل بدل چکے تھے۔ اب ان کے سامنے آخر وقت تک مسلمانوں کا ملی سوال پیدا ہی نہیں ہوا اور ان کی تمام سماجی گاندھی کی قیادت کے ماتحت ہندوستان میں وراثت کی بناء پر ایک مشترکہ قومی حکومت کے قیام اور مشترکہ تمدن" جس پر ہندو مسلم ایک ہزار برس کے باہمی میل جول کی چھاپ لگ چکی ہے" کی تعمیر کے لئے وقف ہو گئیں۔ اسلامی امامت کا تحیل ہندی قومیت میں جذب ہو گیا" مسلمانوں کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک اقلیت کی رہ گئی۔ مسلم قوم و جماعت کا تصور تک ختم ہو گیا" یا تو ذکوۃ اور نماز ان کے نزدیک جماعت کے علاوہ بے معنی حصے یا اب نماز باجماعت کی حیثیت اتنی ختم ہوئی کہ وہ ہتھوں اور مینوں کھٹو" نئی تال اور دلی میں مسجد کے قریب ہی مقیم رہے۔ مگر جماعت کی نماز میں کبھی شامل نہ ہوتے حتیٰ کہ جمہ کی جماعت میں کبھی اتفاقیہ ہی شامل ہوتے" یا تو ایک زمانہ میں اتنا کا یہ عالم تھا کہ تذکرہ کی اشاعت کے لئے تصویر کا کچھونا ممنوع تھا یا اب نئے دور میں باقاعدہ ان کی تصویر کچھوانے کی رسمیں اس طرح ادا ہوتے لگیں کہ ۱۹۳۰ء میں رام گڑھ کے سالانہ اجلاس کانگریس میں صدر کانگریس کی حیثیت سے ہندو خواتین ان کی پیشانی پر مندل کا نشان لگا رہی ہیں اور کانگریسی اخبارات اس تصویر کو ملی الاطمان شائع کر رہے ہیں" اسلامی تمدن کا علمبردار "امام اللہ" واروہا میں فرش زمین پر بیٹھ کر چوکا لگا کر ہندو رسم و رواج کے مطابق کھانا کھا رہا ہے اور اس کے فوٹو

اور انقلابی عناصر شامل ہو جائیں اور اپنے مقاصد کے لئے اس ادارہ پر قبضہ کر لیں" اس میں منظر میں گاندھی جی کا سول نافرمانی کو ختم کرنے کا فیصلہ وانشیزانہ" برات مندانہ اور بدعت تھا۔" (۲۱۷)

ابوالکلام آزاد نے اپنے قائمہ ستر گاندھی کے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"گاندھی جی نے چورا چوری کے حادثہ کی وجہ سے تحریک (ترک موالات) کو معطل کر دیا۔ سیاسی حلقوں میں اس کا شدید رد عمل ہوا اور سارے ملک میں شکست کی فضا پیدا ہو گئی۔ مسٹر آرداس کو یقین تھا کہ تحریک بند کرنے میں گاندھی جی نے ایسی غلطی کی ہے جس سے شدید نقصان ہو گا" اس نے سیاسی کام کرنے والوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں کہ اب بلیک میں وہ جذبہ برسوں تک پیدا نہ کیا جاسکے گا۔" (۲۱۸)

انجام تحریک خلافت و ترک موالات

نقصانات

اس میں شک نہیں کہ ان تحریکوں پر ہندوؤں پر جلدی اثرات مرتب ہوئے مگر سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ عزیز الرحمن جاسمی نے اپنی کتاب "مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا جائزہ" میں بیان کیا ہے کہ خلافت کی تحریک میں گرفتار ہونے والے مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی" انہوں نے مجموعی طور پر پانچ کروڑ روپے صرف کئے اور تقریباً بیس کروڑ روپے کا مجموعی نقصان برداشت کیا" جس میں جرمانے، بدلی کپڑے کا جانا اور تجارتی نقصان وغیرہ سب ہی شامل تھا۔ (۲۱۹)

مخترم عاشق حسین پٹاوی کے بیان کے مطابق "لالہ لاجپت رائے نے ترک موالات ہی کے زمانے میں کشمی انشورنس کمپنی کے نام سے ایک بہت بڑی بیمہ کمپنی لاہور میں قائم کر دی تھی تاکہ جن ہندو نوجوانوں نے وکالت اور تعلیم ترک کی تھی" انہیں اس کمپنی میں ملازمت مل سکے" چنانچہ پنڈت کے ستائش لالہ صہم سین پھر "ڈاکٹر گوپی چند بھارگو" کرشن گوپال دت وغیرہ کو معاش کی قلعاً کوئی وقت پیش نہ آ سکی" اس کے برعکس جن مسلمان نوجوانوں نے تعلیم ترک کی تھی" ان کا عبرت ناک انجام آج بھی یاد آتا ہے تو روتنے کڑے ہو جاتے ہیں۔" (۲۲۰)

ان تحریکوں کے دوران سب سے زیادہ نقصان مسلم لیگ کو پہنچا" ۱۹۳۳ء میں اس کا کھسٹو سیشن کورم کی کمی کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا (۲۲۱) اس کے علاوہ علماء و مشائخ اپنے جھروں سے نکل کر میدان سیاست میں آئے" ان کے اثرات مثبت بھی تھے اور منفی بھی" بعض نیم علماء نے ایسی حرکات کیں جن سے اسلامی تصورات کو سخت نقصان پہنچا" ان میں سے بعض نے گاندھی کو جس نبی قرار دیا اور اس کے ہر قول کو قرآن و حدیث پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔" (۲۲۲)

جناب عبدالوہید خان" ابوالکلام آزاد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

آپ کے ملبومات کے محافظ

ماونٹ ایورسٹ
ڈرامائی کلیئرز

6660691

فونٹ

338-مسرور روڈ

صدر بازار۔ لاہور کینیٹ

دفعہ کا انتظام
بھی ہے

اس غرض کے لئے متحدہ قومیت کی تحریک کو تیز کر دیا۔ علمی میدان میں مغرب کی پوری سیاسی فکر کی بناء پر متحدہ قومیت کے تصور کو پیش کیا جا رہا تھا اور کوئی اس سیلاب کا مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ رابطہ عوام (Mass Contact) کے نام پر مسلمانوں کو ان کی اپنی تعلیمات سے کاٹ کر کانگریس میں ضم کرنے کی سعی بڑے وسیع پیمانے پر ہو رہی تھی۔ پھر مسلم نام رکھنے والے اہل قلم روٹی کے مسئلہ کو سب سے اہم قرار دے کر اشتراکیت کی تبلیغ بالکل کھلے بندوں اور جمعیت العلماء کے اخبارات تک کے ذریعہ کر رہے تھے۔ علماء کا ایک بڑا طبقہ انگریز کی مخالفت میں متحدہ قومیت کی تائید پر اتر آیا تھا۔" (۲۷۷)

طلباء سیاست میں

حکومت اور حکومت کی امداد سے چلنے والے تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کی وجہ سے تحریک خلافت و ترک موالات کے مقادرات کو تقویت پہنچانے اور بحیثیت رضا کار کام کرنے کے لئے طلباء کی ایک کثیر تعداد فارغ ہو گئی۔ اس طرح طلباء کا عملی سیاست میں حصہ لینے کی روایت پڑ گئی جو ابھی تک موجود ہے اور پورے برصغیر میں تعلیمی زندگی پر منحوس سایہ ڈالتی ہے۔" (۲۷۸)

قوم پرست مولوی کانگریس کی مقبولیت کی وجہ

تحریک خلافت و ترک موالات نے جن منفرد اثرات کو جنم دیا، ان میں سے ایک مسلم لیگ کا زوال اور کانگریس کی نشوونما تھی۔ اس سے قبل کانگریس عوامی جماعت نہیں تھی۔ علی گڑھ کی تحریک اور بریلوی علماء و مشائخ کی وجہ سے مسلمان عوام کانگریس میں شامل ہونے سے ہٹکاتے تھے لیکن وقت کے سب سے بڑے سامری مسز گاندھی نے حالات کو ایسے رخ پر ڈال دیا کہ کانگریس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور خود مسلمان لیڈروں نے یہ "کارنامہ" سرانجام دیا، بعض علماء کلمائے والے "خادم دین" بھی اس کے گمن گانے لگے، مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"کانگریس کو انڈین نیشنل کانگریس فی الحقیقت مسلمانوں نے بنایا ہے، اس سے پہلے وہ غایت پسندوں کی تقریر گاہ تھی مگر جس دن سے محمد علی شوکت علی اس میں شریک ہوئے، اسی دن سے اس میں جان پڑ گئی، چنانچہ کلکتہ کانگریس میں لالہ لالہ پت راء کی مخالفت کے باوجود کانگریس نے ترک موالات کو اپنا شعار بنایا۔" (۲۷۹)

ایک قوم پرست مورخ مسلمان جماعتوں اور کانگریس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "خلافت اور سوراہیہ کی تحریک ایک دوسرے میں نقطہ نظر ہو گئی تھی، خلافت کمین اور جمعیت علماء ہند کے بھی چلے ہوتے تھے اور ان میں تو گری ہی گری تھی لیکن اب خلافت کے حصول کا ذریعہ بھی سوراہیہ

ہندو اخبارات میں فاتحانہ انداز میں چھپ رہے ہیں۔ غضب یہ کیا کہ بے شمار آیات قرآنی کے مطالب دور الہلال میں کچھ اور انداز میں نکلے تھے جو قومیت کے دور میں شائع شدہ تقریروں میں بالکل مختلف ہو گئے حتیٰ کہ بعض مضامین میں جو "مدینہ" اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئے، ہندوؤں کو اہل کتاب قرار دیا گیا۔ توحید اور آخرت پر ایمان اور اعمال صالحہ نجات اخروی کے لئے کافی سمجھے جانے لگے۔" (۲۷۳)

ایک انگریز مصنف کے خیال میں "تحریک ترک موالات اور سول فافرنائی کے رہنماؤں کی کارروائیوں نے کوئی مفید نتیجہ حاصل کئے بغیر ہندوستان کو تباہی اور بربادی سے دوچار کر دیا۔" (۲۷۴)

ہندو مسلم اتحاد

قاضی محمد عدیل عباسی جو مسز گاندھی کے پرستار تھے، فخریہ انداز میں لکھتے ہیں: "تحریک خلافت نے مسلمانوں میں ایک عظیم وطنی جذبہ پیدا کیا، ان کو محسوس ہوا کہ وہ ایک بڑی طاقت ہیں اور اگر وہ اس طاقت کو استعمال کریں تو برطانیہ کو بڑے اٹکاؤ پیچک سکتے ہیں مگر اسی کے ساتھ ان کو یہ بھی محسوس ہوا کہ اس طاقت کے استعمال کے لئے ملک کی تمام جماعتوں سے اتحاد و اتفاق لازمی ہے، بھرت کی تحریک جس طرح ناکام ہوئی اس نے بھی مسلمان ہند میں اپنے ملک اور وطن سے محبت کے احساس کو تیز کر دیا۔" (۲۷۵)

ہندو مسلم اتحاد کے ایک اور دایمی خان عبدالولی خان نے اپنے انداز میں یہ تجویز پیش کیا ہے: "انگریزوں نے تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتحاد کو اپنے "دو قوی نظریہ" کے لئے خطرناک سمجھ کر اسے ختم کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوئے۔" (۲۷۶) قطع نظر اس بات کے کہ "دو قوی نظریہ" کا موجد کون تھا، اس سے اس قدر مترشح ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے رویہ کی وجہ سے مسلمان کانگریس سے کٹ کر "دو قوی نظریہ" کے حامی بن گئے۔

پروفیسر خورشید احمد کے خیال میں تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد جو سب سے بڑا خطرہ پیش آیا، وہ "متحدہ قومیت" کا تھا جس کا پرچار علماء کا ایک طبقہ کر رہا تھا، پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں:

"برطانوی ہند کے مسلمانوں کو انگریز کی غلامی کے دور میں جو سب سے بڑا خطرہ پیش آیا، وہ "متحدہ قومیت" کا تھا۔ یہ خطرہ ۱۹۳۵ء میں تحریک خلافت کے غیر موثر ہو جانے کے بعد شدید صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ہر میدان میں شکست پر شکست کھانے سے ان پر شدید باغی کا غلبہ تھا، کوئی قوی تنظیم باقی نہیں رہی تھی۔ قوی لیڈر ایک ایک کر کے یا تنہا گئے تھے یا اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور یا پھر قوم کا اعتماد کھو بیٹھتے تھے۔ نت نئے فتنے ابھر رہے تھے اور کوئی نہ تھا جو ان کا مقابلہ کرے، ان حالات میں کانگریس نے مسلمانوں کو نرم نوالہ سمجھ کر نگل لیتا چاہا اور

تحلیل کرنے کی سعی نامکمل کی جائے گی۔" (۲۸۲)

لیکن اب مسلمان مسٹر گاندھی کو کافی حد تک جان چکے تھے، مولانا محمد علی جوہر جو اس کے کافی قریب رہ چکے تھے، برٹا فرمایا کرتے تھے کہ "ہم دونوں بھائیوں نے گاندھی جی اور ان کی قوم کو مرد میدان سیاست بنایا اور ان پر بھروسہ کیا مگر انہوں نے ہم سے دھوکہ کیا۔" (۲۸۳) "پہلے وہ ہندوؤں کی اکثریت کا رویہ بالکل بدل چکا تھا، جمعیۃ العلماء ہند کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ مسیح الدین مرحوم نے اپنے صدارتی خطبہ میں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ امر بالکل صاف ہے کہ آج ہندو رہنماؤں میں انصاف اور رواداری کے وہ جذبات موجود نہیں ہیں جو ۱۹۳۰-۳۱ء میں وہ ظاہر کر رہے تھے اور گذشتہ چند سالوں میں انہوں نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کے لئے ایک فزق کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان اپنی قوی اور مذہبی روایات کے مطابق ہندوستان میں ایک نمایاں حیثیت سے باعزت زندگی بسر کریں۔" (۲۸۴)

نیشلسٹ مولویوں کو اس وقت بھی ہر بات میں انگریز کی شراعت نظر آتی تھی اور آج بھی یہی صورت حال ہے۔ تحریک خلافت و ترک موالات کی ناکامی کے بعد جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندومت میں جذب کرنے کے منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا تو رد عمل کے طور پر مسلمان بھی مقابلے پر آئے، اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی وہ ساری کوششیں ناکام ہو گئیں جو مسٹر گاندھی اور کانگریسی مولوی کر رہے تھے، مولوی ابوالحسن علی ندوی ہندوؤں کو مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے اسے انگریز کی سازش قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افسوس ہے کہ ۱۹۴۳ء میں جب وہ (مولانا محمد علی جوہر مرحوم) آخری بار جیل سے باہر آئے تو انگریزی حکومت کی جس کی نمائندگی اس وقت ایک یودی انسٹرکشنل لارڈ ریڈیک کر رہا تھا، سازش کامیاب ہو چکی تھی، ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا، شدمی، شغمنی کی تحریک آندھی کی طرح چل رہی تھی، بڑے بڑے شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات وبا کی طرح پھوٹ پڑے تھے۔" (۲۸۵)

دسمبر ۱۹۴۲ء میں جب آزادی (سوراج) کی تحریک دم توڑ رہی تھی تو آگرہ کی ہندو ماسکٹری سما میں یہ تحریک پیش کی گئی کہ ساڑھے چار لاکھ لکھنوں کو شہد (اسلام سے برگشتہ کر کے مشرف بہ ہندومت) کر لیا جائے، اس تحریک کے پیش ہوئے ہی تمام ہندو پریس اور ہندو جماعتوں کی طرف سے

قرار دیا گیا تھا اور کل ملک کی نگاہ ملک کو غلامی سے آزاد کرانے پر لگی ہوئی تھی۔ کانگریس کی اہمیت روز بروز ترقی کرتی جا رہی تھی۔ دوسری جماعتیں بھی اگرچہ بہت پر جوش تھیں اور انہیں کی بدولت یہ فضا پیدا ہوئی تھی تاہم وہ مسیحین و مددگار کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔" (۲۸۶)

"خود ہندو بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ماہنامہ "درہن" میں "کانگریس" کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "شروع ۱۹۹۹ء میں رولٹ ایکٹ پاس کیا گیا، اس وقت مسلمانا گاندھی افریقہ سے ہندوستان آ چکے تھے اور ان کی پاک شخصیت ہندوستان کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ انہوں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف اپنی نیٹیشن پھیلایا۔ اسی اثناء میں صلح کانفرنس ہو کر ترکی کے حصے بخرے کر لئے گئے۔ ترکی کے ساتھ یہ بدسلوک دیکھ کر ہندوستان کے قوم پرست مسلمانوں نے تحریک خلافت کی بنیاد ڈالی اور آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ چند ہی دنوں میں مسلمانا جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے رہبر بن گئے اور مسلمانوں نے مسلمانا جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھلایا کہ دنیا دیکھ رہی تھی۔ قصہ کو تاہ شروع ۱۹۳۰ء میں مسلمانا جی کانگریس اور خلافت کے مسئلہ لیڈر بن گئے۔ پرانی پارٹی کانگریس سے نکل گئی اور نئی قوم پرست پارٹی نے کانگریس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت سے کانگریس کی کالیا پٹی شروع ہوئی اور ایسی چلتی ہے کہ اب پہچان ہی نہیں آتی کہ یہ دہی کانگریس ہے جس کی ابتدا ۱۸۸۳ء میں ہوئی تھی، اب اس کی بناوٹ مختلف، اس کا انتظام نیا، اس کا مقصد بدلا ہوا، اس کی چال ڈھال زلی ہے، پرانی پارٹی نے اپنی طبعہ سوسائٹی بنا لی ہے جس کا نام مائزٹ کانفرنس ہے۔" (۲۸۷)

ہندو ذہنیت بے نقاب

مشہور و معروف صحافی مسٹر زیڈ اے سلمی لکھتے ہیں: "جب گاندھی کو یہ اطمینان ہو گیا کہ مسلمانوں کی عظیم دستر ہو گئی ہے اور ان کا کوئی خصوصی ہیٹ فارم نہیں رہا تو اس نے دو حروں سے کام لینا شروع کیا، ایک اس نے انگریزوں کو وارنٹ دی کہ کانگریس واحد ہندوستانی نمائندہ جماعت ہے اور اسے فوراً مکمل انتقال اقتدار کر دیا جائے (دارنگ پر عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں ملک گیر سول نافرمانی کی دھمکی دی گئی) دوسرے اس نے ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعروں لگایا اور ساتھ ہی صبح کی پراقتنا میں ہر مذہب کی دعاؤں، مناجاتیں اور اشلوک لگانے کی رسم ڈال دی۔ ایک ہزار سال تو اسلام ہندو ازم کے ظلم میں گم نہ ہوا لیکن اب اسے ایک پراقتنا میں



دہلی روڈ صدر بازار (نزد قرقاٹا)
لاہور چھاؤنی

ماشا اللہ شاہ میڈیٹر

کبھی بھی مہاسہائیت کے خلاف نہ احتجاج کیا نہ جدوجہد کی، پھر جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو مسلمان لیڈر عامۃ المسلمین کو امن پسندی کی تحقین کے لئے میدان میں اتر پڑے اور گاندھی جی نے کہا تو یہ کہ "ہندو بزدل ہیں اور مسلمان جنگی" انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے شردھانند کے خلاف ایک حرف نہ کہا، مالوی جی کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادہ لی۔ مونجے، کیکڑ، فیکر اور دوسرے آتش زریہ ہندو لیڈروں کے مقابلہ میں کبھی نہ آئے بلکہ اگر کسی مسلمان نے ان کے خلاف لب کشائی کی تو پھرتے، بگڑ گئے، امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پنڈت دن موہن مالوی کی تفرقہ انگیزی اور فتنہ پروری کے خلاف کچھ کہہ دیا تو گاندھی جی جو صدر جلسہ تھے، بگڑ گئے اور انہوں نے کہا "آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینہ پر گھونٹہ مار دیا۔" (۲۸۸)

تحریک خلافت و ترک موالات کے خاتمہ پر ہندوؤں نے مسلمانوں کو "نمبرو رپورٹ" کا تختہ پیش کیا، جس میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کو مسترد کر کے ایک ایسے نظام حکومت کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ "ہندوستان میں

دوہری حکومت قائم ہو جس میں فوجی اور خاکی اقتدار انگریزوں کے ہاتھوں میں رہے اور ملکی و انتظامی اختیارات اکثریت کے ہاتھوں میں آجائیں تاکہ برطانوی عسکریوں سے مسلمانوں کو غلام بنا لیا جائے بقل مولانا محمد علی کہ "جب ایٹم انڈیا کمپنی کے عہد میں منادی کی جاتی تھی تو مناد پکارتا تھا کہ "خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کہنی ببادار" لیکن نمبرو رپورٹ کا شخص یہ ہے کہ خلقت خدا کی، ملک وائسرائے کا یا پارلیمنٹ کا اور حکم مہاسہا "کا۔" (۲۸۹)

مسلمانوں کی اکثریت نے نمبرو رپورٹ کو مسترد کر دیا، تاہم مسلمانوں میں بعض ایسی شخصیات یا افراد تھے جنہوں نے اس بدنام زمانہ رپورٹ کی حمایت کی مثلاً مجلس احرار (۲۹۰) اور ابوالکلام آزاد (۲۹۱) مولوی حسین احمد دیوبندی نے اس وجہ سے مخالفت کی کہ اس میں عمل آزادی کا تصور موجود نہ تھا (۲۹۲) قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم اور دیگر مسلمان رہنماؤں کی طرف سے کافی کوشش کے باوجود مسٹر گاندھی نے اس میں کسی قسم کی ترسیم کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی (۲۹۳) "مہاتما جی" کے اس مسلم شخص رویہ کی وجہ سے دو قوی نظریہ کو تقویت ملی اور مسلمان کانگریس سے دور ہوتے چلے گئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے ۱۹۴۶ء کی تحریک عدم تعاون کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی ان قریاؤں کا ذکر کیا جو انہوں نے آزادی اور خلافت کے نام پر کیں اور جن کا نتیجہ کانگریس کی موجودہ طاقت ہے، اس زمانہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بند کر دی گئی تھی لیکن بنارس (ہندو) یونیورسٹی کا ایک طالب علم بھی تحریک میں شریک نہیں ہوا، اس طرح ہماری محبوب درسگاہ معطل کر دی گئی تھی لیکن ان تمام قریاؤں کے سلسلہ میں کانگریس نے مسلمانوں کو کیا دیا؟ انہوں نے ہمارے لئے نمبرو رپورٹ پیش کی

اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور پورے جوش و خروش کے عالم میں ۱۳ فروری ۱۹۴۳ء کو سوامی شردھانند کے زیر صدارت بھارتیہ شدمی سہما قائم کی گئی، اس جماعت نے آغاز کار کے لئے پانچ لاکھ روپے کی اپیل شائع کی جس پر ہندوؤں نے نہایت مستعدی کے ساتھ لبیک کہا اور مال و دولت سے اس کی اتنی ہمت افزائی کی کہ عالم وجود میں آنے کے ۱۳ روز بعد ہی اس نے شدمی کا عملی کام شروع کر دیا، تھوڑی ہی مدت میں یہ سیلاب ضلع آگرہ سے بڑھ کر گوزگانو، امیر، لہند، علی گڑھ، متھرا، ہراج، مین پوری، اٹارہ، بلند شہر، ریتک، میرٹھ وغیرہ اضلاع میں پھیل گیا اور ڈیڑھ دو سال کے اندر سات آٹھ ہزار مسلمانوں کو آغوش اسلام سے چھین کر بت پرستی کا حلقہ گروش بنا لیا گیا، اس کامیابی سے ہندوؤں کی اس قدر ہمتیں بڑھیں کہ انہوں نے علی الاعلان کہا شروع کر دیا کہ شدمی کی تحریک صرف نو مسلم راجپوتوں ہی تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ہر اس مسلمان کو شدہ کر لیا جائے گا جو ہندی نسل ہے اور اگر ممکن ہو تو اس تحریک کو افغانستان تک پہنچا دیا جائے گا۔" (۲۸۵الف)

سوامی راج کمار ایشی کے نزدیک شدمی کی ضرورت اس لئے تھی کہ: "شدمی کے بغیر ہندو مسلم اتحاد ممکن نہیں" جب تمام ہندوستانی مسلمانوں کو ہندومت میں ضم کر لیا جائے گا تو ہم اپنے ارد گرد ہندو ہی ہندو دیکھیں گے، اس کے بعد کوئی بھی ہمیں آزادی حاصل کرنے سے نہیں روک سکے گا۔" (۲۸۶)

شدمی کے ساتھ ساتھ سنگٹن کی تحریک بھی شروع کر دی گئی جس کا مقصد ہندوؤں کو جنگی تربیت دے کر ان کی قوت میں اضافہ کرنا اور انہیں مسلمانوں کو نیت و تاؤد کرنے کے قابل بنانا تھا۔ بھائی پرمانند نے ہندو مہاسہا میں تقریر کرتے ہوئے سنگٹن کو ہندو قوم کے بھائے حیات کا واحد ذریعہ قرار دیا:

"سنگٹن کا تعلق جنگ سے بھی ہے، اگر جنگ نہیں تو سنگٹن کی بھی ضرورت نہیں، جو جاتی سنگٹن کی اصلیت نہیں سمجھتی، وہ اگر آج نہیں تو کل ضرور دنیا سے مٹ جائے گی۔ اگر آپ میں سنگٹن موجود نہیں تو آپ ہمیشہ جوتیاں کھاتے رہیں گے۔" آگے چل کر کہا:

"اس مرض کا ایک ہی علاج ہے اور وہ سنگٹن ہے، اس سنگٹن کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو جاتی کے لئے خون بہا دینے کو تیار ہوں۔ سنگٹن کے قہر کی بنیادوں میں فوجیوں کا خون سینٹ کا کام دے گا" اس پر کام کے لئے بھجوں کے مانند خون دینے والے سچے عاشقوں کی ضرورت ہے۔" (۲۸۷)

اس ناؤک دور میں "مسلم لیڈر خاموش تھے اور ہندو لیڈر شدمی کے نام سے مسلمانوں کو مرتد اور سنگٹن کے نام سے مسلمانوں کو زد و کوب کر رہے تھے تو یہ کانگریسی لیڈر مہاسہائیوں کے پشت پناہ تھے، انہوں نے بڑا

جس کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ تمام مسلمانوں نے اسے مذموم قرار دیا تھا۔ (۲۹۳)

تحریک خلافت و ترک موالات کی مخالفت

مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو بچانے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں اگرچہ اسے جزوی کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن کئی ذی شعور اسلام کے شیدائی اور صحیح الاعتقاد علماء کرام اور لیڈروں نے اس کی بھرپور مخالفت کی، ٹوٹی، انگریز پرستی اور ملک دشمنی جیسے بے بنیاد الزامات کی پرواہ کئے بغیر ان قائدین نے شجر اسلام کو مسٹر گاندھی کی ککڑی سے بچانے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مخالفین میں مصور پاکستان علامہ محمد اقبال، قائد اعظم محمد علی جناح، سنی علماء و مشائخ وغیرہم جیسی قد آور شخصیات شامل تھیں۔ ذیل میں ہم ان حضرات کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

پچھلے صفحات میں ہم اسلام کا لاج لاہور کو تباہ و برباد ہونے سے بچانے کے لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ چونکہ آپ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح معتدل اور مستقبل بین رہتا تھے۔

تخریب پندی اور اسلام دشمن قوتوں کے شدید مخالف تھے اس لئے بقول ڈاکٹر محمد ریاض صاحب، علامہ موصوف متقی تحریکوں کے مخالف تھے (۲۹۵) ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ ان تحریکوں سے لے کے علامہ اقبال کی وفات تک تکلیف کا زمانہ تھا اور اس میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں علماء کا ایک خاص طبقہ (کاغریں کی حمایت میں) بڑا موثر حصہ لے رہا تھا۔ اس لئے علامہ کی زد میں بطور خاص وہ (ملیت) بھی آگیا اور علامہ کے کلام میں ملا سے مراد یہی لوگ ہیں، سب علماء نہیں (۲۹۶)

تحریک خلافت چونکہ متحدہ قومیت کے کاغریں ظلم میں پھنس گئی اس لئے علامہ اقبال نے اس پر سخت تنقید کی۔ اپنے ایک خط بنام سید سلیمان ندوی میں تحریر فرماتے ہیں:

”اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا، افسوس اہل خلافت اپنی اصل راہ سے ہمت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا۔“ (۲۹۷)

عظیم الامت علامہ اقبال اگرچہ شروع میں صوبائی خلافت کمیٹی کے رکن تھے لیکن جلد ہی انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ خان نیازالدین خان کے نام اپنے خط محررہ ۱۱ فروری ۱۹۳۰ء میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: گرامی صاحب کی خدمت میں سلام علیکم عرض کیجئے، سنا ہے، وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفیٰ دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کروں، جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبران کا مقصد تھا، اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا

وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا۔“ (۲۹۸)

اسی زمانے میں علامہ اقبال کے پیچھے شیخ اجاز احمد نے دیگر نوجوانوں کی طرح تحریک خلافت میں خاصی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتا شروع کیا، ان کے والد نے اقبال سے اس کا ذکر کیا تو جواب میں فرمایا:

”۔۔۔ اس کے علاوہ خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر ہر جگہ قابل اعتماد نہیں ہوتے، وہ بظاہر جو شیعہ مسلمان معلوم ہوتے ہیں لیکن در باطن انہوں ایشیائین ہیں، اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس استعفیٰ کے وجہ اس قابل نہ تھے کہ بلیک کے سامنے پیش کئے جاسکتے تو لوگوں کو خت حیرت ہوتی۔“ (۲۹۹)

جنوری ۱۹۷۸ء میں یوم جوہر کی ایک تقریب کے صدارتی خطبے میں سید نذیر نیازی نے فرمایا:

”جن دنوں مولانا (محمد علی) جوہر نے گاندھی کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں رفاقت اختیار کر لی، ان دنوں علامہ اقبال نے مولانا جوہر سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ علامہ نے اپنے ایک خط میں مولانا جوہر کو لکھا کہ ”خبردار“ اگر آئندہ مجھے بھائی اقبال کہہ کر پکارا یا خط لکھا، تم ہندو کے بھائی بنے ہو، میں تمہارا بھائی نہیں بن سکتا۔“ (۳۰۰)

جہاں تک اسلامی غیرت و حمیت اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کا سوال ہے، مخالفین تحریک خلافت و ترک موالات اس سلسلہ میں کسی سے

رضا فوٹو سٹیشنری

ہمارے ہاں نقشبوت کی امونیا پرنٹ قیمتی دستاویزات پر سادہ اور جاپانی پلاسٹک، رنگ باندنگ اینڈ سپارٹل باندنگ، اعلیٰ فوٹو کاپی اور سٹیشنری کے لیے

تشریف لائیں (بازار سے ارزاں نرخوں پر)

رضا فوٹو سٹیشنری

1425 ڈھاکہ روڈ صدر بازار بالمقابل اسلامیائی سکول لاہور چھاؤنی 6673592

قیادت، ہر دلعزیزی، شہرت تک کی قربانی پر تیار ہو گئے۔ (۳۰۵)

مولوی حسین احمد سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کے اس رویہ پر جو تبصرہ کیا ہے اسے پڑھ کر ایک پاکستانی سوچ رکھنے والا فرد اظہار انوس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لکھتے ہیں:

”ان (قائد اعظم محمد علی جناح) کی قوی زندگی کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ وہ ناگپور کے اجلاس کانگریس تک اس کے ساتھ رہے مگر جبکہ کانگریس نے نان کو اپریشن پاس کر دیا تو علیحدہ ہو گئے، کھنٹو کے خطبہ صدارت میں سول نافرمانی کو قوم کی خودکشی قرار دیتے ہیں، اسی بناء پر اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بناء پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے موتر کے خطبہ صدارت میں ان کو ہندوستان کا دوست نہ ہونا اور فرقہ پرست بتایا تھا۔“ (۳۰۶)

اگرچہ مولوی صاحب نے تحریک ترک موالات کی خلافت کو قائد اعظم کی قوی زندگی کی کمزوری سے تعبیر کیا ہے اور ایک دوسری شخصیت کے حوالے سے انہیں ہندوستان کا دشمن اور فرقہ پرست جیسے خطایات سے نوازا ہے لیکن یہ الزامات کم فہمی، سیاست کی پیچیدگیوں سے عدم واقفیت اور گاندھی قفسہ کو برحق ماننے کی غمازی کرتے ہیں۔ دراصل قائد اعظم نے جو کچھ کیا وہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے مفاد کے عین مطابق تھا۔ بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ اگر وہ اور سنی علماء و مشائخ دور اندیشی سے کام لے کر صحیح رہنمائی نہ فرماتے تو آج ایک بامیری مسجد نہیں بلکہ بے شمار مساجد لمیٹ ہو چکے ہوتے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد گاندھی قفسہ کے قریب میں گرفتار ہو چکی ہوتی۔

قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے اعتدال پسند ساتھیوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ نہیں لیا، انہیں معلوم تھا کہ بعض جوٹیلے مولوی مسئلہ خلافت کی باری ہوئی بازی کے سلسلہ میں ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں کو احتجاج کی ترغیب دے کر گاندھی کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، ان کا خیال تھا کہ ہندوستانی عوام وسیع پیمانے پر پر تشدد یا عدم تشدد کی تھکا دینے والی آزادی کی جدوجہد کے لئے تیار نہ تھے۔ (۳۰۷)

خود خلافتی و موالاتی کارکنوں کو بھی یہ شکایت تھی کہ یہ تحریکیں جس ذکر پر چل رہی تھیں، اس سے نہ صرف خلافت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا بلکہ بہت جلد ان کے دم توڑ جانے کا بھی امکان تھا، جناب مقبول محمود صاحب اپنے ۲۶ جون ۱۹۳۰ء کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”خلافت کے متعلق جو وعدہ خلافیاں ردل یورپ کی طرف سے کی گئی ہیں، قدرتی (بات) ہے کہ ان کا ہر مسلمان کو دلی صدمہ ہو، دیکھنا یہ ہے کہ اس دلی رنج کے اظہار کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے جس سے ممکن ہے کہ ترکوں کو بھی فائدہ پہنچے، اس سلسلہ میں خلافت ڈیپوٹیشن جو خدمت سرانجام دے رہا ہے، محتاج بیان نہیں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان میں میرے مسلمان بھائی اس ایجنٹی ڈیپوٹیشن کو ایسے جاسے پتلا رہے ہیں جو نہ تو عملی طور پر

پچھے نہیں تھے لیکن ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حصول مقاصد کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ غلط تھا، اس سے فائدہ نہ ہونے کے برابر اور نقصان بہت زیادہ تھا، قائد اعظم محمد علی جناح نے دسمبر ۱۹۲۶ء میں آئل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کھنٹو سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات و احساسات اور مذہب، اعتقادات کو کم اہمیت نہیں دینی چاہئے۔“ (۳۰۸)

ترکی کی تباہی و بربادی کے بعد جب انگریزوں نے جشن صلح منانے کا اعلان کیا تو قائد اعظم نے اس میں یہ لکھا کہ شرکت کرنے سے انکار کر دیا کہ:

”جشن صلح میں شریک ہونا ناممکن ہے۔ ہم اس صلح پر خوشی نہیں منا سکتے ہیں جس کا مطلب ترکی کے جسے بخرے کرنا ہے۔“ (۳۰۹)

کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں دسمبر ۱۹۳۰ء کے آخری ہفتے میں منعقد ہوا جس میں مسلمان نمبروں کے اتفاق کے ساتھ عدم تعاون کے مقاصد میں سوراج کو شامل کر لیا گیا اور تجاویز پاس ہو گئیں لیکن بقول سید نور احمد کے:

”عدم تعاون کی تجاویز کے خلاف تقریر کرنے والے اور ووٹ دینے والے اکیلے مسٹر جناح تھے۔“ (۳۱۰)

ناگپور اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح سرکشی کی کیفیت میں تھے، وہ سوچتے تھے کہ آخر میرے ساتھیوں اور عوام کو کیا ہو گیا ہے جو ایک فرد واحد (گاندھی) کی اجماعی تقلید کر رہے ہیں، وہ ایک ایسے موقع پر گاندھی کا مقابلہ کر رہے تھے جبکہ گاندھی کے گرد ان کے مداحین نے ایک آہنی فصیل کھڑی کر رکھی تھی اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ اب زیادہ حوصلے اور جرات سے کام کرنے کا وقت آ گیا ہے، جب بھی وہ گاندھی کا ذکر کرتے تو جان بوجھ کر انہیں مہاتما کے بجائے مسٹر گاندھی کہا کرتے، لوگ پیٹنے چلاتے کہ مہاتما گاندھی کو ”مہاتما گاندھی“ کہو لیکن وہ ان باتوں کا کوئی اثر قبول نہ کرتے اور لوگوں کے شور و غل سے بے نیاز ان کو بدستور مسٹر گاندھی کہتے رہے۔ (۳۱۱)

جب کانگریس نے تحریک موالات کی تجویز منظور کی، مسٹر جناح نے اپنے اصول کے ماتحت کانگریس سے قطع تعلق کر لیا، بہت سے لوگوں کے نزدیک ان کی یہ بہت بڑی غلطی تھی لیکن وہ اپنے مخصوص دلائل کی بناء پر اپنی روش کو صحیح سمجھ رہے تھے، وہ تحریک برائے تخریب کے قائل نہیں تھے، وہ تخریب برائے تھیر کے قائل تھے، وہ کہتے تھے، سرکاری سکولوں اور کالجوں کا پانچواں آکر کراتے تو قوی سکول اور کالج کھولو، بدیشی کپڑے کا اگر مقابلہ کرانا چاہے تو سودیشی کپڑے کی لموں پر ٹیس قائم کرو، صرف چرخہ کات کر اور قاتے کر کے تم آزادی حاصل نہیں کر سکتے اور اگر یہ تجربہ کرنا چاہے ہو تو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، جناح صاحب کی روش صحیح تھی یا غلط، اس سے بحث نہیں لیکن اپنی دیانت رائے پر وہ اس درجہ مطمئن تھے کہ اپنی

میں جائیں کیونکہ یہ تمام مکاتب جمہور کے روپے سے بنائے گئے ہیں۔" (۳۸)
کونسلوں میں شرکت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے تو
یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں جو
پارلیمنٹ کے طریق پر جو جمہوریت کے اصولوں پر مبنی ہو جو آئین پسندی
اور جمہور کی رائے پر مبنی ہو تو ہمیں کونسلوں میں شریک ہونا چاہئے، کونسل ہی
ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہم ہندوستان کے مطالبات کے لئے نہایت زور
قوت سے لڑ سکتے ہیں۔" (۳۹)

کلکتہ سے مولوی محمد اکرم خان کے ایک خط مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۱ء سے
مترشح ہوتا ہے کہ قوم پرست مولویوں کی حرکات سے تنگ آکر بعض لیڈر
اور علماء ان پر برسر عام تنقید کرنے لگے تھے اور ہندوؤں سے لگے جوڑ کی وجہ
سے انہیں بے ایمان تک کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے:

"مولوی فضل الحق کے متعلق مجبوراً خامہ فرمائی کی ضرورت ہوئی۔ اب
وہ ترک موالات کے محکمہ کھلا اور بدترین دشمن ہو رہے ہیں۔ ڈھاکہ میں
ان کی کوشش ہے ایک کانفرنس ہوئی جس میں انہوں نے صدر کی حیثیت
سے جو تقریر کی ہے، کوئی برسے سے بڑا غیر مسلم دشمن بھی اس سے زیادہ
منفرد پرواز اور شرارت انگیز تقریر نہیں کر سکتا۔ اس تقریر میں آپ نے
علمائے کرام پر (جو ترک موالات کی موافقت میں فتویٰ دے چکے ہیں) نہایت
ریکھ ملے گئے ہیں، ان کو بے ایمان بتایا ہے۔" (۴۰)

جناب عبدالحمید صاحب کانگریسی مولویوں کے انکار و نظریات پر تبصرہ
کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بدقسمتی سے علماء کرام بحیثیت جماعت وقت سے مت بچھے تھے، وہ
سیاست کے میدان میں کم فہم اور نا تجربہ کار تھے، ان کا باہمی اختلاف اور کڑ
پن مشہور عام تھا۔ انہوں نے نہایت چالاکانہ طور سے رسول پاک صلی اللہ علیہ
وسلم کی کئی زندگی میں سید گمہ کی دیوانت مثال ڈھونڈ نکالی، وہ اسلام اور
ہندو ازم کو متحد کرنے کی طائفانہ کوششوں کے ذریعے (مسلمانوں کی) مقدس
جماعت کو قربانی کا بکرا بنا کر ہندومت میں ضم کر رہے تھے، انہوں نے ہندو
دیوتا کرشن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت سے ظاہر کیا اور گاندھی کو
امام ممدی علیہ السلام جیسے حشاکر کرایا انہوں نے دونوں مذاہب (اسلام

کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ترکوں کو ان سے کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکتا
ہے، چند غیر ذمہ دار مسیوں کے ہاتھوں جو گت ہجرت اور جہاد کی بنی، آپ پر
خوب روشن ہے، اب سوال عدم تعاون کے متعلق ہے، معاف رکھئے، میری
ناقص رائے میں یہ تجویز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی، سودیشی تحریک کا خیال
نہایت مبارک اور مفید ہے مگر اس سے آگے میں حیران ہوں کہ کہاں تک
جائز توقع کی جاسکتی ہے، مائتا گاندھی ایثار کے فرشتے ہیں لیکن ہم لوگ
محض آدمی، اپنی مجبوریات میں گھرے پڑے ہیں، دنیا کی کشش میں جکڑے
ہوئے ملازمین سے جو محنت کر کے ایک کتبہ کا چیت پالتے ہیں، یہ توقع رکھنا
کہ وہ نوکری چھوڑ کر بیٹھ جاویں گے، کہاں تک جائز ہے، آپ خود سوچئے،
ایسی تجاویز کا پاس ہو کر ناکامیاب رہ جانا مقصد خلافت کے لئے مضرب ہے، اس
لئے ہمیں شروع ہی سے ایسی روش اختیار کرنا چاہئے جو بھائی جاسکے۔"

(۳۰۸)

ایک اور خلافتی کارکن کشفی صاحب کے خط، جو انہوں نے مولانا
مہدالہاری فرنگی علی کے نام ۲۳ جنوری ۱۹۲۱ء کو لکھا تھا، سے ظاہر ہوتا ہے
کہ چندوں کی بھرمار کی وجہ سے مسلمان معاشی تباہی کے دہانے پر پہنچ چکے
تھے:

"یہ آپ کو معلوم ہو گا کہ خدام کعبہ کے ممبر، حزب الاحرار کے ممبر،
خلافت کیٹیوں کے ممبر اور دیگر قومی و مذہبی کاموں میں حصہ لینے والے یہ
سب ایک ہی ہیں۔ ان میں بہت کم ہی فرق ہے۔ یہی وہ ممبر ہیں جو کہ اب
خلافت کیٹیوں میں چندے دے رہے ہیں، یہی ممبر نظر بندان خلافت کی امداد
کر رہے ہیں، یہی ممبر قومی اخبارات کے خریدار ہیں اور ان کے معاون
ہیں۔ یہی ممبر اب قومی اسکولوں میں چندہ دے رہے ہیں اور یہی ممبر ہیں جو کہ
تحریک ترک موالات سے اپنی قربانیاں کر رہے ہیں۔ اب جبکہ ان کی
آدیناں ترک موالات کی قربان ہو چکی ہیں تو اب ان کی یہ حالت ہو گئی ہے
کہ وہ مجبور ہو چکے ہیں کہ ڈکوتا یا صدقہ ادا کر سکیں، اگر آپ اور تمام ملک
کے رہنما لیڈر ہند کی اندرونی حالت کا خیال کریں گے تو آپ سب کو معلوم
ہو گا کہ قومی کاموں میں حصہ لینے والے اہل ہند تباہ ہو رہے ہیں اور ان کی
آمدنیوں پر مر بندش کی لگ چکی ہے، آخر ایسا ہو گا کہ اگر لیڈروں نے ان
کا علاج نہ کیا تو کیا تو وہ اور ان کے اہل و عیال ناقوں سے مر جائیں گے یا
خودکشی کریں گے یا ڈر ہے کہ وہ قومی کاموں ہی سے علیحدہ ہو جاویں، اس
وقت فکر تو خلافت کا ہو رہا تھا، اس کا تو اب تک کوئی اصلی علاج نہیں ہوا
مگر قوم بھی اب خاتمہ کے قریب آ گئی ہے۔" (۳۰۹)

قائد اعظم محمد علی جناح کو پہلے سے ہی ان مشکلات اور بے تدبیری کا
اندازہ تھا، فرمایا کہ:

"تحریک ترک موالات ناقابل عمل ہے اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔"
(۳۱۰) مسلمان طلباء کو ہدایت قرآنی: "موجودہ سیاسی حالت پر نہایت مضرت
دل سے غور کریں اور کالجوں اور سکولوں میں سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد

اعلیٰ
تخلیص و ترویج

اور دیہی پاور اسٹیٹ
کیلئے

اشتون

سرور روڈ - صدر بازار - لاہور کینٹ

عرب سے انھما کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے۔

(۲) یہ جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومین سرنا وغیرہ کی مالی اعانت و ارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع ہمارے لئے بہم پہنچائے۔

(۳) یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک وفد بھیجا تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفد کی ذمہ داری کرے، جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ان مطالبات کے لئے گورنمنٹ کے پاس وفد بھیجا جائے۔

(۴) یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو وہ آپس میں ملے کرنے کے مجاز ہیں، مطابق شرع شریف فیصلہ کر لیں اور پھر یوں کی مقدمہ بازی سے جو فریقین کے لئے تباہ کن ہوتی ہے بچیں۔

(۵) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ جو قانون ایسا بنائے جس سے کسی اسلامی مسئلہ کو مضرت پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اس کی ضرور ترمیم چاہی جائے اور اس کی جائز کوشش اتنا تک پہنچائی جائے۔

(۶) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کو بہم پہنچانے پر توجہ دلاتا ہے جن سے مسلمان بھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

(۷) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے تاکہ مسلمان غیر مسلموں کی دستبرد سے بچیں۔

(۸) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجارت اور دوسرے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے، جس میں ماہ ماہ سال سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانت سلطنت اسلام و ضروریات اسلام میں کام آئے۔

(۹) یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت مطابق (اس وقت کے) عقائد حتمی شرعیین کے اشاعت دینے پر تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔ (۳۱۵)

سنی علماء و مشائخ کی تنقیدات و تعاقبات گاندھی کی عیاری

سنی علماء و مشائخ کا موقف یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے خلاف کوئی بھی تحریک چلانا چاہیں تو وہ اس کی بھرپور تائید کریں گے لیکن اس تحریک کا قائد کوئی غیر مسلم نہیں بلکہ ایک ایسا مسلمان ہونا چاہئے جس کے دل میں خوف خدا اور اسلام کا درد ہو، ان کے خیال میں شرعی نقطہ نظر سے مسز گاندھی کو مسلمانوں کا قائد و امام منتخب کرنے کا فیصلہ درست نہیں

اور ہندومت) کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی خاطر انہیں ایک سطح پر لا کر اسلام کی شکل مسخ کر دی۔

ایک جانب تو وہ اسلام کی نشاط ثانیہ کے مدعی اور دوسری طرف کانگریس کے وقادار تھے جس کے مقاصد زیادہ تر ہر لحاظ سے ان کے متضاد تھے۔ وہ عام طور پر تعلیم یافتہ کانگریسیوں کے ساتھ میل جول کے دوران لکھے ہوئے علم معاشرت کے فرسودہ خیالے اور اجتہاد کے بل بوتے پر طویل بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ مسلمان سوسائٹی میں، جہاں عوام الناس پر مذہب کے نام پر کی جانے والی اپیلیں خاص طور پر اثر انداز ہوتی تھیں، لازمی طور پر ان کے اثرات خطرناک تھے، کانگریسی لیڈر، بڑا اگرچہ بڑے زور شور کے ساتھ سیاست کو سیکولر بنانے کے مدعی تھے، مسلمانوں کے اندر اپنے پروپیگنڈا کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے اس پس انداز اثر کو استعمال کرنے کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتے۔ بعض اوقات ہندو اور مسلمانوں کے درمیان حاکم علیج کو قوم پرست مسلمانوں کی کارروائیوں سے پر کیا جاتا تھا، کانگریسی انہیں دست راست تصور کرتی تھی، انہوں نے کانگریس کی نمائندگی کے دعوؤں میں نمائندگی رنگ بھرا۔" (۳۱۴)

جمعیتہ انصار الاسلام کے مقاصد

سنی بریلوی علماء و مشائخ نے تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران ہندوستانی مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر ایک تنظیم قائم کی تھی جس کا نام "جمعیتہ انصار الاسلام" تھا، مذکورہ تنظیم کے ناظم مولانا حسین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے اس کے ایک اجلاس کی کارروائی روزنامہ بیہ اخبار لاہور میں شائع ہوئی تھی جو یہاں پیش کی جاتی ہے، اس کے مطالعہ سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سنی قائدین کی سوچ کیا تھی:

مقاصد

(۱) حفاظت مقامات مقدسہ و حمایت سلطنت اسلامیہ اور مظلومین ترک کی ہمدردی میں جائز و مفید کوشش کرنا اور ناجائز و نامفید راہوں سے مسلمانوں کو بچانا۔

(۲) اسلام و مسلمین کو بیرونی دشمنان دین کے حملوں سے بچانے کی حتی الوسع جائز تدابیر کرنا اور بالخصوص دشمنان اندرونی کے حملوں سے بچانا۔

(۳) مسلمانوں کو ان کے اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی مفاد کی طرف رہنمائی کرنا اور ان کو حقیقی و خالص پابندی احکام شرعی کی راہ بتانا۔

تجاویز

(۱) علماء اہل سنت اور مسلمانان بریلی کا یہ عقیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیہ

کھڑے ہوں، اپنے عقل و حواس کو معطل نہ کریں۔ اپنے ہوش و خرد کو کام میں لائیں۔ نہایت فراوانی کے ساتھ اپنے نیک و بد، اپنے انجام و مال پر نظر ڈالیں۔

ایسی بے رائی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے، کچھ کام نہیں آ سکتی، فرض کرو، آج گاندھی تمہارے موافق ہیں اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو، کل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے، تم کیا کرو گے؟ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں۔ اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہئے۔“ (۳۱۷)

خلافت کمیٹی کا نصب العین

خلافت کمیٹی پر گرفت کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل رنظرازی ہیں: ”حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ لوگ ترک موالات کا حکم شریعت سمجھ کر نہیں مانتے ہیں، یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لئے آتین خلافت کر لیتے ہیں، مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم سمجھ کر، یہی وجہ ہے کہ ترک موالات کے ساتھ ہندو سے موالات فرض سمجھتے ہیں۔ آج تمام ہندوستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف گورنمنٹ سے ترک موالات بتاتی ہے اور ہندو سے موالات، ان کی رضا میں ڈا ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے اور اس پر بیش ٹمھوں میں زور دیتے جاتے ہیں۔ اخباروں میں اس پر مضامین کس شد و مد سے لکھے جاتے ہیں اور یہ خلافت کمیٹی کا مقصود اعظم اور پلا نصب العین ہے۔ خلافت کمیٹی گاندھی کی بدولت تو وجود ہی میں آئی اور ان کے اشاروں پر تو چل ہی رہی ہے۔ پھر ہندو سے ترک موالات حرام و مکرم نہ ہو تو کیوں نہ ہو۔“ (۳۱۸)

مخالفت میں بیانات

حضرت قبلہ عالم (بیر مر علی شاہ گولڑی) قدس سرہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریسی جمعیت العلماء ہند کی بڑا کردہ تحریکات خلافت و ہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے ان کی تردید فرمائی۔ (۳۱۹)

ابو البرکات حضرت مولانا سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین جلاپور شریف رحمۃ اللہ علیہ ترک موالات اور ہجرت کی تحریکوں کو مسلمانوں کے لئے خود کشی کے مترادف سمجھتے تھے، اس لئے آپ ان سے کنارہ کش رہے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی ان سے علیحدہ رکھا۔ مسلمانوں کے لئے نہ تو آپ

حق، ”ماتما جی“ کا رویہ اگرچہ بظاہر ہمدردانہ تھا لیکن درپردہ اس کے عوامی بڑے خطرناک تھے، اس کے دل میں اسلام دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں کو زک پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ اور تحریک پاکستان کے معروف رہنما حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مسٹر گاندھی کی متفاد اور مسلم کش پالیسی کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

”ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں اور تم حق بجانب ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دوسری طرف مسٹر گاندھی لب و لہجہ بدل کر یہ فرما دیتے ہیں کہ دیکھو خیروار قانون کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا، امن عامہ میں ظلل اندازی کرنے سے باز رہنا ورنہ میں تمہارے ساتھ نہیں، جس سے گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریہ سرائی اور قانون شکنی اور امن عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہئے ہیں اور اپنے آپ کو امن عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔“ (۳۲۰)

ایک اور جگہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ”مسلمانوں نے ان مساوی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تاکہ ان کی صدا میں زور آئے اور سلطنت ان کی درخواست کان لگا کر سنے۔۔۔ مذہب کا قانونی اس کو ممنوع اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جدوجہد نواز میں رہتی۔

لیکن صورت حال کچھ اور ہے۔ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان ”آمین“ کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے ماتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا قانونی مقلد کی طرح سرنیاژ خم کرتا چلا جاتا ہے۔

پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جائیدادیں لے لیں، اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔“

”سلطنت اسلامیہ کی اعانت اور مقامات مقدسہ کی حمایت و حفاظت کے لئے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں لیکن اپنے دین و مذہب کو محفوظ رکھیں۔ اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ دے ڈالیں۔ اپنے پاؤں پر

داتا علی ہجویری ملک شہ

علامہ اقبال روڈ

جو کہ محکمہ صحتی شاہ لاہور

پریسنگ: سید محمد علی شاہ

فرائیت کے رنگ میں ڈوب جانے کو موجب فلاح سمجھتے تھے اور نہ ہی ہندوؤں کے ساتھ اندھا دھند تعال اور تعاون کو موجب خیر و برکت سمجھتے تھے بلکہ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان مسلمان کی حیثیت سے حالات زمانہ سے مکمل طور پر باخبر رہ کر اور مشکلات کا مروانہ وار مقابلہ کر کے آزاد اور خوددار ملت کی صورت میں آگے بڑھیں اور ان کا مستقل وجود ہمیشہ قائم رہے۔ (۳۲۰)

اہل سنت و جماعت کا موقف

وسط رجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیت العلماء ہند کا سالانہ اجلاس ابوالکلام آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا قرار پایا، اشتہارات میں اس امر کی نشاندہی کی گئی کہ ہم مخالفین تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت پر اتمام حجت کرنا چاہتے ہیں، اس موقع پر ”اتمام حجت تادمہ“ کے عنوان کے تحت جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی جانب سے ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار شائع کیا گیا، مذکورہ جلسہ کے انعقاد سے تین دن قبل ایک وفد نے یہ اشتہار جمعیت کے ناظم کے پاس پہنچایا۔ کافی گفت و شنید اور غلط و کثرت کے باوجود ابوالکلام آزاد اور ان کے ساتھی کئی کھڑے رہے، بالاخر علماء اہلسنت اپنے بڑاواں عقیدت مندوں کے ہمراہ جلسہ گاہ میں پہنچے تاکہ شرعی مسائل پر عوام کے سامنے رو بہ رو بات چیت کر سکیں۔ منتظمین جلسہ نے مجبوراً صرف مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف کو پیشکش منت کا وقت دیا۔ پروفیسر صاحب کی تقریر سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

”مسئلہ خلافت و تحفظ وصیات امانت مقدسہ اور ترک موالات یہ وہ مساعی ہیں جن میں نہ صرف یہ فقیر بلکہ تمام علمائے کرام نہیں بلکہ تمام عامہ مسلمین ہمیشہ متفق اہل ان ہیں۔“

”سلطنت ترکی ہماری دینی بھائی، اس پر اسلامی سلطنت، اس پر اسلام کی قوت دفاعی پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ پس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمان ہند بلکہ تمام مسلمان عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔“

”میرا و نیز دیگر علمائے اہلسنت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہرگز نہیں، ہاں اختلاف اس میں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و مکہیات کا مرتکب بناتے ہیں۔“ (۳۲۱)

”آپ حضرات نے بد اعتقاد کو موالات کا مترادف قرار دیتے ہوئے بے شمار اقوال و افعال کفر و حرام کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو اسے عین قبیل حکم الہی بتایا۔“ (۳۲۲)

”آپ نے قلعہ لگایا، گاندھی کی بے ایک دو جگہ ایک دو بار نہیں بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں بار پکاری کہ ملگھا گاندھی کی ہے، جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے، کیا قلعہ علامت شرک نہیں، کیا آپ کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ شرک کی علامت قلعہ اپنی پیشانیوں پر لگائے، آپ ہمارے سامنے سرخ و دھیرہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات ابھارتے ہیں مگر کیا

ہندوؤں نے آدھ، شاہ آباد، کنار پور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے، قرآن مجید نہیں پھاڑے، عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی، مسلمانوں کی جائیں نہیں لیں، مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں۔“ (۳۲۳)

”فرض مقامات مقدسہ و خلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں خلاف نہیں، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے، اس سے ہمیں خلاف نہیں، خلاف ان حرکات سے ہے جو آپ لوگ منافی و مخالف دین کر رہے ہیں، ان حرکات کو دور کر دیجئے، ان سے باز آئیے، ان کی روک تھام کیجئے، عوام کو ان سے باز رکھئے، تو خلافت اسلامیہ و ممالک مقدسہ کی حفاظت، ہندوستان کی ملکی مفاد کی کوششیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔“ (۳۲۴)

”مسلمان گاندھی یا کسی اور کے پس رو اور شیخ سیں ہو سکتے، کسی کے جھنڈے کے نیچے نہیں آ سکتے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم ملکی مفاد کے لئے ہمارے جھنڈے کے نیچے آ کر ہماری زیر سیادت کوشش کرے تو ہم اس سے کام لے سکتے ہیں۔“ (۳۲۵)

مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر فرمایا:

”حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر دعت و طاقت فرض ہے، اس میں ہمیں خلاف نہ ہے نہ قہا، اسی طرح سلطان اسلام و جماعت اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ قہا، تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرہم سے ترک موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ حضرات کی ان خلاف شرع و خلاف اسلام حرکات سے ہے جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمام حجت تادمہ آپ کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کے جواب دیجئے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع شائع نہ کر دیں گے اور ان سے عمدہ برا نہ ہو لیں گے، ہم آپ سے طبعہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و ممالک اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔“ (۳۲۶)

حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں سے بھی یہی تاثر ملتا ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کے سوال پر مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں تھا:

”قیامت نما نوازل (مصائب) بلاد اسلامیہ کو نہ و بالا کر ڈالتے ہیں، مقامات مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لئے طویلا سے بڑھ کر ہے، کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے، حرمین محترمین اور بلاد

ظاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خلخلو میں پڑ جاتی ہے، مسلمانوں کے دل کیوں پاش پاش نہ ہو جائیں؟ ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں؟ سلطنت اسلامیہ کی اعانت و حمایت خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔“ (۳۲۷)

۳۲۸

ہندوؤں سے موالات

حضرت قبلہ عالم (پیر مر علی شاہ گولڑی) قدس سرہ نے ہندو سے موالات کے جواز کا انکار فرمایا بلکہ فرمایا کہ یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتاً مذکور ہے۔ پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہوئی چاہئے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجع ٹھیک نہیں، نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو حلیم نہ کیا اور فرمایا کہ نقد اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے رد کیا۔ فرمایا: ذبح گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے، اس طرح آپ نے گاندھی کی تمام باتوں کو حلیم کرنے سے انکار فرمایا جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔ (۳۲۸)

تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے قوم پرست لیڈروں کی غلط اور غیر شرعی روش پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”اس زمانہ میں وہ وہ واقعات تصور پذیر ہوئے جو قیاس میں نہیں آسکتے تھے۔ شریعت مطہرہ نے تمام کفار و مشرکین سے ترک موالاة فرض کی ہے۔ کسی کافر کے ساتھ موت و محبت و داد و اتحاد روا نہیں رکھا لیکن لیڈر صاحبان آیات قرآنیہ کو عملاً ہندو کے حق میں نافذ نہیں مانتے، ان کی دوستی و اتحاد بلکہ ان کی رضا میں فتا ہو جانے کو اپنی غایت قرار دیتے ہیں (۳۲۹) اور عوام کو اسی غلط راستے پر لے چلتے ہیں جو شریعت و قرآن کے سراسر خلاف ہے، اس کے تلخ ثمرات آئے دن نظر کے سامنے آتے رہتے ہیں اور ندیدار مسلمانوں کو خون کے آنسو رلایا کرتے ہیں۔“ (۳۳۰)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:

”۱۹۳۰-۳۱ء میں جب خلافت کینیڈا کانگریس میں ضم ہو گئی تھیں، اس وقت بھی بتا دیا گیا تھا کہ ہندوؤں کی دوستی پر اتحاد خلاف قرآن، خلاف عقل، خلاف تجربہ ہے، مگر خود رائے لیڈر کب مانتے تھے۔ علمائے دین کے درپے آزاد ہو گئے۔ ان کی زندگی اور عزت کے لئے خطرے پیدا کر دئے، انہیں طرح طرح کے بتانوں سے ستم کیا، ان کے ساتھ وہ عداوت برپا ہو گئی جس سے سخت کافر کے ساتھ بھی برتا انہیں اپنی زندگی میں کبھی نصیب نہ ہوا لیکن چند سال کے تجربوں نے انہیں یقین دلایا کہ علماء برسر حق تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور ان پر اتحاد خطرناک اور تباہ کن غلطی تھی۔ آج اس اتحاد کے علمبردار مسٹر محمد علی، شوکت علی، سید حبیب اور دوسرے لیڈر ہندوؤں کی بے وقایکوں کا رونا رو رہے ہیں اور جو حضرات علماء نے فرمایا تھا“

ہو ہو ویسا ہی پا کر اتحاد کے زہریلے اثر سے دور بھاگ رہے ہیں، وہی مولوی اور لیڈر جو گاندھی کی اطاعت فرض سمجھتے تھے، آج گاندھی کو مسلمانوں کا بدخواہ مان رہے ہیں۔“ (۳۳۱)

مولانا محمد حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی احکامات میں تحریف کرنے والے رہنماؤں پر ان الفاظ میں گرفت کی:

”ہندوؤں کے ساتھ اتحاد میں بلند آہنگی کی گئیں اور جمعیت العلماء کے جری فاسقوں نے ہندوؤں سے داد و اتحاد کے جواز پر آیات پڑھنا شروع کر دیں اور آیات قرآنیہ کو اپنے دغا کے لئے بے محل پیش کیا باوجودیکہ قرآن پاک میں صراحت تھی کہ یہ اتحاد ممکن نہیں اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں تباہ کن ہے۔ یا ایہا النین امنوا لاتتخذوا بظانئہ من دونکم۔ اے ایمان والو! اپنے غیروں کو رازدارانہ بناؤ (کیا پاکیزہ اور کارآمد نصیحت تھی، کاش ہم عمل کرتے) (۳۳۲)

حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب افراد سے میل جول اور تعلقات کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”۱۔ مذہبی حیثیت سے کفار کے ساتھ محبت و داد، ربط و اتحاد، دوستی و یک دلی تو مومن سے ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہے تو وہ مومن نہیں۔

۲۔ دوسری حیثیت ضمنی و ذاتی ہے۔ یہ محبت بھی اگر اتنی ہو کہ شعائر کفر کی عزت دل سے کم ہو جائے اور شعائر اسلام کے ساتھ ان کے استہزاء پر راضی ہو تو یہ بھی منافق اسلام ہے۔

۳۔ اور اگر اس حد تک نہیں بڑھی جب بھی شان مومن کے خلاف ممنوع ہے۔“ (۳۳۳)

۴۔ مجازی اور معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کی نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ عطف، غصہ، کینہ، حسد، عداوت، نفرت حتیٰ کہ قزاقوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ محقق اشی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کی طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی متجسس رہے۔“ (۳۳۴)

الزام کا جواب

انگریز پرستی کے الزام کا جواب دیتے ہوئے تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تحوہ



شہزادی مارکیٹ دکان ۱۱۳۴
گلی نمبر ۶، خراس محلہ صدر بازار
لاہور کینٹ

کڑھائے
اور پیسکوکا
تسلیم بخش مرکز

خان زری ہاؤس

ہے کہ آپ اپنے لئے اچھا لباس بھی پہنا سکیں۔ تو دوسرے امور کا سرانجام جو اس سے کہیں زیادہ اہم ہیں آپ سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ ایک کھدر کا کرتہ پہنے کے لئے آپ ولایتی سوئی اور ولایتی مشین کے محتاج ہیں اور کیا وجہ ہے کہ کھدر کے کپڑے مشین سے بنے جائیں۔ مشین کون سی ہندوستان کی بنی ہوئی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ولایت کے کارخانوں کے مقابل ایک کارخانہ ہندوستان میں ایسے وسیع پیمانہ پر کھولا جاتا جو تمام ہندوستان کو اس کی ضرورت کے قدر بہتر سے بہتر کپڑا دے سکتا۔۔۔

جو کام مشینوں سے کیا جاتا ہے اس کو ہاتھ سے کر کے یہ امید رکھنا کہ ہم مشین والوں کو شکست دے دیں گے میرے نزدیک تو بہت ہی خام خیالی ہے۔“ (۳۳ء)

دین کی بربادی

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ نیشنلٹ لیزروں اور مولویوں کے منافی اسلام رویہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”اس دور سے پچھتر عیسائیت میں جذب ہونے کے لئے مسائل شرعیہ میں طرح طرح کی تحریفیں کی گئیں۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مطالب میں عجیب و غریب معنی آفرینیوں سے کام لیا گیا“ اس دور جدید میں ہندوؤں کے لئے وہی باتیں کی جا رہی ہیں مذہب کا بہت بڑا حصہ یورپ پر چھادور کیا جا چکا تھا جو باقی تھا وہ نہایت فیاضی سے ایک ”شریف قوم“ نے پہلے ہی قدم اتحاد پر قریان کر دیا۔ اب کہ اہل ہندو نے زبانی ہندوئی مسئلہ خلافت میں مسلمانوں سے ظاہر کی ہے ایک دو ہندوؤں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ سر دینے کو موجود ہیں ان پر کیف نعمات پر مسلمان تاسف و تہمیر سے ہاتھ مل رہے ہیں کہ اب کیا باقی رہا ہے اس کے معاوضہ میں قریان کیا جائے۔“ (۳۴ء)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کا حقیقی نصب العین دین و مذہب اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے۔ دنیا ان کے پاس دین کی رفیق اور مذہب کی خدمت کے لئے ہے۔ جب دین و مذہب ہی نہ رہا تو انھوں نے وہ سلطنت جو ایمان کے عوض ملے اور مدد یافتہ ہے اس حکومت پر جو اسلام کا خیریدہ ہے۔“ (۳۵ء)

حضرت صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”سلطنت اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدتر ہذا زیادہ شائق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے سلطنت اسلامیہ کی اعانت و حمایت خادم الحرمین کی نصرت و مدد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے اور دین و ایمان کو خیرباد کہہ دیا

دار بھیجے گئے کیا شعار اسلام کے مننے سے راضی نہ ہوتا مسلمانوں کو مراسم شریک میں جلا ہونے سے روکتا یہ خالص گورنمنٹ کا کام ہے یا اس کے علاوہ وہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کج روی اور بے راہی کی کبھی حمایت نہیں کر سکتے اس لئے وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لئے عوام کو علماء کی طرف سے بدعقین کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے اور ان کو گورنمنٹی آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جاتا کیا مشکل ہے اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے شعار مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔“ (۳۵ء)

کونسلوں کے بائیکاٹ کا فتویٰ

حضرت صدرالافاضل قدس سرہ رقمطراز ہیں:

”جمیعت العلماء ہند کے نمایاں کاموں میں ہندوؤں کے حسب خطا فتوے دینا بھی ہے، کبھی کونسل کے بائیکاٹ کا فتویٰ ہے، کبھی جواز کا جس وقت ان کے خداوندان نعمت (ہندو) کا جو خطا ہے اس وقت ان کے فتوے کا رخ اسی طرف ہو جاتا ہے۔“ (۳۶ء)

کھدر کی تحریک

حضرت صدرالافاضل قدس سرہ نے ایک تقریر میں فرمایا:

”کھدر کی تحریک پر مسز گاندھی اور ان کے ہمزوا کتنا بھی فخر کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ہندوستانوں کے حق میں سخت توہین ہے۔

حقوق طلبی کا مدار قابلیت پر ہے اور اس وقت ہندوستان کا برطانوی حکومت کے ارباب مسط و کشا سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم بہت لائق لائق ہو گئے ہیں اور ہماری قابلیت اتنی (حق) کر مچی ہے کہ اپنے ملک کا نظم و نسق ہم اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اپنا کام اغیار کی معاونت کے بغیر چلائیں اس دعوے کو کھدر کی تحریک نہایت محض اور کمزور کرتی ہے۔

ہندوستان کی شورش کا دنیا کے مذہب اور متدین ممالک میں ہرجا ہو رہا ہے جب ان کے علم میں آئے گا کہ ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لئے کھدر کی تحریک کی گئی ہے تو وہ ہندوستانوں کو کس ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ جو کپڑا ان ممالک میں جانوروں کی جھولوں کے قابل بھی نہیں سمجھا جاتا وہ اس ملک کے دعویداران حکومت و علیہرادران حریت کا لباس ہو اس سے ان کی نگاہوں میں اہل ہند کی کیا وقعت آئے گی اور ان کی قابلیت کی نسبت وہ بجز اس کے اور کیا رائے قائم کرسکیں گے کہ ابھی تک ہندوستان صنعت و حرفت سے ایسا تاہلہ اور اپنے ضروریات زندگی بچہ پانچنے سے اس قدر عاجز ہے کہ وہ ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لئے ایسا ذلیل لباس اختیار کرنے پر مجبور ہوا اور حقیقت میں اتنی قابلیت ہی نہیں

جائے جس کو ہند اپنے خیال میں غیر ملکی سمجھتے ہیں یا یہ حق کر ڈالا جائے یا دین و ملت سے مرتد کر کے غلام بنا لیا جائے اور اچھوت قوموں کی طرح کتوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ سوراج آریہ قوم (ہندوؤں) کو جان سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اپنی جانیں اس کی بحیثیت چڑھانے کے لئے تیار ہیں۔“ (۳۳۲)

سوراج حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے والے نیشنلسٹ لیڈروں اور مولویوں پر گرفت کرتے ہوئے حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

”مذہبہ زمانہ میں تحریک سوراج نہایت زور شور سے چلی اور ملک نے عاقبت بنی و دوراندیشی کو بلائے خالق رکھ کر ایک غوغا مچا دیا اور مدہوش ہو کر ایسے غیر عاقلانہ افعال کئے جن کے تلخ ثمرات اب تک اٹھانے پڑ رہے ہیں۔ سوراج کے معنی ہندو راج تھے اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو حکومت سے لڑا دینے کے لئے مورچہ پر رکھ لیا تھا۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ سے مقابلہ کے لئے جو تحریک تھی، اس کا نام عربی ترک موالات تجویز کر کے یہ بات گورنمنٹ کے خاطر نشین کرنی چاہی تھی کہ حکومت سے جنگ و مقابلہ مسلمانوں کی طرف سے ہے اور حکومت کے لئے جو تجویز کیا تھا وہ اپنی پرانی غیر رائج زبان کا لفظ سوراج تھا۔ یہ مطلب تھا کہ حکومت کے استحقاق تو ہندو اور بحیثیت چڑھانے کے لئے مسلمان، کتنے مسلمان ان ہنگاموں میں مارے گئے، کتنے اپنے اختیار سے بے روزگار ہو گئے، ان کی معاش خراب ہو گئی اور ہندوؤں نے ان کی جگہ پر قبضہ بنائے۔ طالب علموں نے اسکول چھوڑ دیئے اور پھر پلٹے چلائے ایک ہجرت کا شرشا چھوڑ کر کتوں کو بے خانماں کر دیا اور اس سوراج کی بدولت مسلمانوں نے وہ وہ ناکردنی افعال کئے کہ خدا کی پناہ، مسلمانوں کو ہندوؤں کی دوستی پر وہ اتماد تھا کہ جس کی انتہا نہیں، وہ سمجھ رہے تھے کہ سلطنت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے، وہ ایک باری کی طرح ہمارے گلے میں ڈال دیں گے لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد یہ سارا ظلم ٹوٹ گیا اور ماتحتی صدور ہم اکبر (اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں وہ بڑا ہے) اور اولاء تجوینہم و لایحیونکم (تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے) اور ان تمسکیم جستمہ تمسکو ہم وان نصیکم سنہمہ یفر حواہیہا (تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے) اس پر خوش ہیں) جو قرآن پاک نے فرمایا تھا، ہو ہو بروے کار آیا، علماء کرام پہلے بنا رہے تھے اور باوازا بلند پکار رہے تھے کہ یہ اتماد نہیں فساد ہے، دھوکا ہے، اس کا انجام خراب ہے، اس کا نتیجہ خطرناک ہے لیکن اس وقت

جائے، اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر ”بنا ہے“ درست ہے، پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو نام بنے ہوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا ذبح ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی شعائر ختم کرنے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں چٹائی پر نقشہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بٹوں پر پھول اور ریونیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ کدوؤں سے لٹکتے ہوں تو دین پر فدا کی جائیں مگر دین کو کسی سلطنت کی طرح پر برباد نہیں کیا جاسکتا۔“ (۳۳۰) ”مفسر ہنس شرما“

ایک اور مقام پر یہی محسن قوم لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کی بنیادی کمال کو پہنچ گئی، نزاری کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہو کر موافقت کی، بلاد اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلواریں چلائیں، ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلائے، اب اس خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور شتے بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برباد کرنے پر تل گئے۔“ (۳۳۱)

تعلیمی ادارے اور ملازمتیں

ابوالبرکات حضرت مولانا سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین جلالپور شریف رحمۃ اللہ علیہ تنہا رکھتے تھے کہ مسلمان علوم و فنون میں ماہر و یتما بن جائیں، اس لئے آپ کس طرح اس بات پر آمادہ ہو سکتے تھے کہ مسلمان طلباء تعلیمی اداروں سے متعلقہ کریں، در آئینا ایک مسلمان تعلیمی لحاظ سے پہلے بھی پسماندہ تھے۔ اسی طرح آپ چاہتے تھے کہ مسلمان پھر امور حکومت کو سرانجام دینے میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح بہترین قابلیت کا ثبوت دیں تاکہ وقت آنے پر وہ اپنی سلطنت کو سنبھال سکیں، اس لئے وہ ہرگز ہرگز اس بات کے ہم خیال نہیں تھے کہ مسلمان فوج، پولیس اور دیگر سرکاری ملازمتوں کا پائیکٹ کریں۔ (۳۳۲)

سوراج

آج العلماء مفتی محمد رفیع قدس سرہ سوراج کے مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سوراج کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان سے ہر اس شخص کو نکال دیا

سٹیڈیز ٹیلیز

گلی نمبر ۶۰، برار محلہ صدر بازار لاہور کینٹ

الخیاط المحشي

ہندو ذہنیت

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد منشی تاج الدین احمد تاج مرحوم ہندو ذہنیت کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کتا چلا جائے تو باورچی خانہ ٹاپاک نہیں ہوتا لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پڑ جائے تو باورچی خانہ ٹاپاک ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمان لمبے جو ٹھہرے۔ ایک ہندو طواکی کی دکان پر جا کر مسلمان ایک ذلیل بھٹی کی طرح سودا خریدتا ہے اور کسی مسلمان کی بات نہیں کہ ہندو کی کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے۔“ (۳۲۷)

اسلام پر نازیبا حملوں کا ذکر کرتے ہوئے محترم تاج الدین صاحب رقمطراز ہیں:

”پروفیسر رام دیو نے پچھلے ہفتہ آریہ سماج لاہور ”گورو کل پانی“ کے جلسہ میں ایک تقریر کی ہے جس میں انہوں نے اس بات پر بحث کی ہے کہ بلحاظ صداقت کون سا مذہب دنیا میں قائم رہ سکتا ہے اور کس مذہب کو قبول کر سکتی ہے؟ چنانچہ اس نے بدھ مذہب اور عیسائی مذہب کی حالت بیان کرتے ہوئے ”اسلام کی حالت“ کا عنوان دے کر لکھا ہے کہ ”تیسرا مذہب اسلام ہے“ اس میں شک نہیں کہ اسلام کو عیسائیت کے مقابلہ میں ان قوموں میں بہت کامیابی ہوئی ہے کیونکہ ان میں رنگت کی نفرت کام نہ کرتی مگر یہی سب کچھ نہیں مسلمانوں کا اپنا رنگ سفید نہیں، اس لئے یورپ کی مشکلات کا حل ان سے نہیں ہو سکتا چنانچہ تمام مسلمانوں کا اگرچہ یہ خیال ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے مگر مسٹر خدا بخش ایم اے جو ایک تعلیم یافتہ مسلمان ہیں اور کئی کتابیں لکھ چکے ہیں، اپنی کتاب میں قرآن بابت لکھتے ہیں کہ وہ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محض ایک ڈانٹ ہے جس میں جو جو باتیں ان کی طبیعت میں آتی تھیں، وہ درج کرنی گئی ہیں ایک اور تعلیم یافتہ مسلمان لیڈر سید امیر علی اپنی تصنیف ”سپر آف اسلام“ میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں فرشتوں کا جو ذکر ہے وہ محض حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہم اور شاعرانہ نازک خیالی تھی ورنہ قریشی درحقیقت کوئی چیز نہیں، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک بڑی غلطی کی کہ جب قریشیوں نے ان سے کہا تھا کہ ہمارے تین دیوتاؤں کو مان تو ہم تمہارے خدا کو مانیں گے تو انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے مان لیا، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قانون غم وحشی عربوں کے لئے اچھے تھے۔ میں بھی مانتا ہوں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم نے عرب کے وحشیوں کی حالت کو بہتر سدھارا مگر اب وہ بعد از وقت ہیں اور آج کل سائنس کے معاملہ میں ان کی گنجائش نہیں۔“ (۳۲۸)

آگے چل کر کہا:

نہ تنہا علماء کی مخالفت کی جاتی تھی بلکہ ان پر تہرا کیا جاتا تھا، ان سے عداوت کی جاتی تھی، انہیں ہر طرح ستایا جاتا تھا، ان کی ایذا رسانی میں کمی نہیں کی جاتی تھی، لیکن زمانہ نے کروٹ بدلی تو ظاہر ہو گیا کہ ہوا وہی جو وہ فرماتے تھے، اس خوبصورت دکھل پر دے کے پیچھے وہی خونخوار درندے نکلے جن سے علماء ڈرا رہے تھے، ایک ایک بات ان کی حق ثابت ہوئی اور آج آپ دیکھ لیجئے کہ وہ سوراخ کیا ”میتھیں“ لا رہا ہے، وہ ہندو جن کے عشق میں آپ مر رہے تھے اور جن کے اتحاد پر آپ مر رہے تھے اور جن کے اتحاد پر آپ مفروز تھے، مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں، ان کو کسی درندے سے کسی جانور سے کسی دشمن سے وہ عداوت و عناد نہیں ہے جو مسلمانوں کے پچ پچ سے ہے۔ وہ مسلمانوں کو بدعتی کر کے ملک کو تنہا اپنے لئے خالی کر لیتا چاہتے ہیں، اتحاد کے دعوے کرنے والے لیڈروں میں سے کوئی بھی اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے آگے بڑھا، ہندوؤں کو اس بھٹکاری سے باز رکھنے کے لئے گاندھی اور ان کے ہمنواؤں نے کوئی بھی قدم اٹھایا اور کچھ بھی کارآمد کوشش کی، یہ کچھ نہیں لیکن اتنے نقصان اٹھا کر ”میتھیں“ جمیل کر اب مسلمان کہجے کہ وہ سوراخ ہندوؤں کا راج اور مسلمانوں کے لئے آفت و آزار تھا۔ مگر بعض طماع بعض خود غرض چاہ پند بعض قوم فروش اب بھی اپنے سر میں سوراخ کا سودا رکھتے ہیں، مسلمانوں کو اپنے عقیدے کا بلند آہنگی سے اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم سوراخ (ہندو راج) کے مخالف ہیں، اس کو اپنی ہلاکت سمجھتے ہیں، کوئی بھی سوراخ کا حامی ہمارا نمائندہ اور ہمارا ترجمان نہیں۔“ (۳۲۹)

خليفة یا سلطان

حضرت قبلہ عالم (پیر مر علی شاہ گولڑوی) قدس سرہ اور بعض دیگر علماء راجن تری سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی کھل جھڑپی اس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک ان کی انتھاب پند جماعت نے برسر اقتدار آکر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ (۳۳۰)

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا ارشاد تھا کہ صحیح حدیث کی رو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تین برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہو گئی تھی، جس کے لئے حدیث شریف میں ”مقصودیت“ اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ اگر مذہب اسلام ایسی سلطنت کو خلافت جاری ضروریہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یزید ابن معاویہ اور منصور عباسی بھی سلاطین جاہلہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے اور حضرت امام حسین اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما جو ان کے حکم سے شہید کئے گئے، معاذ اللہ باقی کلاں گئے۔

(۳۳۱)

ہوں ہوا کریں گے" (۳۵۳)

ہندوؤں کو ممبر بنی پر بھانے کی جہالت کرنے والے قوم پرست لیڈروں اور مولویوں پر گرفت کرتے ہوئے پروفیسر مولوی سید محمد سلیمان اشرف رقمطراز ہیں: "مسلمانو! ذرا انصاف سے کام لو" تم نے مساجد کی کیسے بے حرمتی اپنے ہاتھوں سے کی ہے۔ کیا مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ جس و ناپاک کام مسجد میں جانا شرعاً حجت ممنوع ہے۔ اہل ہندو کے مذہب میں بجز مسلمانوں کے وجود کے اور کوئی شے نہیں، علاوہ نجاست کفر و شرک کے وہ دیگر نجاست ظاہری سے آلودہ رہتے ہیں اور انہیں تمام مساجد میں لے گئے۔ ممبر یا کبیرہ جو ساری مسجد کا ایک ممتاز مقام ہے اس پر تم نے ہندو کو جگہ دی۔ تبلیغ و ہدایت کے لئے ان سے مصر ہوئے "ذہ ایمان کو سامنے رکھ کر کتنا کہ ممبر کس کی جگہ تھی اور اس پر سے کس کی ہدایت تلقین و تبلیغ بلند ہوئی تھی اور تم نے اس عقلیت کو کس بیدردی سے پامال کیا" ہندو مساجد میں توحید کی آواز سننے اور شرک کا اعمال کی خطاکاری سمجھنے اور ہدایت پانے کے لئے اگر جاتے یا لے جاتے جاتے تو سو اور خطاکاری کا ایک بمانہ بھی تھا لیکن خاص خانہ خدا اور توحید کے مکان میں مبلغ کی حیثیت سے ہندو کو سر بلندی بخشا اس صدمہ کے مدعیان اسلام کا خاصہ ہے۔"

(۳۵۳)

جیلانی

بلا اسٹک

بلا اسٹک کی دنیا میں مت ابل اعتماد

اور جب نامہ پچانا نام

جاوید انٹرنیشنل ریسٹورنٹ لمیٹڈ

۱۹۲- بی ٹمبر مارکیٹ راوی روڈ لاہور
فون: ۲۰۴۲۶۳ - ۲۰۴۲۶۴ - ۲۰۴۲۶۵
فون: ۸۶۴۸۵۶

قریبیک اسلام بھی اب ایک ذات ماضی کا مذہب ہو گیا اور نئے تعلیم و تہذیب کو تیلی نہیں دے سکتا۔ اس کے آخر میں آپ نے فرمایا: "ایک دھرم تمام دنیا کی مشکلات کو حل کر سکتا ہے اور اس کا پرچار کر کے ہم دنیا میں سوراہے ہی نہیں بلکہ چکر دہتی راج حاصل کر سکتے ہیں۔" (۳۴۹)

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی محمد فہیم الدین مراد آبادی، مسلمانوں کے حلق ہندوؤں کی سوچ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خلافت کبھی کے زمانہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے اشاروں پر کیسی جاننازیاں کیں مگر ہندوؤں کی طرف سے جو سلوک ہوئے وہ آہ، شاہ آباد، کٹنا پور وغیرہ کے واقعات سے ظاہر ہیں، ہندوؤں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ان کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی محبت پیدا ہو سکے گی، واقعات کی تکذیب اور خیال خام ہے۔ ہندو اپنا دھرم تو آہنا بتاتے ہیں لیکن مسلمانوں کے خون کے پائے ہیں۔" (۳۵۰)

مساجد اور ہندو

محترم مفتی تاج الدین احمد تاج مرحوم کا بیان ہے کہ: "ال آباد کی ہستی سو کھرمیں بھٹ ہندو نے ایک بوڑھے مسلمان کو اذان دے کر نماز پڑھنے سے روکا اور جب وہ نہ رکا اور حسب عادت قدیم اذان دیتا رہا تو اسے زور کوب کیا گیا اور اس سختی کی وجہ یہ بتائی کہ ہمارے دیوتا اذان سے ناراض ہوتے ہیں" (۳۵۱)

تاج الدین صاحب ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: "سورت میں ایک پرانی مسجد کو جو سمار حالت میں تھی، میونسپلٹی نے پاخانہ بنانا چاہا، مسلمانوں کو خبر ملی تو انہوں نے مسجد کی زمین خرید لی چاہی بلکہ روپیہ بھی داخل کر دیا مگر ہندوؤں نے یہ درخواست نہ منظور ہونے دی۔ پھر ایک واقعہ بھڑوچ کا ہے، وہاں ایک ہندو ہر گوند داس بی اے ایل ایل بی وکیل نے مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد کا واسطہ دیکر اپنا طرفدار بنالیا اور کہا کہ میں آپ کے مذہبی بنیاد کا بیشہ خیال رکھوں گا، چنانچہ جب مسلمان ممبروں کے دعوؤں کے حلق آپ میونسپلٹی بھڑوچ کے پریذیڈنٹ ہو گئے تو چھوٹے ہی ایک مسجد کی کوفتیاں خریدنے کا رزلوشن کمیٹی سے پاس کرادیا" (۳۵۲) ضمیمہ ۱

ہندوؤں کے عزائم کا ذکر کرتے ہوئے محترم تاج صاحب تحریر فرماتے ہیں: "۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو آریہ سماج دھرم والی لاہور گورنمنٹ کالج کی ایک پروفیسر رام دیو نے اپنے شر انگیز اور خونی پیکچر کے دوران میں اس طرح بیانیہ دہشت گردیوں اور منصوبوں کا اہتمام کیا۔

"آج ہمارے لئے خوشی کا دن ہے کیونکہ آریہ سماج کی اس دن فتح ہوئی ہے، تاریخ کے ورق گردانو گے تو دیکھو گرو گوند سچھ کو مسلمانوں نے کیسی شکستیں پہنچائیں، پھر انہیں مسجدوں کے گردوارے بنائے گئے، اسی طرح ایک زمانہ آنے والا ہے کہ تمام مسجدیں آریہ مندر بنائی جائیں گی اور ان میں

غیر شرعی حرکتیں

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف غیر شرعی حرکتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”مسلمان خود منہلوں میں گئے، مساجد چھوڑ کر وہاں نمازیں پڑھی گئیں، دعا مانگی گئیں، کیا بت خانہ میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے یا منہم خانہ میں دعا مقبول ہوتی ہے؟ اس سے زیادہ ستم تم نے یہ کیا کہ ہندوؤں نے نہیں چندن کا ٹیکہ لگایا، تمہاری جمین توحید پر شرک کا قبیحہ کھینچا گیا، ستیا گرہ کے دن مسلمانوں نے گاندھی کے علم سے روزہ رکھا۔ یہ سارے مظالم مسلمانوں نے پاک مذہب اسلام پر اس لئے نازل کئے کہ ناراضگی روٹ مل پر مسلمانوں کا متعلق انسان ہونا ثابت ہو جائے۔ ابھی تک خلافت کینیٹی کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی۔ ہندوؤں کا زبانی ترانہ ہمدردی آپ کے کانوں تک پہنچا بھی نہیں تھا لیکن جوش اتحاد پر ان آپ کو مرکز توحید سے بعید کر رہا تھا اور جذب کی کشش ہر لمحہ قوی تر ہوتی جاتی تھی۔ پچکے پچکے خاص حلقوں میں اہل ہند کے ساتھ عقد نکاح کی گفتگوئیں شروع ہو گئیں۔ آج سے چار برس قبل ایک روشن خیال لیڈر نے ایک تحریک صریح نص قرآن کے خلاف پیش کی تھی، اب اس کی تائید میں آوازیں اٹھنے لگیں لیکن وحشت عوام کا لحاظ کرتے ہوئے مناکحت کی صدا دھیمی اور محدود حلقہ میں رکھی گئی۔ وید الہامی کتاب تسلیم کر لی گئی۔ کرشن جی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب مان لیا گیا، ثبوت میں رسالہ لکھا گیا، اشاعت کے لئے عوام کا ذرہ ایمان و اسلام ابھی مانع ہے۔ اس طرح پہلے ہی قدم پر مسلمانوں نے اپنے ملکی بھائیوں کو مشرکین اور بت پرستوں کی صف سے نکال کر اہل کتاب کی صف میں لا کر داخل کر دیا۔ علی الاعلان بار بار نہایت پر زور الفاظ میں یہ اقرار کیا گیا کہ سب سے پہلے ہم ہندوستانی ہیں، اس کے بعد جو کچھ بھی ہیں، سوچیں، مادر وطن کا خطاب ملک ہند کے لئے اور فرزند سپوت کا لقب اپنی ذات کے لئے مسلمانوں کا ٹیکہ کلام بن گیا“ (۳۵۵)

”بدایوں چیمے شر میں ایک جلسہ منعقد ہوتا ہے، ایک معزز ہندو یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ اس سال رام لیلہ مسلمان بدایوں متائیں اور عرم میں تعزیر داری ہندو کریں گے، کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی جو کھڑے ہو کر اس کی شاعت از روئے مذہب بیان کرتا، ہولی کے موقع پر خوب مسلمانوں نے ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ صیغہ اللہ و من احسن من اللہ صیغہ، یعنی اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے“ اسے چھوڑ کر ہولی کے رنگ سے کھڑے رہ گئے گئے“ (۳۵۶)

تخریبی کارروائیوں کا مقابلہ

جن قوم پرست لیڈروں اور مولویوں نے مسٹر گاندھی کی آواز پر لبیک

کہا، وہ شب و روز اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے، انہوں نے حصول مقصد کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا، یہاں تک کہ جن محترم شخصیتوں نے مسلمانوں کے مفاد کی خاطر گاندھی کی ہاں میں ہاں ملائے سے گریز کیا، انہیں من گھڑت الزامات لگا کر اپنے ہندو ساتھیوں کی مدد سے نہ صرف بدنام کیا بلکہ ان کے جہلوں کو درہم برہم اور قاتلانہ حملہ کرنے کا تاگوار فریضہ بھی سر انجام دینے لگے، علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی راوی ہیں۔

”والد قبلہ (سیدی علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے، حالت اس درجہ اتر چکی کہ والد محترم مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور مجھے ہندو و مسلم اتحاد کی مخالفت کی وجہ سے گالیاں دی جاتی تھیں، انگریز کا ایجنٹ کہا جاتا تھا، علماء اہلسنت کے جہلوں کو درہم برہم کرنے کے لئے سازشیں کی جاتی تھیں۔ ایک دفعہ جامع مسجد آگرہ کے ایک گوشہ میں کانگریس کی تردید کے لئے منصفہ جلسہ میں حضرت امام اہل سنت (والد محترم) علیہ الرحمۃ تقریر فرما رہے تھے اور دوسرے گوشہ میں ہندو مسلم اتحاد کے حق میں کانگریسی علماء کا جلسہ تھا، کانگریسیوں نے مسجد کے دروازہ پر شد کی کیموں کے ہتھ کو چھیڑ دیا تاکہ ہمارے جلسہ میں افزائش پھیلے، شد کی کیمیاں جھینسا کر ہمارے جلسہ پر حملہ آور ہونا ہی چاہتی تھیں کہ میں نے اعلان کیا کہ سب مسلمان جیسی اللہ و نعم الوکیل کا ورد کریں، چنانچہ اس وعظ کا ورد کیا گیا تو اللہ کی شان، شد کی کیمیاں کانگریس کے جلسہ کی طرف لوٹ گئیں اور ان کا جلسہ درہم برہم ہو گیا“ (۳۵۷)

مولانا ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے تکیہ اور مشہور ادیب مولانا حافظ مظہر الدین صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

”جن دنوں ہندو مسلم اتحاد کا غلطہ تھا، ہمارے بڑے بڑے لیڈر بمک گئے تھے لیکن سید صاحب اور ان کے بزرگوں نے استقامت کی راہ ترک نہ کی، پوری قوت سے اس تختے کا سد باب کیا، اسی سلسلے میں آپ پر پتھر سے حملہ بھی کیا گیا، آپ زخمی بھی ہوئے لیکن اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا“ (۳۵۸)

ہندے ماترم، گاندھی کی جے وغیرہ پر فتویٰ

ایک سائل نے علماء کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ آیا مسلمانوں کو اس قسم کے ہندوانہ نعرے (ماترم گاندھی کی جے، بھارت ماتا کی جے، ہندے ماترم) لگانے جائز ہیں یا نہیں، اس سوال کا پہلا جواب مفتی محمد کفایت اللہ نے دیا، انہوں نے ایسے نعرے لگانے کے جواز میں فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ وہ اس الجھن میں نہ پڑیں بلکہ اس سوال کا دوسرا جواب مفتی اعظم حضرت شاہ مظہر اللہ علیہ الرحمۃ نے عنایت فرمایا، حضرت موصوف نے مفتی محمد کفایت اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا، وہ

مومنانہ بصیرت اور قیادت مہارت کا شاہکار ہے۔ ذیل میں اس تاریخی فتوے کو پیش کیا جاتا ہے:

”گاندھی کو ممانا کہنا اور اس کی فتح کے سرب لگانا شرعاً ناجائز و حرام ہے کہ ممانا کے معنی ہیں روح اعظم اور بدن کا اطلاق قرآن پاک میں جان پر بھی آیا ہے اور وحی پر بھی اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و ملیہ السلام کو بھی یہ لقب عطا ہوا ہے اور حضرت جبرئیل علی نبینا و ملیہ السلام کو بھی۔ پس ان معانی والقباب پر نظر کرتے ہوئے اس کے یہ معانی ہوں گے کہ تمام جانوں میں بڑی جان بلکہ حق تبارک و تعالیٰ کی دنیوں میں بڑی وحی یا حضرت عیسیٰ و حضرت جبرئیل علی نبینا و ملیہ السلام سے بلند مرتبہ۔ اب مسلمان خود ہی غور کر لیں کہ جس لفظ کے یہ معانی ہوں اس کو ایسے شخص کے لئے جس کو خصوص تعلیم میں ذلیل سے ذلیل بنایا گیا ہو کیونکر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کفار کی شان میں ارشاد ہوا: ان یصفو کم یمکونوا لکم اعداء و یسطوا علیکم الیہم و السنتہم بالسوء و دوائو نکفون (یعنی اگر کفار تم پر قابو پا لیں گے تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تم پر دست درازی اور زبان دوری کریں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ (ان کی مانند کسی طرح) تم بھی کافر ہو جاؤ) چنانچہ اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جب کبھی بھی ان کو قوت میر آئی، مسلمانوں کو تباہ کرنا ان کا پسند فرما رہا۔ اسی تحریک میں ملاحظہ کر لیجئے کہ باوجودیکہ ابھی کاسمیائی کی جھٹک بھی نہیں دکھائی دی ہے لیکن ابھی سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ گاندھی کی ہے کہ مقابل اللہ اکبر کے نمبر نہ لگاؤ، وہ زمانہ گزر گیا جس میں ہم خاموشی کے ساتھ یہ نمبر نہ لگتے رہے، اب آپ نہیں لگا سکتے، دو روز ہوئے کہ جمعیت افغانہ چوموں (براست ہے پور) کا ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے بکھرے بیٹیاں بننے کی استدعا کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ یہاں کے مشرکین عام طور پر غدار کی چوٹ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اب تو کلمہ ہمارے رو برو نہیں پڑھ سکتے، وہ دن دور ہوئے جب وہ ایسے نادان اور بوسے تھے کہ اس کلمہ کے سننے کی تاب لا سکتے تھے، اب ان کو سمجھ آگئی، یہ کلمہ تو ہندو دیوتاؤں کی شان میں گستاخی ہے، اس کو پکارنا ہے، تو کہہ دینے چلے جاؤ، ہمارے دل میں اس کا کیا کام انتہی بالظلم اب شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تمام ہندو کے اقوال نہیں، ان کا کیا اعتبار تو پھر ذمہ دار کا قول لیجئے، رسالہ شدمی سا چار میں بھارت شدمی سما (دہلی) کے جزل سیکرٹری نے شدمی اور سوراج کے نموان سے جو مضمون لکھا ہے اس کا ترجمہ بعض اخبارات نے چھاپا ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں:

اللہ اکبر کے معنی بدعت ۶

”ہمیں تو جہاں حصول سوراہیہ کے میدان میں لڑائی کرنا منظور ہے وہاں ہم ان دھوکہ دے کر قتل کرنے والوں اور ہڈی لیروں سے بھی اپنے گھر کی حفاظت کریں گے جو سر ڈال کر، چھپ کر ہمارے گھر میں نقب لگانے کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ فرض اس حالت کو دیکھتے ہوئے اس تحریک کی فتح یابی (کہ وہی گاندھی کی فتح ہے) کے لئے نعرے لگانا اپنی بربادی پر نعرے لگانے کے معنی میں ہو گا اور یہ یقیناً حرام ہے۔

بھارت مانا کی ہے اور ہندے ماترم کے معنی اگر صرف مادر ہند کی فتح ہی کے ہیں، تب بھی چونکہ یہ مشرکین کے خاص قوی نعرے ہیں اور ان کے شعار سے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو ان نعروں میں بھی شرکت کرنا شرعاً جائز نہیں۔“ (۳۵۹)

سلطان ترکی کی معزولی پر رد عمل

مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”اگرچہ چرچہ پر نور مابتاب صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرمیاں چھائیں اور روئے آفتاب حق پر باطل کی سخت بمیاںک اور خوفناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراؤنی بدلیاں آئیں مگر ہمارے قلوب مضبوط تعالیٰ مطمئن تھے۔ ہم سمجھتے ہوئے تھے کہ یہ بھی کچھ روز کی ہوا ہے جو دم میں ہوا ہے، آخر کار وہی ہوا جس کا ہمیں شہت سے انتظار تھا، وہ دن آ ہی گیا، وہ تیرگی دور اور تاریکی کافور ہوئی اور حق کا جھلکاؤ، چمکاؤ دکھا پر نور چہ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتا نکلا اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور ہم نہ سکا۔ پتا توڑ بھاگا، کب تک باطل حجاب حق کو چھپاتے؟ تاکہ جوئے نقب صدق کی آڑ کر سکتے۔؟ آخر حق کی شاعروں نے ان باطل پردوں کو خاکستر کر ہی دیا۔ جوئے نقابوں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلیہ جھانک رہا دکھا ہی دیا۔“ (۳۶۰)

سنی بریلوی علماء و مشائخ اور انگریز

محمد اسماعیل پانی پتی رقمطراز ہیں:

”جنگ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے جو عقیدہ ”حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے



نزد عزیز مارکیٹ
صدر بازار
لاہور کینٹ

احمد کلاتھ ماؤنٹ

شامل کرنے کی کوشش کی جس جس والہی ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے۔ (۳۲۲)

حضرت مولانا غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۷۹ء میں اورینٹل کالج میں عربی کے نائب استاد مقرر ہوئے اور دو سال تک طلباء کو علم و فضل سے فیضیاب کرتے رہے، انہی دنوں انگریزوں کو ایک فتوے کی ضرورت پیش آئی، حدیث علماء نے صاف انکار کر دیا۔ کالج سے متعلق علماء سے رجوع کیا گیا تاکہ وہ تحفیہ خوار ہونے کی بناء پر انگریز کے خفاء کے مطابق فتویٰ صادر کر دیں، مولانا غلام قادر بھیروی کے سامنے دھمکا کرنے کے لئے فتویٰ پیش کیا گیا تو انہوں نے استعفیٰ پیش کر دیا اور فرمایا:

”میں ملازمت سے دستبردار ہو سکتا ہوں لیکن غلام فتوے کی تائید نہیں کر سکتا۔“ (۳۲۷)

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دیار میں شمولیت کے لئے مذہبی چٹواؤں کی سلگ میں حضرت قبلہ عالم (پیر سید مرعلی شاہ گولڑی) قدس سرہ کو بھی دعوت نامہ موصول ہوا۔ آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے، حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے کیونکہ آپ صرف ہند و پنجاب کے ہی مذہبی چٹوا نہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیر و مرشد تھے۔ کشر دالپنڈی نے پہلے ایک چٹان مجسٹریٹ ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکنہ خضہ گورانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کو سز میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، آپ کے لئے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کر دیا جائے گا اور صرف ایک دن کے لئے جبکہ شیشماہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے، آپ کو دیار میں جا کر اس کے حق میں دعا کرنا ہوگی مگر حضرت رضامند نہ ہوئے اور کشر کی روپکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی حاضری دیاروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ (۳۲۸)

حکومت پنجاب کی طرف سے برطانیہ کے ملک معظم سے استدعا کی گئی کہ سیال شریف کے روحانی و دنیاوی مقام و مرتبہ کے پیش نظر اس کے حجاجہ نشین کے لئے ”ہنزول نس“ کا خطاب پیش کرنے کی منظوری دی جائے۔ یہ خطاب سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا مذہبی اعزاز تھا جو امت کم مذہبی راہنماؤں کو دیا گیا تھا۔ ملک معظم سے منظوری حاصل ہو گئی تو ایک سرکاری چھٹی کے ذریعہ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی، کوئی اور ہو، تو فرما سرت سے اچھل پڑا مگر یہاں تو انگریز کو حضرت خواجہ شمس العارمین کے خانوادہ روحانی کے چشم و چراغ سے سابقہ پڑا تھا، حضرت خواجہ صاحب کو کوئی وہ ملا، آپ نے پڑے پڑے کر کے اس کو بذراقتش کر دیا اور کمال جلال عارفانہ سے ارشاد فرمایا:

”مجنون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور پیر پٹھان حضرت شاہ سلیمان تونسوی (نور اللہ مرقدہ) سے وابستگی میرے لئے سب سے بڑا اعزاز

حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔“ (۳۲۹)

نواب محمد صدیق حسن خاں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”زمانہ غدر میں سواروں اور تنکوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے مسئلہ پر مہر کرائی، فتویٰ لکھا، جس نے انکار کیا، اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر لوٹ لیا، سو وہ مہر کرنے والے اور فتویٰ لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے جو اہل سنت اور اہل حدیث کو زبردستی وہابی نام رکھتے ہیں۔“ (۳۳۰)

ہفت روزہ ”اقدام“ لاہور نے سنی علماء و مشائخ کی جانبازی کا یوں اعتراف کیا ہے:

”شاہراں فرنگ نے جب مسلمانوں کے آخری جانباز مجاہد سلطان شیخ شہید علیہ الرحمۃ کو اپنے راستے سے ہٹایا تو اب علمائے بریلی کے جانباز مجاہدین کے سوا ان کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا“ اس لئے کہ علماء دیوبند انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے مخالف تھے۔“ (۳۳۱)

امام احمد رضا فاضل بریلی کے پسندیدہ اور محبوب نعت گو شاعر مولانا کفایت علی صاحب کافی رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت و ہمدردی کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الرحمن تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا کفایت علی کافی صاحب علم و فضل اور حمہ و نعت کے شاعر تھے، جب سن ستاون (۱۸۵۷ء) میں غیر ملکی حکومت کے خلاف قدم اٹھائے گئے تو انہوں نے بھی مسند علم اور بزم سخن کو چھوڑ کر جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لیا۔ انگریزوں نے جب مراد آباد پر قبضہ کر لیا تو دیگر مجاہدین کے ہمراہ یہ بھی گرفتار ہوئے اور انہیں پھانسی کا حکم ہوا۔“ (۳۳۲)

ہند و پاک کے عظیم نقاد و دانشور ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی سرکردگی اور مہمگرائی میں پنجاب یونیورسٹی کے عظیم منصوبے ”اردو دائرہ معارف اسلامیہ“ میں مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بڑی انصاری نے لکھا ہے: ”۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مولوی فضل حق نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا پائی۔“ (۳۳۵)

مشہور مورخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں: ”وہ (علامہ فضل حق خیر آبادی) انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو نکالنے کے لئے ہر محکم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے، چنانچہ غدر جب شروع ہوا تو مولانا بے تامل شریک ہو گئے، وہ بہادر شاہ کے ”مست“ ”مقرب“ اور ”مشرع“ تھے، ان کے دیار میں شریک ہوا کرتے تھے، انہیں اہم معاملات و مسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے ساعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دیس سے عیشہ عیشہ کے لئے رخصت ہو جائیں، مولانا نے غدر میں دلیری اور جرأت کے ساتھ علانیہ حصہ لیا، انہوں نے متعدد وایمان ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں

ہے اس اعزاز کے ہوتے ہوئے دنیا کا ہر اعزاز میری نظروں میں نیچ ہے۔“ (۳۶۹)

انگریز پرستی کے الزام کا جواب

سنی علماء و مشائخ پر انگریز پرستی کے الزام کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا، اگرچہ الزام لگانے والوں کو بھی یہ علم تھا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے لیکن چونکہ ان کے پاس علماء کے ٹھوس دلائل کا جواب موجود نہیں تھا اس لئے انہیں مجبوراً غلط بیانی سے کام لینا پڑا، مولانا حامد رضا خان نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

”حالفین تحریک خلافت و ترک موالات کو گورنمنٹ کا آدمی اور ترکوں کا بدخواہ کہا گیا، تقریروں میں، تحریروں میں ان پر پھبتیاں بھیجی گئیں، آوازے کے گئے، پبلک کو ان کی مخالفت پر ابھارا گیا، ان کی عاقبت نگ کر دی گئی، ان کی زندگی تلخ کر ڈالی گئی، ان پر طرح طرح کے بہتان باندھ کر ان کی آبروریزی کی، کوششیں کی گئیں۔۔۔ انگریزوں کے مقابلہ کا تو نام مگر مخالفت علماء سے تھی، مسلمانوں کے کالجوں اور سکولوں سے تھی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تھی، خان بہادروں پر لعنتیں تھیں، آنریری مجسٹریٹوں پر تہرے تھے۔“ (۳۷۰)

تحریک خلافت کے ہندوستانی زور و شور، پھر اس کے المناک انجام پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی بریلوی کے صاحبزادے مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری تحریر فرماتے ہیں:

”انسان کو چاہئے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس کے مال و انجام پر نظر رکھے جس کا آخر حسن ہو، اسے اختیار کرے ورنہ نہیں، تیہ سو برس کے اجماعی اتفاقی مسئلہ میں اختلاف کا حاصل سوائے مشیت و افتراق بین المسلمین اور کیا تھا؟۔۔۔ ترکوں کو تو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچا، ہاں اختلافات مسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔“ (۳۷۱)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”کچھ فائدہ تو نہ پہنچا سکے، ہاں مسلمانوں اور خود ترک بھائیوں پر امن و طمن کی پوجھاڑ کا ایک حربہ نصاریٰ کے ہاتھ میں دے دیا (انگریز طعن دیتے کہ مسلمانوں ہی نے خلافت ختم کر دی)۔۔۔ لیڈر تو ہم غراء اہل سنت کو نصاریٰ کا طرہ دار و رشوت خوار اور ترکوں کا دشمن بناتے تھے، اگر نگاہ انصاف ہو۔۔۔ تو آنکھیں کھولیں۔“ (۳۷۲)

سنی علماء و مشائخ کا کردار، مسلم زعماء کی نظر میں

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے شیخٹ مولویوں اور لیڈروں کی اس کم فہمی کی نشاندہی کی ہے کہ وہ ہندوؤں کے خیر خیرناک منصوبوں اور سازشوں کو سمجھنے سے قاصر رہے جبکہ سنی علماء و مشائخ اور اعتدال پسند راہنما ان

کارروائیوں کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”یہ حضرات (قوم پرست مولوی اور لیڈر) شدت جذبات میں آکر اس چھپی ہوئی تحریک کو عموماً نظر انداز کر جاتے تھے جو ہندوؤں کا ایک گروہ اندر اندر سے چلا رہا تھا۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا ایک، موثر طبقہ کانگریسی اور خلافتی مسلمانوں کی اس روش کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔“ (۳۷۳)

ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف کی امام احمد رضا قاضی بریلوی قدس سرہ سے عقیدت اور ہندوؤں سے نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”مجھے مولانا سید سلیمان اشرف سے تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی حاصل رہا اور میں دیکھتا کہ وہ اکثر حضرت مولانا (احمد رضا خان قاضی) بریلوی کا ذکر خیر بھیج دیتے۔۔۔ غیر اسلامی شعائر کی مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے مطلق سخت کیے رویہ، مشرکین کو بخش سمجھنا اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی براہت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔۔۔ کانگریس اور گاندھی کے خلاف شدید مذمت اور بے زاری کا رویہ جس طرح مولانا بریلوی نے اختیار کیا تھا، بینہ دی چیز سید صاحب میں پائی جاتی تھی۔“ (۳۷۴)

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے خیال میں صحیح موقف وہی تھا جو پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا تھا۔ لکھتے ہیں:

”۱۹۳۱ء کا زمانہ ہے، نان کو آپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔۔۔ ”مکائے کی قربانی“ اور ”موالات“ پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ (پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف مرحوم) کہتے تھے، رشید! دیکھو علماء کس طرح لیڈروں کا کھلوتا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقیہی مسائل کو کیسا گھونڈا بنا رکھا ہے۔۔۔ بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اٹھایا اور دن رات قلم برداشت لکھتے رہے، اکثر بٹھا کر سناتے اور رائے طلب کرتے، میں کہتا، مولانا

جینٹل سیشن

الحیات السبیل

دہلی روڈ ○ صدر بازار ○ لاہور چھاپانی

میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں حکاکہ کر سکوں، آپ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی کہتے ہوں گے، کہتے، یہ بات نہیں ہے، تم پر اس بڑم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی ہوں ہی ہانکا ہوں، یہ بات نہیں ہے، ہم تم زندہ ہیں تو دیکھ لیں گے کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔

سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہوئے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عند سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علماء سیلاب کی زد میں آ چکے تھے۔ صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے، اس کا اعتراف کسی نے نہ کیا۔ (۳۷)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک انٹرویو میں بتایا:

”ایک بار میں نے مولانا قاضی آبادی سے جو ترک موالات میں شریک تھے یہ پوچھا کہ مولانا یہ بریلی کے لوگ ترک موالات کی کیوں مخالفت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میاں بات یہ ہے کہ بریلی کی مثال ایک مسلم کی سی ہے جو ایک جتنی (چھری) لئے بیٹھا ہے اور طالب علموں کی غلط بات پر ان کو قتل رہتا ہے۔“ (۳۷)

ہجرت اور سنی علماء و مشائخ

قائد اعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال اور دیگر مسلمان رہنماؤں کی طرح (۳۷) سنی بریلوی علماء و مشائخ نے بھی مسلمانوں کو ہجرت کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ ہندوستان ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کا بھی اپنا ملک ہے، ہم نے اپنے خون سے اس جہن کی آبیاری کی ہے، اسے دارالحرب قرار دے کے ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم، جو کہ انگریزوں کی آمد سے قبل اس ملک کے نگران تھے، نے غیر ملکی حکمرانوں کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے ہیں، نیز اس غیر ضروری اور غیر شرعی عمل سے ہندوؤں کے اس دعوے کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ ہندوستان کے اصل مالک وہ ہیں، مسلمانوں کی حیثیت تو شخص مہمانوں جیسے ہے جنہیں ایک نہ ایک دن میاں سے جانا ہو گا اور سب سے اہم بات یہ کہ مسلمان تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ جائیں گے جبکہ اس کا سارا کریڈٹ ہندوؤں کو جائے گا۔

حضرت قبلہ عالم (پیر سید مر علی شاہ گولڑی) قدس سرہ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب و سنت اور دیگر دلائل شرعیہ سے نہیں ملتی، نہ اس قسم کی ہجرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کی ہے، وہ ہجرت تو اس واسطے تھی کہ مسلمانوں کو اقامت دین سے مشرک منع کرتے تھے تاکہ حضور پر نور صلی

اللہ علیہ وسلم کو بعد جمیع بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب شعب الی طالب میں محصور ہونا پڑا مگر میاں ایسے اسباب موجود نہیں، نیز ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں، اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی ملک اتنی بڑی جماعت کو با نہیں سکا۔ پس ہوجہ فقدان استیلاء یہ فرض ساقط ہے اور اگر سب پر فرض نہیں، بعض پر فرض ہے تو اس ترجیح بلا مرجح کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔“ (۳۷)

حضرت خواجہ محمد حسن جان قادری مجددی قدس سرہ تحریک خلافت میں گم کردہ راہ لیڈروں کی بکدوبی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ آپ نے کل کر بعض مسائل میں شرعی نقطہ نظر سے اختلاف کیا اور ملین و تفتیح کی پرواہ کے بغیر واضح طور پر پیش کیا، آپ گاندھی کی قیادت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو انگریزوں سے لافلتی کرتے ہیں اور دوسری طرف مشرکین ہندو سے اعتماد اور وداد کے حامی ہیں جو انگریزوں سے زیادہ دشمن اسلام ہیں۔ اسی طرح جب لیڈروں نے ہندوؤں کے قریب میں آ کر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترک وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترک وطن سے ممانعت کی اور فرمایا:

”وہاں اتنی تنگناش کہاں ہے کہ سب لوگ سائیکس، خواہ خواہ خود بھی پریشان ہوں گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے، اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہو گی۔“ (۳۷)

✓ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک ترک موالات کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ ہندو مردے کو جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے، اور وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے، اگر مسلمان مرے تو دو گڑ زمین آ قیامت اس کی جاگیر ہوتی ہے۔ مسلمان! ہجرت نہ کرو، آپ کا وطن آپ کا جدی ورثہ ہے، اسے ہاتھ نہ نہ جانے دو۔ (۳۸)

ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”تمام مسلمانوں سے کہہ دو، کوئی ہجرت نہ کرے، کوئی ہجرت نہ کرے! اگر ہجرت فرض ہے تو یہ مولوی خود کیوں نہیں کرتے۔ جب ہجرت فرض ہو گی، میں خود پہلے کروں گا اور یہ ہجرت منہ منورہ ہو گی، جاؤ سب کو منع کرو، چند دن میں دیکھ لو گے کہ اس تحریک کا حشر کیا ہوا ہے۔“ (۳۸)

حضرت سید محمد فضل شاہ جالپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ترک موالات اور تحریک ہجرت کی حمایت نہ کی۔ آپ تو برصغیر ہند میں اپنا قومی اور ملی ورثہ یعنی آزاد اسلامی سلطنت واپس لینا چاہتے تھے، آپ کس طرح اس بات پر رضامند ہوتے کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے کسی اور ملک میں چلے جائیں اور میدان ہندوؤں کے لئے خالی چھوڑ دیں اور اس طرح ہندو دو

بتاتے، پھر مسلمان وہاں کیا کریں؟ جو ان کی بیاد کی سازش ہے۔" (۳۸۱)
 "حضرت احمد رضا خان بریلوی کے تصورات نے بھی حضرت علامہ اقبال پر دو قوی نظریے کے سلسلے میں بڑے مفید اور دور رس اثرات مرتب کئے، حضرت احمد رضا خان نے ترک موالات اور تحریک ہجرت کی اس وجہ سے مخالفت نہیں کی کہ آپ انگریزوں کے ہنوا تھے بلکہ آپ کو تو مسلمانوں کی فلاح مقصود تھی، آپ انگریزوں کی ہمدردیوں کے خواہش مند نہ تھے بلکہ آپ تو انگریز کے مخالفین میں سے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو اس موقع پر خدا کے حکم سے باخبر کیا، ہندو سے اتحاد کو غیر اسلامی قرار دیا۔ آپ جانتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا دوسرا مقصد انگریزوں سے اقتدار چھین کر ہندو اکثریت کے حوالے کرنا ہے، ایسی صورت میں مسلمان بیشک کے لئے ہندو کی غلامی میں پلے جائیں گے۔" (۳۸۴)

دارالحرب یا دارالاسلام

تحریک ہجرت کے موقع پر ایک بار پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ انگریزی دور حکومت میں ہندوستان دارالحرب تھا یا دارالاسلام، شرعی نقطہ نظر سے جس ملک کو دارالحرب قرار دیا جائے، اسے دشمن سے آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، یہ ممکن نہ ہو تو ہجرت کر کے پڑوسی اسلامی ملک میں پناہ لینی ضروری ہو جاتی ہے۔ دارالحرب قرار دینے کے لئے جو شرائط کتب قدس میں مقرر ہیں، ان میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ دشمن اعلانیہ مسلمانوں کو اسلامی احکامات پر عملدرآمد کرنے سے روکیں۔ اس وقت ہندوستان کے حالات اس قدر خراب نہیں تھے کہ اسے دارالحرب قرار دیا جاسکتا، سیاسی لحاظ سے بھی ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان پرامن جدوجہد کے ذریعے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے آزادی حاصل کرنے کے منازل طے کرتے، جہاد کے لئے جس قوت کی

دشمنوں یعنی انگریزوں اور مسلمانوں سے بیک وقت ہندوستان کو خالی کرالیں۔ آپ کی دلی آرزو تھی کہ مسلمان ہندوستان میں اور بھی زیادہ صاحب جانیاد ہوں، وہ کیسے مشورہ دے سکتے تھے کہ اپنی سابقہ جائیدادیں بھی بچ ڈالیں۔ (۳۸۲)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کا پہلے سے فتویٰ موجود تھا کہ چونکہ ہندوستان دارالاسلام ہے، اس لئے یہاں سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے، اس فتویٰ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:
 "الاصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں، عجب ان سے جو تحلیل روا کے لئے جس کی حرمت نصوص قاطعہ قرآنیہ سے ثابت اور کسی کیسی وحیدیں اس پر وارد، اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت و استطاعت (مفتی حضرت) ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔" (۳۸۳)

فاضل بریلوی قدس سرہ نے تحریک ترک موالات کے دوران جو فتویٰ دیا تھا، اس میں ہجرت کا مشورہ دینے والے مولویوں کا تعاقب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہجرت کا غل بچایا اور اپنے آپ کو ایک نہ سرکا، جو ابھارنے میں آگئے، ان مصیبت زدوں پر جو گزری، گزری، یہ سب اپنے خود بچوں میں چین سے رہے، ہر انگلی پھٹکی اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر یا مبلغ کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں، نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں پھوڑتے۔" (۳۸۳)

حضرت پیر عبدالرحیم آف بھڑنڈی شریف (سندھ) تحریر فرماتے ہیں:
 "جب سندھ کے عوام اپنے موروثی دینی جوش اور ملی جذبہ سے مجبور ہو کر اپنی جائیدادیں جذبہ ہجرت پر قربان کر کے کابل وغیرہ جانے لگے تو اس وقت میرے جد بزرگوار حضرت حافظ محمد عبداللہ قدس سرہ نے اس بارے میں مولانا شاہ احمد رضا خاں سے رجوع فرمایا، جنہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں ہجرت کو غیر اسلامی قرار دے کر تحریک آزادی کا رخ انگریزی سامراج کے ساتھ نکرانے کی طرف موڑ دیا۔ جد بزرگوار نے یہ فتویٰ ملک کے طول و عرض میں مشترک کیا جس سے ہزاروں علمی اور دینی گھرانے تباہ سے بچ گئے۔" (۳۸۵)

محترم دلی مقرر ایڈووکیٹ (مقام) فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کی تائید و تہنیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم دیکھتے ہیں کہ جب برصغیر کو "دارالحرب" قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا غیر دانشمندانہ فتویٰ دیا گیا تو حضرت قائد اعظم کے علاوہ حضرت احمد رضا خان بریلوی کی آواز بھی اس کی مخالفت میں شامل تھی۔ اس طرز عمل پر قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ "گاندھی جی مسلمانوں کو اپنا کاروبار، ملازمتیں، رستے بچے گھر، عزیز و اقارب، دوست احباب چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر جانے کا مشورہ دے رہے ہیں لیکن گاندھی جی یہ نہیں

A Trusted Name in Printing

Cha Cha Printing Press

- * PRINTERS
- * DESIGNERS
- * STATIONERS

1482-DACCA ROAD, SADDAR,
 LAHORE CANTT. PAKISTAN
 TELE : 042 381640

اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو" یہ وہ دارالحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہوتی ہے (اگر استطاعت اصلاح نہ ہو) اس نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ہاں جس نے دارالحرب کہنے سے احتراز کیا "غالبا" اس نے اسی کا خیال کیا ہے۔" (۳۸۰)

بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان دارالامان تھا، مولوی محمد انور شاہ نے ایک تقریر میں کہا:

"ہندوستان کی موجودہ حالت کو دیکھتا ہے کہ وہ دارالاسلام ہے یا دارالامان یا دارالحرب، جہاں تک غور و فکر اور اصول شریعہ کا تعلق ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو دارالامان کا حکم دیا جاسکتا ہے۔" (۳۸۱)

اسی طرح مولوی فیروز الدین صاحب لکھتے ہیں:

"امیر محمد کے قیام میں اکثر اسی مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا اور عموماً ایک نوجوان پٹھان کو پانچوں وقت وہاں موجود پاتا، میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور یہاں آپ کا کیا کاروبار ہے؟ انہوں نے کہا، میں تھلکی قوم کا فرد ہوں اور افغانستان کا رہنے والا، جب یہاں اس کی اقامت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے، مجھے بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے، آخر بہت کریدنے پر اس نے بتایا کہ یہاں اس کے بڑے بھائی فوج میں ملازم تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے، میں اس کے بوسے کا دو ہزار روپیہ وصول کرنے یہاں آیا تھا، روپیہ لے کر اس کو سود پر چلا رہا ہوں، میں نے کہا "مسلمان اور سود" کہنے لگا کہ ہمارے علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں، اسی واسطے یہاں دارالاسلام جیسے احکام جاری نہیں، میں نے کہا "یہ آپ کی اور آپ کے علماء کی غلط فہمی ہے، ہندوستان اگر دارالاسلام نہیں تو دارالامن ضرور ہے جہاں ہر شخص اپنے اصول کے مطابق زندگی بسر کر سکتا ہے، اس لئے مسلمان کے لئے اس جگہ سود لینا ایسا ہی ناجائز ہے جیسا دارالاسلام میں، اس کے علاوہ آپ جن لوگوں کو سودی روپیہ دیتے ہوں گے، وہ بھی غریب مسلمان ہی ہوں گے اور ان سے سود لینا تو قطعاً حرام ہے۔" (۳۸۲)

خود تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران ہندوستان اور اسلامی ملک افغانستان کی مذہبی حالت کا قتل کرتے ہوئے مولوی ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"انہوں (مولوی احمد علی لاہوری) نے ۱۹۳۰ء کی تحریک ہجرت میں بھی شرکت کی تھی اور کابل گئے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں قرآن مجید کی اشاعت و تقسیم اور اسلامی تعلیمات و احکام کی تبلیغ کی اتنی آزادی و مجاہدات بھی نہیں جتنی ہندوستان میں ہے، ہندوستان واپس آ گئے تھے۔" (۳۸۳)

ضرورت تھی وہ مفقود تھی، اس کا اقرار خود قوم پرست مولویوں کو بھی تھا اور اسی کے پیش نظر انہوں نے گاندھی فلسفہ "عدم تشدد" کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے اپنایا تھا، ہجرت کرنے سے درپیش مسائل حل ہونے کی قطعاً کوئی توقع نہیں تھی کیونکہ ملک کے اندر انگریزوں پر جو دباؤ ڈالا جاسکتا تھا، وہ عدم تشدد کا نظریہ اپنا کر افغانستان میں جانے سے ممکن نہیں تھا، یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں تھی کہ انگریز نے جلد یا بدیر یہاں سے جانا ہے اور آئندہ یہاں جمہوری نظام نافذ ہو گا، اس لئے ہندوؤں کے جبر و تشدد سے بچنے اور اسلامی اقدار کو محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ یہی تھا کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ ووٹ ہوں، مسلمان ہجرت کر جاتے تو انگریزوں کے جانے کے بعد پورا ملک خود بخود ہندوؤں کے ہاتھ میں آ جاتا۔ تب ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے باوجود بھی نیشنلسٹ لیڈر اور مولوی ہر اس شخص کو انگریزوں کا تحفہ دار الحیثیت قرار دیتے جو مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم ہونے سے بچانے کی خاطر ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اور تحریک خلافت و ترک موالات کے ایک سرگرم رہنما اور جمعیت العلماء ہند کے بانی (۳۸۸) مولانا عبدالباری فرنگی علی رحمت اللہ علیہ کے فتاویٰ ہم سابقہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں جن کے مطابق وہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے تھے، اب دیگر مکاتب فکر کے مولویوں کے خیالات نقل کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ فاضل بریلوی کا موقف درست تھا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ یہ ہے کہ "ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے، بظاہر تحقیق حال ہند کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور ہند کو بھی خوب تحقیق نہیں کی گئی، کیفیت ہند کی ہے۔" (۳۸۹)

مولوی حسین احمد دیوبندی کا بیان ہے:

"الیہ تی بات اس (ایک انگریز) نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی، اس نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام، مولانا (محمود حسن) رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے، اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے، مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں، اس نے قیاس سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے، مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں، ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے، اس نے اس کی تفصیل پوچھی، مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر بااقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں، اس نے کہا، یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے، مولانا نے فرمایا کہ ہاں، اس لئے ہندوستان ضرور دارالحرب ہے، اس نے کہا کہ دوسرے معنی کیا ہیں، مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں علانیہ طور پر شعائر

دارالاسلام کے فتوے

مولانا عبدالحی کسٹوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”ہندوستان دارالحرب نہیں ہے بلکہ دارالاسلام ہے۔“ (۳۹۸)

مولوی اشرف علی تھانوی کا فتویٰ یہ ہے کہ ”ہندوستان نہ تو صابین کے قول پر دارالحرب ہے، کیونکہ اگرچہ احکام شرک کے اس میں علی الاعلان جاری ہیں لیکن احکام اسلام کے بھی بلا خوف مشتر ہیں اور دونوں کے باقی رہنے سے دارالحرب نہیں ہوتا اور نہ امام صاحب کے قول پر دارالحرب ہے کیونکہ احکام کفر بتیسرے مذکور میاں نہیں ہوا بلکہ بدستور احکام اسلام جاری ہیں اور ایسی صورت میں دارالحرب نہیں ہوتا۔“ (۳۹۵)

مولوی کرامت علی چوہدری خلیفہ سید احمد بریلوی نے ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو لکھنے کے ایک مذاکرہ علیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”مملکت ہندوستان جو بالکل پادشاہ میرانی مذہب کے قبضہ اقتدار میں ہے، مطابق فقہ مذہب حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔“ (۳۹۶)
”ان کی تقریر کے بعد مولوی فضل علی، مولوی ابوالقاسم عیدالحکیم، مولوی عبداللطیف سیکرٹی مجلس، شیخ احمد آندری انصاری مدنی، سید ابراہیم بغدادی نے اپنی تقاریر میں مولانا کرامت علی چوہدری کی تائید کی۔“

اس کے علاوہ اس رسالہ میں حضرت شیخ تہال بن عبداللہ حنفی، مفتی مکہ معظمہ، علامہ سید احمد دہلوی مفتی شافعی، مکہ معظمہ، شیخ حسین بن ابراہیم مفتی مکیہ مکہ معظمہ، علامہ عبداللہ خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ کے فتاویٰ موجود ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔“ (۳۹۷)

حضرت قبلہ عالم (پیر سید مر علی شاہ گولڑی) قدس سرہ نے نیچریت کی تردید میں جو ملک میں انگریزی تعلیم و تربیت کے باعث فرد پر دہی تھی، مولوی عرم علی چشتی لاہوری اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے شخصیں کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری قوسل سے تعلیمی مضامین شائع کرائے، تاہم سر سید احمد خان کے مخالف علماء کے ان نظریات کو بھی ناوابہ قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے اور برطانوی ہند دارالحرب ہے جہاں جہد کی نماز جائز نہیں، حضرت نے شروں میں نماز جہد کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صوبہ سرحد میں از سر نو جہد کی نماز جاری کرائی۔“ (۳۹۸)

ابجدیٹ کے پیشوا نواب محمد صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

”علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام و الامتاق فریک فرماں روا ہیں، اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حنیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عاملوں اور ہمتوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر جہاد کرنا کیا مفتی بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں

سے۔“ (۳۹۹)

ابجدیٹ کے وکیل مولوی محمد حسین غامدی کا فتویٰ یہ ہے کہ ”جس شریا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو، وہ شریا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا، پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شریا ہو، اقوام غیر نے اس پر تغلب سے قتل یا لیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں ادائے شعار اسلام کی آزادی ہے، وہ بحکم حالت قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔“ (۳۰۰)

میاں نذیر حسین دہلوی کا سوانح نگار لکھتا ہے:

”ہندوستان کو بیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب بھی نہ کہا۔“ (۳۰۱)

ذہنی نذیر احمد ابجدیٹ لکھتے ہیں:

”خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان باوجودیکہ نصاریٰ کی عملداری ہے، دارالحرب نہیں ہے۔“ (۳۰۲)

مولوی حسین احمد دیوبندی کی اس عبارت ”اگر کسی ملک میں اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی و دینی شعار کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک مسلک حضرت شاہ (عبدالعزیز) صاحب کے نزدیک ہے شبہ دارالاسلام ہو گا اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہو گا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں“ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

”آپ نے اپنا پہلا سوال مجھ سے کرنے کے بجائے مولانا حسین احمد صاحب ہی سے کیا ہوتا تو بہتر تھا، آپ ان سے پوچھئے کہ ہندوستان کی موجودہ حکومت میں مسلمان جس درجہ شریک ہیں اور ان کے مذہبی و دینی شعار کا بیسیا کچھ احترام کیا جاتا ہے، اس سے تو بدرجہا زیادہ وہ انگریزی دور میں شریک حکومت تھے اور اس سے بہت زیادہ ان کے شعار مذہبی کا احترام انگریزی دور میں ہو رہا تھا، اگر کسی کو اس سے انکار ہو تو وہ انگریزی دور کے مسلم وزراء اور ایگزیکٹو کونسل کے مسلم ممبروں اور فوجی اور سول حکموں کے مسلم ملازموں کی تعداد کا موجودہ بھارتی حکومت کے ہر شعبے میں

میٹرک	ایف اے	ایف ایس سی	بی اے
انہی کام	طلبہ و طالبات کے لیے	بی کام	

علامہ اقبال کالج جامعہ

دہلی روڈ، بازار ادیبانہ، 380187

حصہ پانے والے مسلمانوں کی تعداد سے مقابلہ کر کے ہر وقت اسے قائل کیا جا سکتا ہے۔ رہا شعائر مذہبی کا احترام تو موجودہ ہندو اقتدار کے دور میں مساجد کی جتنی بے حرمتی ہوئی ہے، اس کا مقابلہ انگریز دور سے کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس دور میں مسلمانوں کی جان و مال اور ان کی عورتوں کی عصمت پر جتنے حملے ہوئے ہیں، ان کا مقابلہ انگریزی دور کے ایسے ہی حملوں سے کر لیا جائے اور اس دور میں مسلمانوں کے پرسنل لاء کا جو حشر ہوا ہے، اس کے مقابلے میں دیکھ لیا جائے کہ ڈیڑھ سو برس کے انگریزی دور میں اس پرسنل لاء کا کیا حال رہا ہے۔ اب اگر ”حضرت شاہ صاحب کی تعریف کے مطابق موجودہ بھارت بے شبہ دارالاسلام ہے“ تو انگریزی دور کا ہندوستان کیوں نہ تھا؟“ (۳۰۳)

حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کا تسلط ختم ہونے کے بعد جب اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ میں آیا تو مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر دیا گیا، فرقہ وارانہ فسادات کی آڑ میں قتل عام ہوا، مذہبی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں، مسٹر گاندھی کے مداح مولوی عبدالمجید دریا بادی بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

”تقسیم ملک کا انجام مسلمان ہند کے لئے اتنا دردناک اور الم انگیز ہو گا“ اس صورت حال کا تو کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔۔۔ مسلمانوں پر جو کچھ گزری اور اب تک جو گزر رہی ہے، اس پر دل خون کے آنسو روتا ہے اور دل بار بار یہ سوال کرتا ہے کہ ہجرت اگر اب بھی فرض نہ ہوگی تو پھر کب ہوگی؟“ (۳۰۴)

نیشنلسٹ مولویوں کے نزدیک اب مسئلہ یہ نہیں تھا کہ ہندوؤں کے مظالم کی نشاندہی کر کے بھارت کو دارالحرب قرار دیا جائے بلکہ کوشش یہ کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو مطیع و فرمانبردار کیسے بنایا جائے، ہندو جو کچھ بھی کریں، ان پر آج نہ آنے پائے، دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوؤں نے جب باہری مسجد کو شہید کرنے اور اس کی جگہ مندر تعمیر کرنے کی مہم تیز کر دی تو ہندوستانی مسلمانوں نے اس صورت حال سے بچنے کے لئے فیصلہ کیا کہ وہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں پرامن مارچ کر کے باہری مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں گے، اس دوران:

”دہلی سے نکلنے والے آرمی ایس کے تریمان بخت روزہ ”پانچ بنیہ“ نے دارالعلوم وقف اور دارالعلوم دیوبند کے دو منتہیوں، مفتی احمد علی سعید اور مفتی مولانا ”غفر الدین“ کے دو فتوے شائع کئے جس میں انہوں نے ایودھیا مارچ کو غلط اور خلاف شرع قرار دیا، انہوں نے ہندوستان کو دارالامن قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایودھیا مارچ غیر اسلامی ہے، یہ فتوے بعض ہندی اور انگریزی اخبارات نے بھی شائع کئے۔“ (۳۰۵)

میاں عبدالرشید مرحوم رقمطراز ہیں:

”مید احمد بریلوی کے بعد اگر یہ بات تو ہندوستان سمجھے آئے تھے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، انگریز سے جہاد کرو، یہاں سے ہجرت کی جاؤ، اب

پھر اس فتویٰ کی حدائے بازگشت سنی جانے لگی۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہی مولوی اور مولانا جو انگریزی حکومت کے دوران ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے تھے، اب بھارت میں ہندو حکومت کے تحت منتقل زیر پر ہیں بلکہ عمدے بھی حاصل کرتے ہیں حالانکہ انگریز تو پھر اہل کتاب تھا۔“ (۳۰۶)

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے جو موقف اختیار کیا تھا، حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بالکل برحق اور اسلام کے عین مطابق تھا، محرم دلی مظہر ایڈووکیٹ تحریر فرماتے ہیں:

”گاندھی جی نے اپنے آقاؤں کی شہ پر اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے برصغیر کو دارالحرب قرار دے کر لاکھوں مسلمانوں کو اپنی ملازمتیں، کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر بلا جواز و متبادل انتقام کے ساتھ قتل اسلامی ممالک کی جانب ہجرت کرنے پر رغب کیا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ کسی گاندھی جی عالم نے خود اس فتوے اور گاندھی جی کے حکم پر عمل نہ کیا۔ ہمارے قائد اعظم نے اپنی نکیلاہ بصیرت سے ہندو اور اس کے گماشتوں کی اس مکاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے اس کی شدید مخالفت کی۔ آپ کی تائید اس وقت ملانے حق نے بھی برلا کی اور مسلمانوں کو اس چال سے آگاہ کرتے ہوئے یاد کرایا کہ برصغیر کو کسی حالت میں بھی دارالحرب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہاں ہم نے ایک ہزار سال تک بڑے شان و شوکت سے جمائیکری کی ہے، مسلمانوں کا اس سرزمین پر پورا پورا استحقاق ہے، مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اس فتوے کی تائید مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالحی لکھنوی اور دیگر حضرات نے فرمائی، درحقیقت ہندو تحریک خلافت کی آڑ میں رام راج کا کمروہ خواب پورا ہوتا دیکھ رہے تھے جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ۱۹۳۰ء میں جب تحریک ترک موالات شروع ہوئی، اس کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت بریلوی نے مرض الموت کی حالت میں ایک رسالہ اس کے خلاف تحریر کرایا۔ آپ کے نزدیک ہندوؤں سے تعاون استقامت کے لئے حضرت رسالہ تھانوی کے یہ دین میں مسلمانوں سے عارپ تھے اور ہندو پرستوں کے امام گاندھی جی نے کہہ دیا تھا کہ مسلمان اگر گاؤں کشی نہیں چھوڑیں گے تو ہم تمہارا سے چھڑا دیں گے۔“ (۳۰۷)

جناب محمد علی چراغ، امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس نازک صورت حال میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مسلمانوں کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور انہیں صحیح اسلامی نقطہ نظر سے کسی ملک کے دارالحرب ہونے کے بارے میں قیج اور اہم معلومات فراہم کیں۔“ ان کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق تھا، انہوں نے ایک ہزار سال سے زیادہ کا سیلاب حکومت کی تھی۔“ مولانا احمد رضا خان بریلوی مسلمانوں کے اس حق سے دستبردار ہونے کے حق میں نہیں تھے۔ اپنے اس موقف کی تائید کے لئے مولانا احمد رضا خان نے ایک رسالہ ”اعلام الاطلام“ بھی لکھا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں

مولانا شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری، فاضل بریلوی کی سماجی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”آج (۱۳۳۰ھ/۱۹۴۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بھتان (۱۳۲-۱۹۵۱ء) کے موقع پر انہوں نے سلطنت اسلامی اور مقلوبین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولا و عملا ان کی تائید کی، خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی۔۔۔ اور اب بھی لوگوں کو صحیح، مفید، شرعی طریقے اعانت اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انہوں نے کیں، خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں، یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟“ (۳۱۱)

آگے چل کر ان کی بروقت کوششوں بلکہ پیش از وقت حفاظتی تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس سے زیادہ اور کون سی پہلے دن سے مولانا احمد رضا خان صاحب کوشش کرتے کہ خلافت کبھی والے تو آج حمایت خلافت و حفاظت سلطنت اسلامی کا نام لینے بیٹھے ہیں جبکہ سلطنت اسلامی کا خاتمہ ہو چکا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے اس وقت سے کوشش کی، جب اس موجودہ مسیبت

پہلے دارالاسلام کا درجہ رکھتا ہے، اس رسالہ کی جو روح ہے، اس سے ترشح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو نامہ باندھتے تھے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتے تھے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کے لئے کوشش کریں، ملک کو دراصل دارالحرب قرار دے کر ترک موالات کر جانا ایک طرح کا کمزور احتجاجی عمل تھا اور اس طرح ترک موالات کر جانے سے مسلمان عملاً اپنے حق سے دستبردار ہو جاتے تھے، ایسی صورت احوال ہندو لیڈروں اور کانگریس کے لئے زیادہ سودمند تھی، وہ اس طرح عکراں انگریزوں سے کسی طرح کی سودے بازی کر سکتے تھے۔“ (۳۰۸)

مولانا کوثر نیازی مرحوم نے فاضل بریلوی کے موقف کی تائید کرتے ہوئے ایک تقریر میں کہا:

”تحریک ہجرت اس بحث کا منطقی نتیجہ تھی کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، امام احمد رضا اسے دارالحرب قرار نہیں دیتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کے لئے سود کھانا تو جائز ہو جائے گا مگر ہجرت اور کھوار افغانا ان پر لازم ہو جائے گا، وہ اسے دارالاسلام قرار دیتے تھے کہ سیکڑوں برس مسلمان اس پر عکراں رہے تھے۔ اب بھی سرزمین میں امن تھا اور مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے، آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے، مطلب واضح ہے، انگریز کے سامنے ہندو پس پردہ ان فصول کی تار بٹا رہے تھے جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا رہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف کھوار اٹھائیں، مرکب جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین کو ہی چھوڑ جائیں، آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرازم کا ظلم پاش پاش ہوتا ہے، مسلمان جنماد کے نام پر برسرِیکار ہوں یا ہجرت کریں، سیکولرازم کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے، اس لئے آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے متنبیان کرام کے وارث مرہلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔“ (۳۰۹)

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور سلطنت ترکیہ کی امداد ایک سوال کے جواب میں کہ سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”سلطنت علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت، ہر جماعت اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فرد اسلام کی تحفظ و خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنی؟ دل سے خیر خواہی مطلق فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔“ (۳۱۰)

فون: 372510

حسین میڈیکوز

قاسم بلڈنگ منیک بازار لاہور کوئٹہ

پمپروائٹر

اظہر حسین

انڈرپرائزرز

انعام

ری بازار سرور روڈ دکان

جمینے بازار، لاہور صدر بازار

حسین

عقلی کا خیال بھی دلوں سے دور تھا اور جنگ بھتان (جو بظاہر حالات مابعد اس مصیبت عقلی کی تہمید و ابتدا ثابت ہوئی) کے ہی زمانہ سے حمایت و اعانت سلطنت اسلامی میں اپنی رائے و مسلک قولاً "عملاً" ظاہر کر دیا، عوام کو رغبت دلانے کے لئے بریلی میں جلسہ عام میں خود چندہ دیا۔ حمایت سلطنت اسلامی و اعانت مظلومین ترک کی باغ و منفید تدابیر آگاہی عام کے لئے شائع کیں۔" (۳۱۲)

تقدیدات و تعاقبات امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ ایک جید عالم دین، عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی مسائل پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرنے والے بزرگ تھے، انہوں نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت اور مسلمانوں کو اسلام کے دشمنوں سے محفوظ رکھنے میں گزاری، وہ جس مسئلہ پر بھی اظہار خیال فرماتے، دلیل کے انبار لگا کر معاصر مخالف مولویوں کا ناقلہ بند کر دیتے، اس لئے عوام میں بے حد مقبول تھے، امیر جماعت اسلامی ہند مولوی محمد یوسف صاحب نے ایک انٹرویو میں بتایا:

"میں ۱۹۰۸ء میں بریلی میں پیدا ہوا، میرے والد وہاں قیام پذیر تھے، مولانا احمد رضا خان کے مرید تو نہیں تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت کے دیوانے تھے اور ان سے مراسم رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم چھوٹے چھوٹے تھے تو مولانا احمد رضا خان ہمارے ہاں تشریف لائے، بڑا بھاری اجتماع ہوا تھا۔" (۳۱۳)

ڈاکٹر عاشق حسین ہالوی، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب ایک سیاسی مفکر تھے، عملی سیاستدان نہ تھے، کم از کم ان عام اور مروجہ معنوں میں سیاستدان نہ تھے جن میں مثلاً مسٹر جناح، سر فضل حسین اور مولانا محمد علی تھے۔ عملی سیاسیات میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ بڑا اوقات موقع و محل کا خیال کرتے ہوئے اور اپنے نظریے میں ترمیم و تغیر کر کے مخالف سے مفاہمت کر لینا پڑتی ہے یا پھر جب تعین طاقتور ہو تو ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کی خاطر اس سے سمجھوتہ کر لینے میں بھی عار محسوس نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب کو اس قسم کی وقتی سیاست سے چنداں واسطہ نہ تھا، یوں کہنا چاہئے کہ انہیں ایک بنگالی لیڈر یا عملی کارکن کی بجائے ایک مصلحت پسند یعنی "آئیڈیلٹ" کا مرتبہ حاصل تھا۔" (۳۱۴)

یہی حالت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو ہندوستان پہنچے آئے یہ حمایت استیاد سے غور فرماتے اور پھر اسے ہما کر دیا، یہاں سے اتر کر جاؤ، اب بلا توجہ اسی کے مطابق فتویٰ

آتے یا خود اپنی پگڑی اچھٹنے کا خطرہ ہوتا، حق کی خاطر نہ تو وہ اپنے پرانے کی تمیز کرتے اور نہ حکام وقت کو خاطر میں لاتے۔ وہ صرف ذاتی یا قوی مفاد کی خاطر یا عوامی جذبات کے پیش نظر شریعت میں تحریف کرنے کے سختی سے مخالف تھے، انہوں نے بے شمار فتوے دیئے لیکن کافی کوششوں کے باوجود بھی مخالفین ان میں کوئی شرعی غلطی کی نشاندہی نہ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ ہر صحیح الاعتقاد شخص کی طرح علامہ اقبال مرحوم بھی آپ کی بے مثال فتہائیت کے معترف تھے، ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مستم بیت القرآن پنجاب پبلک لائبریری لاہور، علی گڑھ کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک بار استاذ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چمڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقیہ بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے کیسے نامزد روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طبع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا، اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علماء کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ ابھرن درمیان میں نہ آ پڑتی تو ان کا وقت، علم و فضل، ملت کے دیگر مسائل کے لئے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے اہم فیض کلا سکتے تھے۔" (۳۱۵)

علامہ اقبال مرحوم کے ان خیالات سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور تحریروں کا مطالعہ کیا تھا، چونکہ فاضل بریلوی نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ ہندو مسلم اتحاد کے غیر اسلامی نظریے پر سخت گرفت کی ہے، نیز علامہ کو حضرت مولانا سے انجمن نعمانیہ لاہور کے ایک اجتماع میں ملاقات کا شرف بھی حاصل ہے (۳۱۶) اس کے علاوہ فاضل بریلوی کی تعلیمات کی بدولت پورے ملک میں جو مجموعی طور پر فضا قائم ہو چکی تھی اور مسلمانوں میں کانگریس سے برکشت ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہونے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا تھا، اس لئے ان سب شواہد کو دیکھتے ہوئے یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو قوی نظریے پیش کرنے اور اس پر عمل پیرا رہنے کے سلسلہ میں علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح ان کے انکار و نفیات سے متاثر تھے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد تحریر فرماتے ہیں:

"پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے، جو پہلے ایک قوی نظریے کے موید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا عقیق مطالعہ فرمایا تھا، اس لئے ظن غالب ہے کہ علامہ کے انکار و خیالات میں ان دونوں ماخذ نے ایک اختلاط پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔" (۳۱۷)

محرم ولی مظہر ایڈووکیٹ رقتہ راز ہیں:

✓ ”مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے حلقہ کما ہے کہ ”ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانان ہند کے قلوب میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ دہکا دی۔“ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تعلیمات اور تبلیغ نے یہ لازوال انقلاب برپا کیا جس کی تیش بعد ازاں قائد اعظم اور دوسرے مسلمان قائدین نے بھی محسوس کی۔“ (۳۱۸)

معتقدین کی فطرت اور خالقین کی پرہیزگندہ رسم کی وجہ سے عوام الناس فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت ”دو قوی نظریہ کو اجاگر کرنے اور دیگر شاندار اسلامی خدمات سے زیادہ تر ناواقف ہیں جبکہ ان کے متعلق عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ تحریک آزادی ہند کے سلسلے میں چلنے والی سب تحریکوں کے خلاف تھے، مجاہدین آزادی کی نام نہاد تکفیری اور انگریزوں کے حق میں کئی فتوے دیے۔ (۳۱۹) حالانکہ یہ الزامات من گھڑت، بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی ہیں، آئیے فاضل بریلوی کی سیاسی سوچ کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران انہوں نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ شرعی نقطہ نظر سے درست تھا یا نہیں نیز یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ ان پر انگریز پرستی کا الزام صحیح ہے یا غلط۔

مسٹر گاندھی پر گرفت

خلافتی لیڈروں سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اسلام کے نام پر چلائی جانے والی تحریک خلافت کی باگ ڈور مسٹر گاندھی جیسے ایک متعصب مشرک اور بت پرست کے ہاتھ میں دے دی جو کتاب و سنت کی رو سے کبھی بھی مسلمانوں کا غیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اس غیر اسلامی روش پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

”مشرک کو پیشوا بنایا، آپ پس روئے، جو وہ کہے، وہی مانیں، قرآن و حدیث کی تمام عمر اس پر نثار کر دی۔ ترک موالات کا نام بدنام اور اللہ کے دشمن مشرکوں سے وداد، محبت و اتحاد بلکہ غلامی و انقیاد۔ یہ تو صراحت اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے، اس کا نام حمایت اسلام رکھنا کس درجہ صریح مخالفت و انفرادیت ہے۔ انہوں نے سرے سے کلمہ ہی کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا، نہیں نہیں بلکہ پس پشت پیچک دیا۔ مشرکوں کو ”روح اعظم“ بنایا، موسیٰ بنایا، نبی بالقوہ بنایا، مذکر مبعوث من اللہ بنایا، اس کی مدح خطبہ بعد میں داخل کی، اس کی تعریف میں کلام الہی کا معرودہ ”خاموشی از ثنائے توحد ثنائے تست“ گایا اور کیا کیا کفر و کفریات و منالٹ اختیار کئے۔“ (۳۲۰)

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے نزدیک مسٹر گاندھی کی تقلید حرام تھی، اس سلسلے میں جس کسی نے بھی کوئی غلط قدم اٹھایا، انہوں نے بغیر کسی رو رعایت کے اس کا رد کیا اور مسلمانوں کی صحیح سمت میں راہنمائی کی، ایک مشہور عالم دین کے اس بیان:

”فقیر تان کارپیش کے مسئلے میں بالکل پس رو گاندھی صاحب کا ہے، ان کو اپنا راہنما بنا لیا ہے، جو وہ کہتے ہیں، وہی ماننا ہوں، میرا حال تو سروسرست اس شعر کے موافق ہے۔“

عرے کے بیات و احادیث گزشت

رقی و نثار بت پرستی کر دی

پر فاضل بریلوی نے ان الفاظ میں گرفت کی:

”تین کارپیش کو ترک موالات کہا جاتا ہے، اس پر آیات ترک موالات پیش کی جاتی ہیں تو ضرور فرض مذہبی ہوا، اس میں مشرک کو رہنما بنانا، مشرک کی تقلید کرنی، اسے اپنا امام بنانا، خود اس کے پس رو ہونا، اس کی اطاعت اور وہ بھی بدوجہ کلی کرنا، اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں دے دینا، قرآن و حدیث کی عمر اس پر نثار کر دینا، یہ سب حرام و منافی احکام اسلام ہے۔“ (۳۲۱)

جن قوم پرست لیڈروں اور مولویوں نے مسٹر گاندھی کی پیروی کی، انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ وہ گاندھی فلفہ کو اسلامی فلفہ زندگی سے ارفع و اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے ان کی اس غلط اور نامناسب طرز عمل پر گرفت کی، فرماتے ہیں۔

یارب کہ چہ کردست فسوں دم گاندھی

لیڈر پرو امام اقدم گاندھی

چنگ وہ د گاندھی زن و گاندھی اٹھن

مشرک نہ بخود سواری نہ گاندھی (۳۲۲)

امام احمد رضا کا یہ خیال تھا کہ مولانا عبدالمبارکی کی حمایت و تائید سے ان کو یا مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہو گا بلکہ اس کے برعکس سارے فائدہ مسٹر گاندھی کو حاصل ہوں گے۔ تاریخی اور سیاسی نقطہ نظر سے اس خیال کی تکذیب نہیں کی جاسکتی کیونکہ فی الحقیقت تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت وغیرہ نے مسلمانوں کو کمزور اور ہندوؤں کو قوی سے قوی تر کر دیا۔

امام احمد رضا کی مکتبہ کی طرف سے لکھے گئے ہیں۔

پروڈرپرائز
محمد الحسن علی

۹۳۳
میتے بٹانڈر، لاہور

فنیسی کاپی ہاؤس

ہمارے ہاں
ہر قسم کی کاپیاں، رپڑ
ہول سیل دستیاب ہیں

"از بازوئے تو نظام گاندھی ست

قائم بہ تو انتظام دین گاندھی ست

کردی لقب خویش قیام الدین راست

آخر نہ بہ تو قیام دین گاندھی ست"

ہندوؤں کے مظالم

ہندوؤں کے وحشیانہ مظالم اور کانگریسی مولویوں کی ہندو فوازی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے جو کچھ لکھا ہے، اسے پڑھ کر ان لوگوں کی سوچ پر رحم آنے لگتا ہے جو بات بات پر فاضل بریلوی اور ان کے معتقدین پر بدعت اور شرک کے فتوؤں کی بوجھاڑ کر دیتے ہیں لیکن مشرکین ہند کے ساتھ اتحاد کرنے والوں کی تجدید میں انہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا، فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے، کیا قربانی کاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے، کیا کٹار پور و آدھ اور کمال اور کمال کے ٹاپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے محو ہو گئے، بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ٹاپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن کریم کے پاک اوراق بھاڑے جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لئے کیچہ منہ کو آئے۔۔۔"

اب کوئی دور رسیدہ مسلمان ان لیزروں سے یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ اسے انہیوں پر مسلمان بننے والو! ہمدردی اسلام کا ظاہری تانا تھنا والو! کچھ حیا کا نام باقی ہے تو ہندوؤں کی گلا میں ڈوب مو، اسلام و مسلمین و مساجد و قرآن پر یہ ظلم توڑنے والے کیا کیا تمہارے بھائی، تمہارے چیمپے، تمہارے پیارے، تمہارے سردار، تمہارے پیڑا، تمہارے مددگار، تمہارے غمگسار مشرکین ہند نہیں جن کے ہاتھ آج تم بیکے جاتے ہو، جن کی غلامی کے گیت گاتے ہو، اف اف اف، تف تف تف۔۔۔" (۳۲۸)

ہندوؤں کے عزائم

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"آؤ، اب ہم تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں، دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے:

اول: اس کی موت کہ بھڑا ہی ختم ہو۔

دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ باجوہ بن کر رہے۔

مخالف نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھ جاتے ہیں۔

اولاد: جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہوتا تھا۔

ترجمہ: تیری قوت بازو سے ہی گاندھی کا سیاسی نظام چل رہا ہے اور تیری ہی وجہ سے دین گاندھی کا انتظام قائم ہے۔۔۔ تو نے اپنا لقب قیام الدین (دین) کو قائم کرنے والا قرار دیا ہے۔۔۔ سچ ہے آخر تجھی سے تو دین گاندھی قائم ہے (تو اسی کے دین کو قائم کرنے والا ہے) (۳۲۳)

بعض قوم پرست لیڈر مسز گاندھی کو ایک روحانی شخصیت سمجھتے جبکہ کچھ انہیں نبوت جیسے طبل اقدار عمدہ پر فائز دیکھنے کے خواہشمند تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ خیالات استثنائی لغو اور حقیقت سے کوسوں دور تھے، سچی بات وہی تھی جو فاضل بریلوی نے فرمائی تھی۔

"گاندھی بچہ مامتا کے ناکس باشد
روح آتش و ناکس تن چوں خس باشد
قرآن فرمود: مشرکانہ نفس
چوں روح امیں است تن خود نفس باشد" (۳۲۴)

یعنی گاندھی ناکسوں کا مامتا (روح اعظم) ہے تو اس کی روح آگ اور جسم ناکس تنگے کی مانند ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ مشرک نفس ہیں جب اس کی روح ایسی ہے تو جسم تو بت ہی ٹاپاک ہو گا۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے نزدیک مسز گاندھی کو "مامتا" کتنا شرعی لحاظ سے درست نہیں تھا لیکن چونکہ اس دور میں شریعت پر نظر کم اور حصول مقصد پر زیادہ تھی، اس لئے مسلم و غیر مسلم، جاہل و بعض قوم پرست مولوی (۳۲۵) سب نے مسز گاندھی کو بلا تکلف مامتا کتنا شروع کر دیا، اس ذہنیت کو بدلنے اور "باپیتی" کا صحیح مقام متعین کرنے کے لئے فاضل بریلوی نے مسلمان ہند کو بتایا کہ مسز گاندھی کو:

"مامتا کتنا سخت تعظیم مشرک و کلمہ کفر ہے۔" (۳۲۶)

نیشنلسٹ مولویوں کی طرح مسز گاندھی نے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کو پھانسنے کی خاطر ان سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا، "مامتا جی" کے بعد "مامتا جی" کے ایک حافی مولوی مرتضیٰ حسینی نے "مامتا جی" کے نام خط لکھ کر ان کے دست سے چنداں واسطہ نہ تھا، یوں کتنا چاہتا حضرت نے اسے کوئی ایسا عملی کارکن کی بجائے ایک مثالی زندگی بسر کرنے کو کہا، اس لئے کہ اصل تھا۔۔۔" (۳۲۷)

تو یہ حالت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بات تو ہندوستان سمیت آئے۔۔۔ یہاں سے غور فرماتے اور پھر اسے جہاد کو یہاں سے دھڑکتے ہوئے دیکھیں، جبکہ اسی کے مطابق فتویٰ

ٹانیا: ”جب یہ نہ بنی، ہجرت کا بھرا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کنبیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، ہر حال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔“

ٹانیا: ”جب یہ بھی نہ بھی تو ترک موالات کا جھوٹا جیلہ کر کے ترک معاملات پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، ماگڈراری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو، امر اخیر تو صرف اس لئے ہے کہ ظاہری نام کا دعویٰ اعزاز بھی کسی مسلمان کے لئے نہ رہے اور پہلے تین اس لئے کہ ہر صیغہ و ہر عکسہ میں صرف ہندو رہ جائیں۔“ (۳۲۰)

اصل مقصد حصول سوراخ ہے

امام احمد رضا فاضل بریلوی نورائد مرقہ نے خلافتی و موالاتی لیڈروں، مولویوں، مسٹر گاندھی اور دیگر ہندو رہنماؤں کے اصل مقصد کو بے نقاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو بتایا کہ ان کا پروگرام گنگا و جمنائی زمینیں آزاد کرنا کہ ہندو راج قائم کرنا ہے، خلافت کا نام تو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

”اصل مقصد مسلمانوں کو گورنمنٹ ہے جس کی صاف تصریح بڑے بڑے لیڈران نے کر دی، اس میں اپنی کمزوری بلکہ بجز دیکھ کر مشرکوں کا دامن پکڑا، انہیں اپنا بار و انصار بنایا، اوروں کو چھوڑے، مولویوں میں گئے جانے والے لیڈر فرماتے ہیں، ہم ہندوستان کی آزادی کو ایک فرض اسلامی سمجھتے ہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ عام اتحاد ہو اور پوری کوشش سے مقصد حاصل کیا جائے حالانکہ مشرکوں سے ایسی استغانت نص قرآنی کے خلاف اور قطعاً حرام بلکہ صراحتاً ”قرآن کریم کی تکذیب ہے۔“ (۳۲۱)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”مشرکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹیٹی ہے، اصل مقصد ہندی ہندو سورانج کی جگہ ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے، ہماری ہجرت خلافت کا نام لو، عوام چھپیں، چندہ خوب لے اور گنگا و جمنائی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔“ (۳۲۲)

غیر مسلموں سے موالات

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران قوم پرست مولویوں نے انگریزوں سے بالکل قطع تعلق کرنے کا فتویٰ دیا جبکہ ان سے زیادہ اسلام

دشمن مشرکین ہند کے ساتھ شیر و شکر بن کر ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا، اس سے مسلمانوں کے دلوں میں کفر سے نفرت بتدریج کم ہونے لگی اور بغیر کسی جھجک کے ہندوؤں کی رسومات میں شرکت کر کے توحیدی نظریات کو ٹھیس پہنچانی شروع کر دی، ایسے نازک وقت میں ایک مجدد کی ضرورت تھی جو تہجد و احیائے دین کا فریضہ سرانجام دیتا، فاضل بریلوی نے اس موقع پر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی، ہندو مسلم اتحاد کے موبدین قرآن و سنت میں جو تاویلات بلکہ تحریفات کر رہے تھے، کی نشان دہی انہوں نے ان الفاظ میں کی:

”اولاً: ”ذکر تھادی کا“ لے دوڑے حلی“

ٹانیا: ”روایت امام غلامی، حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد جملہ آخر حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک جواز کتابی سے خاص تھا، یہ لے دوڑے مشرک“

ٹانیا: ”جواز باجماع قائلین حاجت سے متقد تھا اور یہ خود اپنا جرم قبولے کہ ہم کو احتیاج نے اتحاد برادران ہند کی جانب مائل نہیں کیا۔“

راجا: ”انہیں راہدار و ذلیل کار بنانا حرام قطعی تھا، یہ اس سے بھی بدتر جا بڑھ کر ان کے ہاں پک گئے، انہیں اپنا امام و پیشوا بنایا، ان کو اپنا رہنا بنا لیا ہے۔“

غاسا: ”ان کی تعظیم انہیں مسلمانوں پر استیلا دینا حرام قطعی تھا، انہوں نے صرف ظاہری سجدہ کسی مصلحت سے بچا رکھا باقی کوئی دقیقہ مشرکوں کی تعظیم و اعلا میں نہ بچوڑا، مسلمان کھانے والوں نے ان کی منتیں پکاریں، تیل بن کر گھو پتوں کی گاڑیاں کھینچیں۔“ (۳۲۳)

انگریزوں سے ترک موالات اور ہندوؤں سے موالات کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

”اب بھی جو آنکھ کھلی تو صرف ایک گوشہ، انگریزوں کی طرف کی اور وہ بھی شریعت پر زیادت کے ساتھ کہ ان سے مجرد معاملات بھی حرام قطعی بلکہ کفر اور مشرکوں کی طرف کی پہلے سے بھی زیادہ (آنکھ) پٹ ہو گئی کہ ان سے وداد و اتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی و انقیاد فرض، انہیں راضی کر لیا تو خدا کو راضی کر لیا تو ثابت ہوا کہ اسلام ان حضرات کو نہ جب مد نظر تھا ورنہ ایسی عجب دین تعلیموں سے بھاگتے نہ اب مد نظر سے ورنہ مشرکوں کے اتحاد و انقیاد کے تحت نہ جاگتے۔“ (۳۲۴)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

”ترک معاملات کو ترک موالات کہتے ہیں“

مولات میں ہیں جو مسلمانوں کی مکمل گارنٹی



ہمارے
خاتیاں
میتے بٹانڈ، لاہور

زاہد بیکر زائید کنفیڈنسز
انڈرون موچی گیٹ لاہور
۶۶۵۴۲۸

کسی سے اتحاد و وداد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو (ترجمہ آیت) اب تو کسی مفتی کے اس بکے کی مچاکش نہ رہی کہ یہ علم صرف یود و نصاریٰ کے لئے ہے۔" (۳۳۵)

"موالات مطلقاً ہر کافر، ہر مشرک سے حرام ہے، اگرچہ ذی مطیع اسلام ہو، اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی (عزیز) ہو۔" (۳۳۶)

مسجدوں میں لے جانا

ہندوؤں کو مسجدوں میں لے جانا اور ان سے تقریریں کرانا بلاشبہ ایک ناپسندیدہ اور غیر شرعی فعل تھا، ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم خود ٹپاک ہو کر مسلمانوں کو ملچہ سمجھے، اسے منبر نبوی پر بٹھانا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں، قوم پرست مسلمانوں نے جب مسٹر گاندھی اور شرومانند جیسے مشفق اور اسلام دشمن ہندو بت پرست لیڈروں کو مساجد میں لے جا کر ان سے تقاریر کرائیں تو دردمند مسلمان رتپ اٹھے، ان کی قربانی کرتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"جب ہندوؤں کی غلامی، غمناکی، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری، وہ جنہیں ملچہ جانیں، بھٹی جائیں، تھمارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے، ہندی ہو جائے، سودا بھین تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے یا پٹکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوا لیں، حالانکہ حکم قرآن خود وہی نہیں ہیں اور تم ان تجھوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ جو تمہارے ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھو، مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا۔ ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر جبکہ النبی یعنی و بھسم (تو) کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا کر دیتا ہے) کا رنگ پھر گیا، سب جانے دو، خدا کو بھی منہ دکھانا، یا بیش مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے، بوز تھا تو یوں کہ کوئی کافر دباؤ، ایل و خوار مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں جنس بت پرستوں، مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ، اسے مسند مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھاؤ، مسلمانوں کو گنجا کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ، کیا اس سے باز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے، حاشائے ماشاء اللہ! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افترا، زنا، احکام الہی دانستہ بدنامی اور کبکری بتا کر لگانا نہ ہو گا۔" (۳۳۷)

غیر شرعی حرکات

تحریک خلافت و ترک موالات کے جذباتی دور میں مذہب کا امتیاز اٹھ رہا تھا، مسلمان مکمل عام شریک رسوں میں شرکت کرنے لگے، شعاؤ اسلام بتدریج مٹانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں، اس تکلیف دہ صورت حال کے

ہندو تو بادیان اسلام ہیں، آیتیں صرف نصاریٰ کے بارے میں ہیں اور نہ کل نصاریٰ فقط انگریز اور انگریز بھی کل تک ان کے مورد نہ تھے، حالات حاضرہ سے ہوئے، ایسی ترمیم شریعت و فقہ احکام و تبدیل اسلام کا نام خیر خواہ اسلام رکھا ہے۔" (۳۳۵)

بعض خلافتی لیڈر اس حقیقت کو تسلیم کر رہے تھے کہ ہندو مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں، انہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہندوؤں سے موالات پر اصرار کر رہے تھے، اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

"ہمارے بچہ تعالیٰ میں یہ تو قیولہ کہ ہندو مسلمانوں کو نیست و نابود کر رہے ہیں، ہر مذہب والا میں وہ بھی داخل ہیں اور کٹار پور، کلکتہ، آری، شاہ آباد کی نظیریں تخصیص بعد عیم، اب کدھر جائیں گی، آپ (مولانا عبدالباقی) کی اور مسٹر ابوالکلام و سائر لیڈر کی وہ جاہلانہ کوششیں کہ ہندو لم یقاتلو کم فی اللہ ہیں، ان سے نیک برآؤ کو قرآن عظیم منع نہیں فرماتا اور سب صاحبوں کا یہ حیلہ باطلہ کر کے قرآن کریم سے ہزاروں کوس آگے بڑھ جانا برے وداد۔۔۔ وداد سے اتحاد۔۔۔ اتحاد سے غلامی و انقیاد تک دوڑ جانا حتیٰ کہ مسٹر آزاد کا واحد قرار پر منہ بھر کر یہ افترا اٹھانا کہ ان کافروں سے محبت کرنا اسلام کا حکم ہے، انا للہ و انا الیہ راجعون انما یفتی الکتاب اللہ لا یوسفون۔۔۔ اب کہ آپ نے قبول دیا کہ ہر مذہب والا مسلمانوں کو نیست و نابود کر رہا ہے تو قطعاً کسی غیر مسلم سے موالات برتنے والا اللہ عزوجل کا مخالف اور اس کے دشمنوں کا ساتھی اور حکم قرآن لاندہ منهم کا مستحق و ذلک جزاؤ الظالمین۔" (۳۳۷)

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقہ، چودھویں صدی کے کسی نام نہاد مجتہد کو یہ اختیار دینے کے حق میں نہیں تھے کہ وہ "حالات حاضرہ" کا بھانہ بنا کر اسلامی احکامات میں تبدیلی کرے، اس لئے وہ نہایت سختی کے ساتھ اس بات پر ڈٹے رہے کہ جب موالات ہر کافر سے حرام ہے تو یہ حکم ہندوؤں پر بھی لاگو ہونا چاہئے، فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

"موالات ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے، اوپر واضح ہو چکا کہ رب عزوجل کثرت مولویوں کی طرح، احکام فرماتے تو بدور زبان ان میں سے کسی کافر کا لہجہ نہ تھا، ان کے لئے یہ حق تھا کہ وہ خود قرآن کریم کی تحریف شدید

لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا، "ہاں مولوی مرقہ، جس سے چنداں واسطہ نہ تھا، یوں کہنا چاہئے، موالات قطعاً حرام ہے، لیکن اگر ان کے لئے یہ حق تھا کہ وہ خود قرآن کریم کی تحریف شدید کر لیں، تو یہ بھی ممکن تھا، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا،" (۳۳۷)

تقریباً حالت فاضل بریلوی رحمت سے بات تو ہندوستان سے آئے ہیں، ان سے غور فرماتے اور پھر اسے ہمارا تحریر کیا، کہ جاؤ، اب جبکہ اسی کے مطابق فتویٰ ہے، ہمارا کہہ کر، یہاں سے میرے یہ دور پامانہ

اللہ علیہ نے اسی سوال کو اٹھاتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

”اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا ہمارے جبری خیر خواہ جملہ ہندو بھی ایسا ہی کریں گے اور ہمارے ہی طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے، حاشا ہرگز نہیں، زہار نہیں اور جو دعویٰ کرے، اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں، اتحاد و وداد کے جوئے بھولوں پر بھولے ہو، منافقانہ میل پر بھولے ہو، سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمینداری چھوڑ دی ہو کہ میاں مالی نسبت یکی یا اس سے بھی کم ہے، اگر نہیں دکھائیں تو مکمل کیا کر ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا“ (۳۳۳)

تعلیمی امداد

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان قاضی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، دیگر صحیح اندک مسلمان راہنماؤں کی طرح اس بات کے حق میں تھے کہ مسلمان تعلیم حاصل کر کے ترقی کریں، اور گورنمنٹ سے امداد لینے والے تعلیمی اداروں کا پانکٹ نہ کریں، نیشنلسٹ مولویوں کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے قاضی بریلوی رقمطراز ہیں:

وکتیری ٹیلرز

لیڈ می اینڈریسٹریز

سید احمد ایسے جاتے ہیں
جو چاندنی کی مکمل گارنٹی



مدد بازار سرور روڈ دکان 933
میدنہ بازار، لاہور

دہلی

پیش نظر اسلام سے محبت کرنے والے مسلمان پریشانی کا شکار تھے، قاضی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان غیر شرعی حرکات پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

”آیت کریمہ لا یتھکم نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواصلات ہی کی تو رخصت دی یا یہ فرمایا کہ (۱) انہیں اپنا انصار بناؤ (۲) ان کے گھر یا دار بنا دو جاؤ (۳) ان کے طاغوت کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ (۴) ان کی بے پاکو (۵) ان کی حمد کے نعرے مارو (۶) انہیں مساجد مسلمین میں بادب و تعظیم پہنچا کر (۷) مسند مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جا کر (۸) مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واقعہ وادی مسلمین بناؤ (۹) ان کا سردار بیڑہ اٹھاؤ (۱۰) کندھے پر تختگی زیاں پر بے یوں مرگٹ میں پہنچاؤ (۱۱) مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ (۱۲) ان کے لئے دعائے مغفرت و (۱۳) نماز جنازہ کے اعلان کراؤ (۱۴) ان کی موت پر بازار بند کرو، سوگ مناد (۱۵) ان سے اپنے ماتھے پر تھپتھپاؤ، ان کی خوشی کو شکار اسلام بند کراؤ (۱۶) گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ۔ (۱۷) کھانے والوں کو کینہہ بناؤ (۱۸) اسے شل سوڑ کے گناؤ (۱۹) خدا کی قسم کی جگہ رام دہائی گاؤ (۲۰) واحد قہار کے اسماء میں الحاد رجھاؤ (۲۱) اسے معاذ اللہ رام یعنی ہر چیز میں ما ہوا، ہر شے میں طول کے ہوا ٹھہراؤ (۲۲) قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں بڑھ کر مندر میں لے جاؤ (۲۳) دونوں کی پوجا کراؤ (۲۴) ان کے سرخند کو کو خدا نے ان کو ہمارے پاس ذکر بنا کر بھیجا ہے یوں معنی نبوت بناؤ، اللہ عزوجل نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہی تو فرمایا: انما انت مذكور تم تو میں ذکر نہ کرو۔ اور خدا نے ذکر بنا کر بھیجا ہے اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا، ہاں لفظ پہنچایا (۲۵) اسے یوں دکھایا، نبوت قسم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے (۲۶) اور امام و پیشوا و بجائے ہندی موعود تو صاف کہہ دیا بلکہ (۲۷) اس کی حمد میں یہاں تک اونچے اڑے کہ ”خاموشی اڑنا ہے تو حد ٹھانے تست“ (۲۸) صاف کہہ دیا کہ ”تج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کر لیا“ (۲۹) صاف کہہ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا۔ (۳۰) صاف کہہ دیا کہ ”ایسا مذہب چاہتے ہیں جو عجم و پرہیز کو مقدس علامت ٹھہرائے گا۔“ (۳۱) صاف کہہ دیا کہ ”ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عبرت پرستی پر ٹار کر دی۔“ کیا آیت کریمہ لا یتھکم میں ان طغوت و کفرات کی اجازت دی تھی۔“ (۳۲)

ہندو اور اسلام مشترک بدعت ہندو مت کے کٹر جانکڑ
ہندو مت کے مذہب ملازمین

خلافت و مولانا لیڈر اور مسٹر گاندھی مسلمانوں سے حوازا دین کا واسطہ دے کر مطالبہ کر رہے تھے کہ ملازمین چھوڑ دو، انگریزوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو لیکن ہندوؤں سے نہ تو یہ ٹھکار کوئی مطالبہ کیا گیا نہ ہی انہوں نے اپنے مفادات کو نہیں پہنچے دی، امام احمد رضا خان قاضی بریلوی رحمۃ

مرحوم کا یہ ایک خوش آئند شاندار ملی کارنامہ تھا جس کے ثبوت و منہ تاج برآمد ہوئے اور مسلم لیگ، دو قومی نظریے اور تحریک پاکستان کو بہت تقویت ملی۔" (۳۳۵)

خلیفہ اور سلطان

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرحومہ کے خیال میں تحریک خلافت مذہبی نہیں تھی، اس لئے کہ اس میں مشرکین بھی بظاہر شریک تھے اور تحریک خلافت و ترک موالات دونوں کے سربراہ مسٹر گاندھی تھے، جس کا نصب العین اسلام کی سرحدی کے لئے کام کرنا ہرگز نہیں تھا، دراصل وہ ہندوؤں کے لئے سوراج حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے، یہ علیحدہ بات ہے کہ سادہ لوح مسلمان اس حقیقت سے نا آشنا تھے۔ فاضل بریلوی اس دو رنگی اور منافقت پر مبنی سیاست کے قائل نہ تھے۔

خلافتی و موالاتی لیڈروں نے ان پڑھ مسلمانوں کو بے وقوف اور اپنا ہمنوا بنانے کے لئے یہ مشہور کرا دیا کہ ترکی کا سلطان خلیفہ اور ترکی سلطنت خلافت ترکیہ ہے، حالانکہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق سلطان اور خلیفہ اسلام اور سلطنت و خلافت کے احکام جدا جدا ہیں، اسلامی تعلیمات کی رو سے خلیفہ اور خلافت کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے جبکہ سلطان و سلطنت کی امداد اور حفاظت حسب استطاعت واجب، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ عبدالحمید ترکی کا سلطان ہے، اس لئے ہر مسلمان کے لئے حسب استطاعت ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔

جب انگریزوں کے بجائے مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور ملک کی باگ خود خیمبال کی تو ہندوستانی مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ خود ترک عوام بھی اسے خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے اور وہ اس کے خلاف تھے، اس واقعہ نے خلافتی لیڈروں کو ہلا کر رکھ دیا، ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس نئی صورت حال سے کس طرح بچنا جائے، پریشانی کی حالت میں انہوں نے پہلے تو قازمی مصطفیٰ کمال پاشا کی جرات، دلیری اور شاندار فتوحات کی دل کھل کر تحریف کی اور مبارکبادی کے تار روانہ کئے لیکن بعد میں اپنے موقف پر نظر ثانی کی اور غلطی کا اقرار فرمایا۔

لیکن یہ تو بہت بعد کی بات ہے، تحریک خلافت کے ابتدائی دور میں مذہبی میدان میں شکست خوردہ حاصر نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمت اللہ علیہ کو بدنام کرنے کی غرض سے یہ بے بنیاد اور سن گھڑت پروپیگنڈا کیا کہ وہ اندرون خانہ انگریزوں سے مل چکے ہیں اور ان کے کہنے پر نطفہ فتوے دے رہے ہیں، یہ دعویٰ اگرچہ بلا دلیل تھا، اس لئے کہ نہ تو انہیں کوئی خطاب ملا تھا، نہ جاگیر، نہ حکام رس تھے نہ ان کے کسی سا جواڑہ یا رشتہ دار کو کوئی بڑا عہدہ ملا تھا لیکن اس وقت نفاذ ایکی بن چکی تھی کہ ہر بات بغیر

"وہ الحاق و اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف مقرر تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز و حرام ہو گا مگر یہ عدم جواز اس شرط یا لازم سبب سے ہو گا، نہ برہانے تحریم مطلق معاملات، جس کے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں اور خود ان مامنین کی طرز عمل ان کے کذب دعویٰ پر شاید، ریل، تار، ڈاک سے جمع کیا معاملات نہیں، فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقامت میں مال دینا حلال ہوا اور لینا حرام۔ اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک ہیں، ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں، سبحان اللہ! امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی ہمیں کا ہے تو حاصل وہی نصرا کہ مقامت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع، اس الٹی عقل کا کیا علاج۔" (۳۳۶)

مولانا رحیم بخش قریشی (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ تحریک ترک موالات کے مسئلہ میں مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء ڈاکٹر ضیاء الدین سے ملے (جو اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے) اور اساتذہ و طلبہ علی گڑھ یونیورسٹی کو ترک موالات اور خلافت و کانگریس میں شامل ہونے کا مشورہ دیا اور حکومت کی امداد بھی بند کرانے کی رائے دی لیکن ڈاکٹر صاحب نے مولانا محمد علی کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے فتوے کی ایک کاپی دکھائی اور کہا کہ اس فتوے کی موجودگی میں ہم یونیورسٹی اور طلبہ و اساتذہ کے بارے میں یہ اقدامات کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس فتوے کے جواب میں کوئی مدلل بیان پیش کر دیں تو ہم آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے تیار ہیں ورنہ منظور ہیں لیکن اس فتوے کا جواب ممکن نہ ہو سکا، اگرچہ مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء نے مسلم یونیورسٹی کو کچھ عرصہ کے لئے منقل کر دیا اور جذباتی شدت کے نتیجہ میں یونیورسٹی کے مقابلے میں اس کے متضاد ایک نئی تعلیمی درسگاہ جامہ علیہ قائم کر دی لیکن سرسید کی یادگار قومی جامہ (مسلم یونیورسٹی) حمیدہ قومیت اور ترک موالات کے سیلاب کی زد میں آنے سے محفوظ رہ گیا۔ قائد اعظم کا موقف بھی تحریک خلافت کے دوران میں مین سٹرا تھا، دعوے کے گاندھی کے پرفریب چال ترک موالات مرحومہ کو پھانسنے کی خاطر ان کا خیال تھا کہ ترک موالات اور ہجرت کی آپ نے صاف انکار کر دیا، مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے اور کتا مولوی مرتضیٰ احمد علی کے دھوکے میں نہ لانا، ایک زیر دست سازگرم کر ان کے دست سے چننا واسطہ نہ تھا، یوں کہنا چاہئے کہ مولانا بریلوی کی فہمی برائیا عملی کارکن کی بجائے ایک مثالی رہبر یعنی "میرزا محمد علی جوہر" کو غلطی سے مل گیا۔" (۳۳۷)

موجودہ حالت فاضل بریلوی رحمت اللہ علیہ کی بات تو ہندوستان سے آئے، ان کے خیال سے غور فرماتے اور پھر اسے جہاد کو، یہاں سے ابھرنے سے روکتا ہے، اب ایک اسی کے مطابق فتویٰ

"(۶) خلیفہ بلا وجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کرنے سے معزول نہیں ہو سکتا۔
(۷) سلطنت کے لئے قریشیت و رکنائے حریت بھی شرط نہیں، بہترے غلام بادشاہ ہوئے۔" (۴۵۲)

قوم پرستوں پر گرفت

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیشنلٹ لیزروں اور مولویوں کی ہندو پرستی پر انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ہندوؤں کے مظالم سے آگاہ کیا، ان کے درو مند دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں کو مشرکین ہند کے رحم و کرم پر بیشک کے لئے چھوڑ دیا جائے، یہ تاثر ان کی تحریروں کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے، لکھتے ہیں:

"وائے غربت اسلام و انصاف کیا کوئی ان سے اتنا کئے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بافضل عمارتیں سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار باقی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ عمارتیں قائم خالین کافرن گرفتار ہوئے، ان پر ثبوت اللہ، جرائم کے انبار ہوئے، تمہاری چھاتی دھڑی، تمہاری ماسا پھڑی، گھبرائے، تھلائے، پٹنٹائے، جیسے الگوئی کی چٹائی بن کر ماں کو درد آئے، فوراً گر کر گرم دھواں دھار

کسی دلیل کے تسلیم کر لی جاتی تھی، ہر شخص ہوش سے کم اور جوش سے زیادہ کام لے رہا تھا، اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی رتھراز ہیں:

"معلوم تھا کہ کر تو کچھ نہیں سکتے، (۱) خود نہ وہ، خالی چچ پکار کا نام حمایت رکھتا ہے، (۲) اہل عقل و دین اول تو غوثائے بے شر کو خود ہی عبت جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قائم رہیں گے اور اگر شاید شرکت جائیں تو انہیں مذہب اہلسنت ہر شے سے زیادہ عزیز ہے، مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے لہذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہلسنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عام ان سے بد شکلی اور دیوبندیت و دہائیت کے پٹے جنیں۔" (۴۴۶)

امام احمد رضا کا یہ کہنا کہ "دیوبندیت و دہائیت کے پٹے جنیں" غلط بات نہیں تھی بلکہ اس کی تصدیق مولانا مختار احمد صدیقی صدر جمعیت العلماء ہند صوبہ پنجاب کے ایک خط سے ہوتی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

"وابی اس صوبہ میں اس قوی روپے سے جو ترکوں کے دردناک حالات بیان کر کے وصول کیا گیا تھا، اب تک دو لاکھ (موسوی اسمبلی دہلی کی کتاب) "تقویت الایمان" چھاپ کر مفت تقسیم کر چکے ہیں۔" (۴۴۷)

خلافت اور قریشیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"اہل سنت کے مذہب میں "خلافت شریعہ" کے لئے ضرور "قریشیت" شرط ہے، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حوازی حدیثیں ہیں، اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے۔۔۔ مگر شریعت خلیفہ یا امیر المومنین۔۔۔ ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے، ہوا اس کے جو ساتوں شرط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکوریت، قدرت، قریشیت، سب کا جامع ہو کر مسلمانوں کا فرماں روا ہے اعظم ہو۔"

(۴۴۸)

خلیفہ اور سلطان کا فرق بیان کرتے ہوئے فاضل بریلوی قدس سرہ رتھراز ہیں:

"(۱) خلیفہ سکرائی و جہانپانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب مطلق، تمام امت پر ولایت حامد والا ہے۔

(۲) خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الہی میں تمام امت پر فرض ہے، جس کا خطا خود اس کا منصب ہے۔

(۳) خلیفہ نے جس مہاج کا حکم دیا، حقیقتہً فرض ہو گیا، جس مہاج سے منع کیا، حقیقتہً حرام ہو گیا۔" (۴۴۹)

"(۴) خلیفہ ایک وقت میں تمام جہاں میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین، دس ملکوں میں دس۔" (۴۵۰)

"(۵) کوئی سلطان اپنے انتقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان، اذن خلیفہ کا محتاج ہے۔" (۴۵۱)

فون۔ 6665429

Saddar Gold Smith



فولبورت زیورات تیار ملتے ہیں

اور آرڈر ریچی تیار کیے جاتے ہیں

سوئے چاندی کی مکمل گارنٹی



صدر بازار سرور روڈ دکان 933
میدانے پٹانہ، لاہور

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ اور انگریز

ایک سچے عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اسلام کے شہداء کی حیثیت سے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تمام غیر مسلموں کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے، جس طرح انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی پرزور مخالفت کی، بالکل اسی طرح وہ انگریزوں سے میل جول، ان کی تہذیب و تمدن اور مسلم کش پالیسیوں کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ عمر بھر مسلمانوں کو بھی ملتین کرتے رہے کہ اپنی علیحدہ عظیم بناؤ، اپنے مسائل پر بھروسہ کرو اور اسلام کے تحفظ کے لئے اپنی قوت بڑھاؤ، ہندو مسلم اتحاد کے داعی حضرات کو ان کا یہ رویہ ایک آنکھ نہ بھایا اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر یہ مشہور کرا دیا کہ فاضل بریلوی آزادی ہند کے مخالف ہیں، نعوذ باللہ وہ انگریزوں سے مل گئے ہیں یا کم از کم ان کے افعال سے انگریزوں کے مقادرات کو تقویت ملتی ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، اس الزام کی تردید کرتے ہوئے مولانا بریلوی رقمطراز ہیں:

"اللہ انصاف کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کو خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا، ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو مراۃ، کلام اللہ اور احکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا، مسلمانوں کو خدا گفتی کہنی چاہئے، ہندوؤں کی غلامی چھڑانے کو جو فتوے اہلسنت نے دیئے، کلام الہی اور احکام الہی بیان کئے یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے، وہ جو پیر-پنڈے کے دور میں نصرائیت کی غلامی اپنی تھی جسے اب آدمی صدی کے بعد لیڈر ہونے بیٹھے ہیں، کیا اس کا رد علامے اہلسنت نے نہ کیا، وہ کس کو خوش کرنے کو تھا۔ کیا بکثرت رسائل و مسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے حتیٰ کہ اس کے بیٹے ہندو کے رد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کئے جن میں بابا اس غم نصرائیت کا بھی رد ملتا ہے، یہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔ (۲۵۸)

اللہ و رسول (جل جلالہ) و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ اعلیٰ مسائل سے غلامان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا، صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا واللہ الحمد، سنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار نعمتیں جس نے انگریزوں کو خوش کرنے کو چاہی مسلمانوں کا مسئلہ نکالا ہو نہیں نہیں بلکہ اس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رضائے خدا و رسول نہ تنبیہ و آگاہی مسلمانوں کے لئے بتایا بلکہ اس سے خوشنودی نصرائی اس کا مقصد و دعا ہو اور ساتھ یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار نعمتیں ان پر جنہوں نے خوشنودی مشرکین کے لئے چاہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے، اللہ عزوجل کے کلام و احکام تحریف و تغیر سے کایا پلٹ کر ڈالے، شعائر اسلام بند کئے، شعائر کفر پسند کئے، مشرکوں کو ایم و ہادی بنایا، ان سے دہا و اتحاد

ریویویشن پاس کیا ہے کہ ہے، یہ ہمارے پیارے ہیں، یہ ہماری آنکھ کے آئینے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا، پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی غلامی شہر رنجی تھی، ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں، یہ ہمارے بچے ہیں، کوئی سوچتا ڈاہ نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی لمائی، برتن ایک دوسرے سے کڑک ہی جاتا ہے، ان کے درد سے ہمیں فحش پر فحش آتا ہے، ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کچھ پھٹا، اللہ ان کو معافی دی جائے، فوراً ان سے درگزر کی جائے، یہ ہے آئیہ ممتد پر تمہارا عمل۔" (۲۵۳)

فاضل بریلوی ابوالکلام آزاد کی "ابتدائی ملاجعتوں" کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نقشے میں تمام آئمہ مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں، ان کے ارشادات کو قطعی اور اپنے فتوے کو وحی سے کتب قطعی مانتے ہیں اور سلطان کا نام مصل دیکھا ہے، تمام امت سے اپنی امامت مطہر ہونے کا دعویٰ ہے، دیکھو رسالہ خلافت کا آخر مضمون "اتبعوا اہدکم سبیل الرشاد" (سیرے بیرو ہو جاؤ، میں تمہیں راہ حق کی ہدایت کروں گا) (۲۵۲)

"کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور جڑ ہے اور حدیث و فقہ کا سمجھنا اور وہ من کا ترنہ "ے" اور اہل کا ترجمہ تک کر لینے سے نہیں آتا۔" (۲۵۵)

ایک موقع پر ابوالکلام آزاد نے ہندوؤں کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

"اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ حملہ آور سے مقابلہ کریں بلکہ اگر ایک ہندو قتل ہو جائے تو دس مسلمان اس کے لئے جائیں قریان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

امام احمد رضا نے ان کلمات پر شدید رد عمل کا اظہار فرمایا اور اپنی رہائش میں جو کچھ لکھا، اگر وہ اس پس منظر میں نہ پڑھا جائے تو نہایت ہی نامناسب معلوم ہوتا ہے، امام احمد رضا کہتے ہیں:

دانی بچہ شد ابوالکلامت معلم گفتا من بہر ہندو گوندے آید از افغان بریک ہندو قہا کہم وہ مسلم (ترجمہ) تجھے خبر ہے کہ ابوالکلام نے تجھے کیا پڑھایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ہندوؤں کی سلامتی چاہتا ہوں۔ اگر ہندوستان پر پھان حملہ کر دیں تو میں ایک ہندو پر دس مسلمان قریان کر دوں گا۔ (۲۵۶)

اسی تناظر میں فاضل بریلوی کے یہ جہتے رہا کہ کس بھی قابل توجہ ہیں:

"یہ کون سا دین ہے، نصرائی کی ادھوری سے انتہاب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب، قرمن الملو وقت تحت المیراب ع چلے پر نالے کے نیچے گھرے سینے سے بھاگ کر" (۲۵۷)

پند نہیں فرماتے جس سے کسی بھی غیر مسلم کی تہذیب یا اچھائی کا پلو نکلا ہو۔

"ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انگریز ہندوؤں سے اچھا ہے، آپ نے فرمایا، 'نہیں' انگریز ہندو سے بدتر اور ہندو انگریز سے بدتر ہے۔" (۳۱۳)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کسی بھی زبان کو فی نفسہ سیکھنے کے خلاف نہیں تھے لیکن اگر اس کے سیکھنے سے اسلام پر برے اثرات پڑنے کے امکانات ہوتے تو اس سے متنبہ ضرور فرماتے، انگریزی تعلیم کے مفاسد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انگریزی اور وہ بے سود و خستہ اوقات حلقہ میں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے اس میں دھرم و مصلحت میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں۔ ان میں حیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا۔" (۳۱۴)

انگریزوں نے اپنی زبان، تعلیم اور تہذیب و تمدن کو پھیلانے اور نشوونما کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اس میں انہوں نے اپنے آپ میں سے حسب فضاء کام لیا، اگر امام احمد رضا خدا نخواستہ انگریزوں کے خیر خواہ ہوتے

منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آئیں۔" (۳۵۹)

تجربہ کی بات یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران بعض ذمہ دار لیڈر ایسے بھی تھے جو بیک وقت خلافت کمیٹی کے ممدوں پر بھی فائز تھے اور انگریزوں کے ساتھ بھی ان کا گٹھ جوڑ تھا، نیز خلافت کے نام پر انکشی کی تہی رقوم میں خورد برد کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے لیکن چونکہ وہ اس غیر اسلامی روش کے موید تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بے حد نقصان اٹھانا پڑا، اس لئے انہیں حریت پسندوں کا درجہ ہی حاصل رہا، مولوی عبید اللہ سندھی کا بیان ہے:

محمد خاں تحریک خلافت کمیٹی کراچی کا پریسیڈنٹ (صدر) تھا۔ یہ محمد خاں بہت ہوشیار آدمی تھا، خلافت کے زمانے میں اس نے عقلمندی سے انگریزوں کے ساتھ بھائے رکھی اور خلافت سے بھی۔ (۳۱۵)

تحریک خلافت کے خاتمہ پر جب یہی محمد خاں بے کار ہو گیا تو:

"مولوی امینیل اس کو بھی ساتھ (مکہ معظمہ) لے گیا، محمد خاں پر خلاف کعبہ بنوانے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔" (۳۱۶)

یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ محمد خاں دہرہ دہرہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا، تو اس پر انگریز پرستی کا الزام لگایا گیا اور نہ ہی اسے بے روزگار رہنے دیا گیا، اس کے علاوہ خلافت فذ میں بھی گھپلوں کا انکشاف ہوا تھا۔ "ڈاکٹر چلوئے" امرتسر میں خلافت کمیٹی کے اکاؤنٹ کی جانچ پڑتال کے دوران جو بیان جاری کیا، اس سے ضمن اور بد اعتمادی کے شدید اندیشوں نے جنم لیا۔ مولوی داؤد غزنوی اس چھ ہزار روپے کا جو اسے مسٹر شوکت علی نے دیئے تھے، حساب کتاب پیش کرنے سے قاصر رہا، اگرچہ اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ رقم خیرہ پروہینڈا پر خرچ کی گئی لیکن عام طور پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ مذکورہ رقم ایک کوٹھی بنانے پر صرف ہوئی، اس سے قبل یہ انکشاف ہوا تھا کہ ڈاکٹر چلو، آغا مندر خان اور ملک لال خان کو مستقل تنخواہیں ادا کی گئی تھیں۔" (۳۱۷)

انگریزوں سے تعلقات استوار رکھنے اور خلافت فذ کے استعمال میں بے قاعدگی پر کہیں سے بھی صدائے احتجاج بلند نہیں کی گئی، غائب کا نشانہ بنے تو صرف وہ لوگ جو مسلمانوں کے مفادات کا خیال رکھتے ہوئے ہندوؤں کی میانہ روی سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے، ستم خیزی کی بات یہ ہے کہ تحریک خلافت و ترک موالات کے خاتمہ پر اگرچہ کچھ قوم پرست لیڈروں نے اعتراض حق کر لیا لیکن ان میں سے بعض اپنے غلط موقف پر قائم رہے، وہ اور ان کے موجودہ دور کے معتقدین ان تحریکوں کے مخالفین کو انگریزوں کا ایجنٹ منوانے پر اصرار کرتے اور کر رہے ہیں، حالانکہ تحریک پاکستان کے آخری دنوں میں یہ راز بھی راز نہ رہا کہ انگریز تقسیم ہند کے مسئلہ پر ہندوؤں کے جھڑپے اور آج بھی یہ دونوں اقوام ہر اس بات کی مخالفت کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو معمولی سا فائدہ بھی پہنچنے کا احتمال ہو۔

بات ہو رہی تھی انگریز اور فاضل بریلوی کی، حضرت کسی ایسی بات کو

رضا

میدلسین کتب خانہ

59

علامہ اقبال روڈ
گڑھی شاہو لاہور

فون: ۶۲۶۶۱۷۷

اسی حضرت نے فرمایا کہ میں انگریز کی عدالت میں نہیں جاؤں گا۔ عدالت سے وارنٹ بھی جاری ہوئے لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ محض سوداگراں بریلی شریف کی تمام گلیاں اور بازار اعلیٰ حضرت کے مقدسوں سے پٹ گئے تو ہندوستان کے کوئے کوئے سے آئے ہوئے لوگوں نے میوہل بائی سکول کے وسیع احاطہ میں ہڑتیا دیئے اور کہا کہ ہماری لاشوں سے گزر کر ہی گورنمنٹ اعلیٰ حضرت تک پہنچ سکتی ہے۔ آخر ایک صاحب (حشت اللہ ایڈووکیٹ) نے جو سرسید کے ساتھیوں میں سے تھے، کوشش کر کے فریقین میں صلح کروا دی، صلح نامہ عدالت میں داخل کر دیا گیا۔" (۳۶۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی قدس سرہ انگریز کو کسی طرح بھی کوئی فائدہ پہنچانے کے حق میں نہیں تھے، مولانا محمد حسین بریلی میرٹھی، حاجی علاؤ الدین کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے مابین یہ گفتگو ہوئی، مولانا محمد حسین میرٹھی کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

"حضرت نے دریافت فرمایا کہ آپ کے خطوط آتے ہیں، ان میں نکت زیادہ لگے ہوتے ہیں، حالانکہ ○ (دو پیسے) میں لٹاف آتا ہے، حاجی (علاؤ الدین) صاحب نے فرمایا کہ حضور ○ (دو پیسے) کے نکت تو عام لوگوں کے خطوط میں لگائے جاتے ہیں، فرمایا کہ بلاوجہ نصاریٰ کو روئے پہنچانا کیسا؟ حاجی صاحب نے تسلیم کیا اور چھوڑنے کا وعدہ کیا۔" (۳۶۸)

ندوۃ العلماء کے لئے گورنمنٹ نے ایک وسیع قطعہ اراضی کے علاوہ معقول گرانٹ بھی دی، اور ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو سر جان بیٹ لینینٹ گورنر ممالک متحدہ نے دارالعلوم کی مالی شان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا، (۳۶۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء انگریزوں کی منظور نظر تھی، اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء نے روحِ رواں شیخ نعمانی کے متعلق عبدالماجد دریابادی کا یہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے:

"میں اس وقت گیا۔ مولانا (شیخ نعمانی) بہت دیر تک حقیقہ میں گفتگو کرتے رہے، باحاصل یہ تھا کہ گورنمنٹ تین کھل بجھ سے بدظن ہے، خصوصاً معاملہ کانپور کے متعلق میری نگہوں سے، حکیم، ہنسل خان، حازق الملک مجھے آج مسٹر جنرل چیف سیکرٹری کے پاس لے گئے تھے، وہ بہت کبیدہ تھے، حالانکہ اس سے پچھتر نہایت اخلاق و تپاک سے ملتے تھے، تم اس سے باز رہیں، چھٹی اس مضمون کی میری طرف سے کلمہ دو کہ میں عدالتِ انگریزی گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں، میری بیش یہ کہ بخشش ہی ہے۔ شوق و مغرب کے درمیان پکارت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے ہمدردی نمایاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں، دور ہوں، چنانچہ اس پر میری تصانیف شاہد ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں، میں نے اندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وقاداری قربا، فرض ہے اور اسی سال ندوہ کے سالانہ جلسہ میں وقاداری کا ایک رزلویشن بھی پاس کرایا۔ پھر معاملہ مولوی عبدالکیم میں مجھے محض اس جرم پر کہ میں نے اپنے ضمیر کے مطابق ایک باغیانہ مضمون

تو ان کی تحریروں میں اتنی شدت کبھی نہ ہوتی، وہ مخالفت میں ایسا اور قہر استعمال نہ فرماتے بلکہ انگریزی تعلیم اور تہذیب و تمدن کی تعریف و تائید کرتے یا کم از کم خاموش رہتے۔

حکام وقت سے ہمدردی رکھنے والوں نے اپنے آقاؤں سے جائیز حاصل کیں، عزیزوں اور رشتہ داروں کو بڑی بڑی نوکریاں دلائیں، خطابات حاصل کئے، اپنی کمزور مالی حالت کو مستحکم کیا لیکن فاضل بریلی کے متعلق ایسی کوئی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ:

"اعلیٰ حضرت کی انگریز دشمنی کا یہ حال تھا کہ آپ کے والدایان حضرت مفتی شاہ رضا علی خاں اور والد ماجد مولانا تقی علی خاں کی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے جرم میں انگریزی حکومت نے جائیداد ضبط کر لی تھی اور مصلیٰ جائیداد کے بلاوجہ اعلیٰ حضرت بریلی قدس سرہ نے جائیداد کی وکالتی کے لئے انگریزوں سے مطالبہ کیا اور مدعی کی حیثیت سے کورٹ جانا پسند بھی نہ کیا۔" (۳۶۵)

امام احمد رضا فاضل بریلی نور اللہ مرحومہ انگریزی عدالتوں میں مقدمات لے جانے کو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے جلی تحریروں و تجویز کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"اولاً: بائشوا ان محدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصلہ کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھرباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔" (۳۶۶)

اس تجویز پر مسلمانوں کے عمل کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اول یہ یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے بچہ بھی کچی ہو تو منظور نہیں اور پھیری جا کر اگرچہ گھر کی بھی جائے، لٹنے سے دل سے پسند، گرہ گرہ ہر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار جاتے ہیں، یہ آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں، لھل اتم مستھو۔" (۳۶۷)

انگریزی عدالتوں سے آپ کے ساتھ اردوں کو بھی نفرت تھی، مفتی محمد رضا خاں کو ایک مقدمے میں شہادت کے لئے ایک ایسی عدالت میں بلایا گیا جو بریلی سے دو سو میل دور واقع تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا اپنے خلیفہ مولانا عبدالسلام بیہواری کو لکھتے ہیں:

"معاملہ ممبئی میں بحمد اللہ تعالیٰ میرا نام تو نہیں تھا مگر مصطفیٰ رضا کا نام شہور میں تقصیر ہے، وہ مختلف تعالیٰ پھیری سے گھبراتا ہے۔ کل اس نے ایک طویل مضمون لکھ کر دیا کہ قانوناً ۲۰۰ میل کے فاصلے سے حاضر ہونا نہیں پڑتا۔" (۳۶۸)

فاضل بریلی رحمت اللہ علیہ نے خود عمر بھر انگریزی عدالت میں حاضری نہ دی، محترم سید الطاف علی صاحب بریلی کا بیان ہے:

"جب بدایینی حضرات نے اعلیٰ حضرت پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا

خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے لیکن بجے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تاکہ راہ رو اس پر سے گزر سکیں۔"

اس سلسلہ میں ایک استفتاء کے جواب میں نہ تو امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی حکومت کی پرواہ کی اور نہ اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی علی کی خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے ایک مدت تک تعویض کی اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر برواقت اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے مگر افسوس کہ بتنا خوض و تفتیش سے کام لیا، اس کی شاعت ہی بوجہ حق مئی، تاہم جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اعمار حق لازم تھا، عالم مذکور (عبدالباری) سے مراسم قدیم حفظ حرمت اسلام و دفع غلط فہمی عوام پر بحوالہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے۔" (۳۷۷)

جیل پر کے قیام کے دوران، امام احمد رضا کبھی کبھی سیر و تفریح کے لئے جایا کرتے تھے، مفتی محمد برہان الحق جیل پوری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"ایک دن بعد نماز عصر تفریح کے لئے جیمی پر گمن کینٹ فیکٹری کی طرف نکلے، فنی گوروں کی پارٹی، فیکٹری سے اپنے اپنے کارندوں کی طرف جاری

کی اشاعت بند کی، اخبارات میں کالیاں سننا پڑیں، رہا واقعہ کانپور کے متعلق نظمیں تو وہ ایک ہنگامی جوش کا نتیجہ تھیں جس میں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔" (۳۷۸)

انگریزوں کے اس محبوب دارالعلوم کے متعلق پٹنہ کے ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"نمودہ تمام بددیوین، گمراہوں سے دوا و اتحاد فرض کرتی ہے۔۔۔ خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر دیکھتا ہے، گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے، کلہ گو کیسا ہی بددین، بد مذہب ہو، ان میں جو زیادہ متقی ہے، خدا کو زیادہ پیارا ہے، ان میں جس کی توہین کیجئے، خدا و رسول پر حرف آتا ہے، یہ گھٹات اور ان کے امثال خرافات کو اہل نمودہ کی جو روداد ہے، جو مقال ہے، ایسی ہی باتوں سے مالا مال ہے، سب صریح و شدید نکال و عقیم وہاں و موجب غضب ذی الجلال ہیں۔" (۳۷۹)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا کفایت علی کافی نے مراد آباد حصہ لیا، ۱۸۵۸ء میں انھیں پچاسی کی سزا ہوئی، اس وقت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ شیرخوار بچہ تھے، خود فرماتے ہیں:

"مولانا کافی علیہ الرحمۃ کی زیارت آٹھ برس کی عمر میں مجھے خواب میں ہوئی، میری پیدائش کے گیارہ مہینے بعد مولانا کو پچاسی ہوئی۔" (۳۸۰)

انگریزوں کے دور حکومت میں حکومت کے کسی باغی کو ایجنٹ القاد سے یاد کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن فاضل بریلوی نے نعت گو شعراء میں نہ صرف مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار فرمایا بلکہ انھیں سلطان اور اپنے آپ کو وزیر اعظم قرار دیا، فرماتے ہیں:

مکا ہے مرے ہوئے دین سے عالم
یاں نعت شیریں نہیں، تجھی سے بہ

کافی سلطان نعت گو یاں ہے رضا
ان شاء اللہ میں وزیر اعظم (۳۸۱)

سڑک کی تعمیر کو بہانہ بنا کر حکومت نے کانپور میں مسجد کے ایک حصہ کو منہدم کر دیا تھا، مسلمانوں نے اس حصہ کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا لیکن ان پر گولی چلائی گئی، بارہ آدمی شہید، ۳۳ زخمی اور ۱۰۵ گرفتار ہوئے جن پر مقدمہ چلایا گیا (۳۸۲) ۲۶ اگست ۱۸۵۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی علی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے، پینینٹ گورنر سے ملا اور پھر ۲۸ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو ان حضرات نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کرنی، جن میں ایک شرط یہ تھی:

"چند مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے، اس لئے جس جگہ غسل

ہمد

کارمنٹس سنٹر

ہر سکول و کالج کی یونیفارم دستیاب

جین جیکٹ - جرسی - پینٹ - شرٹ - بلیٹ

شلوار قمیض - اور ہر قسم کی ہوزری خریدنے کیلئے

تشریف لائیں

6661145

جسب بک چیک قائم بلڈنگ سٹور و ڈسٹریبٹرز لاکھنؤ

حقی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

"کم بخت بالکل بند ہیں۔" (۳۷۸)

اس واقعہ پر غور کرنے سے ایک حقیقت پسند شخص آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ فاضل بریلوی پر انگریز پرستی کا الزام یا تو غلط فہمی یا بدینتی پر مبنی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خاتمہ پر مولوی رشید احمد گنگوہی پر الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا تھا، مولوی صاحب نے اس بے بنیاد الزام کا جواب دیتے ہوئے عدالت میں بیان دیا:

"میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار رہا ہوں تو مجھ نے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہو گا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے، جو چاہے کرے۔" (۳۷۹)

اس کے برعکس امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ انگریز تو کیا، ایک مسلمان نواب کو بھی سرکار ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، ایک دفعہ مولانا ہدایت الرسول رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سامنے نواب رامپور کو "سرکار" کے لفظ سے یاد کیا تو آپ نے فوراً فرمایا:

بجو سرکار سرکار برکارے سردارے

یعنی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہم کسی دنیاوی سرکار سے فرض نہیں رکھتے، فاضل بریلوی کی تمام تصانیف کا مطالعہ کر جائیے، انگریز تو انگریز کسی مسلمان بادشاہ کے لئے بھی سرکار کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ (۳۸۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا کردار (مسلم زعماء کی نظر میں)

امام احمد رضا اور انگریز

ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے ایک انٹرویو میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کی جانب سے تحریک ترک موالات کی مخالفت کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اس مخالفت کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوؤں کا اثر و رسوخ بڑھے اور مسلمانوں سے ان کا اس قدر زیادہ میل جول ہو، یہ بات انہوں نے انگریز دوستی کی بناء پر نہیں کی تھی بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو انگریز سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا ہندوؤں سے ہے۔" (۳۸۱)

ڈاکٹر سید مطلوب حسین (ڈپٹی ڈائریکٹر وزارت مذہبی امور) تحریر فرماتے ہیں:

"تحریک ترک موالات ۱۹۳۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی، جس کا

منفرد حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد تھا۔ اس میں ہندو نواز مسلم اکابرین نے اپنے ماضی کے تجربات و مشاہدات سے قطع نظر کر کے اہل ہندو کے آئینی دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا حتیٰ کہ انہیں اپنا قائد اور رضا تسلیم کر لیا۔

امام احمد رضا کو اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا کیونکہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق اتار کر ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیتے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں سوپ کر ان کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیتے۔ قوم پرست مسلمانوں کو ہندوؤں کے اغلامیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضا ان کی نیٹوں کو خوب سمجھتے تھے، اس نے انہوں نے خود کو اس تحریک سے الگ رکھا لیکن اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس بات کو شہرت دی کہ انہوں نے انگریزوں سے پیسہ کھا کر ترک

موالات کے خلاف فتویٰ تحریر کیا جو انگریزوں کے ایما سے لاکھوں کی تعداد میں پھیل کر تقسیم کیا گیا۔ (۳۸۲)

یہ سراسر کذب و اختراء ہے کیونکہ اتنی کثیر تعداد میں فتویٰ کی کاپیاں چھپنے اور تقسیم ہونے کے باوجود ان کے مخالفین ایک نقل بھی فراہم نہ کر سکے۔" (۳۸۳)

روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار میاں عبدالرشید رقمطراز ہیں:

"گاندھی کی آندھی نے جو خاک اڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اکٹڑ گئے اور بیٹائی زائل ہو گئی مگر علامہ اقبال اور قائد اعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہڑبازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی، حضرت احمد رضا خاں بریلوی تھے، آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے، انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں، کانگریسی مسلمانوں نے اپنی صرف ایک آنکھ کھلی رکھی تھی، وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اس لئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پروپیگنڈے کا ظلم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آ رہا ہے۔" (۳۸۴)

تحریک ترک موالات کے رہنما اور امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سیاسی مخالف مولانا مصین الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ترک موالات کی ایک تجویز نمبر ۵، ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوار (امام احمد رضا اور مولوی اشرف علی تھانوی) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔" (۳۸۵)

ہر دو بزرگوار اس امر پر متفق ہو گئے کہ موالات نصاریٰ قلعہ ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ ان کے شاندار استدلال سے عیاں ہے۔" (۳۸۶)

جناب سید الطاف علی بریلوی، سیکرٹری جنرل آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اپنے احساسات و جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الصلوات لا معراج المؤمنون

یہ ایسی بات ہے کہ کوئی منکر الزام اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ (۳۸۹)
مشہور و معروف ادیب و نقاد جناب شوکت صدیقی صاحب رتھراڑ ہیں:
"ان (امام احمد رضا) کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں
کے پروردہ یا انگریز پرست تھے نہایت گمراہ کن اور شرانگیز ہے۔
وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے اس قدر کڑھ دشمن تھے کہ لٹافہ پر
بیشہ لانا محنت لگاتے تھے اور برٹا کہتے تھے کہ میں نے جارج ٹیم کا سر نیچا کر
دیا۔

انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی نکرانی کو تسلیم نہیں کیا، مشہور ہے کہ
مولانا احمد رضا خاں نے بھی عدالت میں حاضری نہ دی، ایک بار انہیں ایک
مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت میں طلب بھی کیا گیا مگر انہوں نے توہین
عدالت کے پابند حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی کہ "میں انگریز کی
حکومت ہی کو جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل و انصاف اور عدالت کو
کیسے تسلیم کر لوں۔" کہتے ہیں، انہیں گرفتار کر کے عدالت میں حاضر ہونے
کے احکامات جاری کئے گئے، بات اتنی بڑھی کہ معاملہ پولیس سے گزر کر فوج
تک پہنچا مگر ان کے جاں نثار بھڑوں کی تعداد میں سر سے نکلن باندھ کر
ان کے گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے، آخر عدالت کو اپنا حکم واپس لینا
پڑا۔" (۳۹۰)

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا احمد رضا نہ بھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے، نہ ان
کی حمایت میں کبھی فتویٰ دیا نہ کبھی اس بات کا کسی طور اظہار کیا، تم از کم
میری نظر سے ان کی کوئی ایسی تحریر یا تقریر نہیں گزری، اگر ایسی کوئی بات
سامنے آتی تو اس کا ضرور ذکر کرتا، اس لئے کہ نہ میرا ان کے مسلک سے
تعلق ہے نہ ان کے خانوادے سے، فقہا شاہ احمد رضا خاں کو علامے سو کے
زمرے میں شامل کرنا سراسر ہستان اور حماقت ہے۔" (۳۹۱)

امام احمد رضا قدس سرہ اور تحریک ترک موالات

روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار میاں عبدالرشید صاحب رتھراڑ ہیں:
بریلوی تحریک کے سربراہ ایسے صوفیاء اور علماء تھے جن کا تعلق
مسلمانوں کے سوا اعظم سے تھا۔ عام طور پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو
اس تحریک کا قائم تصور کیا جاتا ہے، ان کی نسبت سے اسے بریلوی تحریک
اور اس کے ساتھ منسلک لوگوں کو بریلوی "فرقہ" کہا جاتا ہے حالانکہ بریلوی

"سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ
مسلم تھے، انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ جس انصاف
حکم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان
مولانا حامد رضا خاں صاحب و مصطفیٰ رضا خاں صاحب کو بھی شوق نہ تھا۔
ایلیان ریاست اور حکام وقت سے بھی مطلق راہ و رسم نہ تھی۔" (۳۹۲)
مولانا سید محمد جعفر شاہ پهلوانی، جو تحریک ترک موالات کے سرگرم
کارکن تھے، کا بیان ہے:

"ترک موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے قاضی بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق
مشہور کر رکھا تھا کہ "نمودہ باللہ" وہ سرکار کے دلچسپ باب اجٹ ہیں اور
ترک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔۔۔ دراصل ہر دور میں کسی کو
برہان کرنے کے لئے کوئی چٹا ہوا اصطلاحی نقطہ اختیار کر لیا جاتا ہے جس کے
تائید میں اپنی زندگی میں بہت دیکھ چکا ہوں۔۔۔ اس قسم کی خبریں خواہ
ایک فیصد بھی اپنے اندر صداقت نہ رکھتی ہوں لیکن عام لوگ کسی تحقیق کی
ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ کوئی ثبوت طلب کئے بغیر ایمان لے آتے ہیں، ایسے
مواقع کے لئے یہ محاورہ بنا ہے "کواکان لے اڑا"

"ترک ترک موالات میں دوش میں تحقیق کا دوش نہ تھا، اس لئے
ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن جیسے جیسے شعور
آ گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا گیا۔" (۳۹۳)
مولانا کوثر نیازی انگریز پرستی کے الزام کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (امام احمد رضا) انگریزوں کے حامی تھے لیکن
انگریز سے آپ کو اتنی نفرت تھی کہ اپنے فتنے میں انگریز کی پکری میں
جانا حرام قرار دیا اور جب مقدمہ قائم ہوا تو وہ بھی انگریز کی پکری میں نہ
گیا، اس لئے کہ انگریز کی پکری میں جانا اس کے نزدیک حکم الہی کے
قوانین کے خلاف تھا اور جس نے خط لکھا اور لٹافہ پر محنت جس پر ملک
اور انگریز بادشاہ کی تصویر تھی، بیشہ لانا لگایا تاکہ اس کا سر نیچا نہ آئے
اور جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے قبل یہ وصیت کی کہ اس کے گھر میں
جان کاغذ کے انبار ہیں، جتنے ڈاک میں آئے ہوں وہ خطوط اور لٹافے ہیں
جس پر ملک اور بادشاہ کی تصویر ثبت ہو یا جتنے روپے اور سکے ہوں جن پر
ان کی تصویر ہو، وہ سب نکال دیئے جائیں تاکہ فرشتے ہائے رحمت کو آنے
میں دشواری نہ ہو، ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریزوں کے حامی تھے،

وہ حقیقتاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عین مطابق تھا اور اس سے بچانے کے لئے جو نقد نظر آپ نے اختیار کیا، اس کے لئے کسی اور کی بہت نہیں پڑی۔" (۴۳)

فاضل بریلوی کی وفات پر روزنامہ پیہ اخبار لاہور نے تعزیتی نوٹ میں لکھا تھا:

"ترک موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترک موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثنائی ضرورت نہیں، وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترک موالات کا حکم ہے تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترک موالات کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین میں شمار کئے جاتے ہیں، ترک موالات ہونی چاہئے۔ یہ منطق نہایت کمزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترک موالات ہو اور ہندوؤں سے مصلحت سیاسی اتحاد کے لئے موالات رد رکھی جائے، ان خیالات کے لئے وہ لوگ اور وہ مسلمان علماء ہند جو انگریزوں اور انگریزی حکومت سے ترک موالات کے حامی تھے، مرحوم سے بہت ناخوش تھے، یہاں تک کہ آپ کو بائیکاٹ اور بدنام کرنے میں ان کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا گیا، باوجود اس کے مرحوم کا پاسے ثابت اپنے راستے سے نہ ہٹا، اس میں کام نہیں کہ مخالفین تک مرحوم کی اہلی اور بے نظیر قابلیت کے دل سے معزز تھے۔" (۴۴)

جناب اعجاز الحق صاحب قدوسی کا نقد نظریہ ہے کہ:

مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی لیکن ان کی دور رس نگاہیں مستقبل میں اس تحریک (ترک موالات) کے انجام کو دیکھ رہی تھیں، وہ جانتے تھے کہ اس برصغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور واقعی طور پر یہ ایک قریب ہے جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے، خیر، اگر یہ تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت بر شعبہ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہو گی اور جب نہیں کہ یہ اتحاد اکثریت میں اذحام کی صورت اختیار کر لے۔" (۴۵)

امام احمد رضا قدس سرہ اور تحریک خلافت و ہجرت

پریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس محمد علیم صاحب نے ہندوؤں کی حال کو ناکام بنانے کے سلسلہ میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

"پاکستان کی بنیاد دو قوی نظریہ ہے، امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی بصیرت نے اس وقت مسلمانانِ پاک و ہند کو آشنا کیا جب بہت سے متحد اور مستحضر مسلمان لیڈر اور علماء گاندھی اور کانگریس کے پر قریب فصول میں بسر رہے تھے۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے جوش و خروش نے مسلمانوں کو ہوشمندی کی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ ہندوؤں کی سیاہ کاری جو اس پردے میں پنہاں تھی، اس تک مسلمانوں کی نگاہیں نہیں پہنچ رہی تھیں لیکن

کوئی فرقہ نہیں بلکہ سوا اعظم ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے صرف مسلمانوں کے سوا اعظم کے خیالات و اعتقادات کی ترجمانی کی اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بریلوی علماء کی کثیر تعداد نے قید و بند اور دار و رہن کے مصائب برداشت کئے تھے، اس لئے بریلوی تحریک کے رہنما بھی انگریزوں کے سخت دشمن تھے مگر انگریز دشمنی کے تعصب میں انہوں نے ہندو دوستی اختیار نہ کی۔ وہ مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعاون کو ناجائز سمجھتے رہے۔ قائد اعظم کی طرح انہوں نے بھی ترک موالات اور تحریک ہجرت کی مخالفت کی، "یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا، ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا۔ تحریک ترک موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی۔" (۴۶)

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے منسلک ڈاکٹر شرف الدین صاحب اسلامی، امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب گاندھی جی نے انگریزوں کے خلاف تحریک ترک موالات شروع کی اور مسلمانوں کو یہ کہہ کر اس میں شمولیت کی دعوت دی کہ ہندوستان میں بسنے والے ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور انہیں متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف تحریک چلانی چاہیے، اس دعوت کے مضمرات مسلمانوں کے حق میں جتنے خطرناک تھے، بعد کے تجربات نے خود انہیں آشکارا کر دیا، اس خطرے کی طرف سب سے پہلے جس شخص نے نشاندہی کی، وہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی تھے، یہ انتباہ گویا اس دو قوی نظریے کا اعلان تھا جس کی بنیاد پر آج کل پاکستان بنا۔" (۴۷)

مولانا کوثر نیازی، امام احمد رضا قدس سرہ کے موقف کو برحق ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک خلافت اور ایک اور بحث کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، ان سارے موضوعات پر جو امام احمد رضا کا نقد نظر تھا، ہر چند کہ آج بھی اس پر گرد اڑاتی جا رہی ہے لیکن علم سیاست کے تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور دینی اقدار کی ترجمانی سے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی ان کا موقف ہے، کسی اور کا نہیں۔ تحریک ترک موالات میں جب قائدین کانگریس نے یہ صدا دی کہ انگریز کے ساتھ ہر قسم کا قتلِ ختم تو انہوں نے کہا کہ صرف انگریز سے ہی کیوں، ہندو سے کیوں نہیں؟ ہر مشرک اور تمام کافر کے بارے میں ترک موالات کا وہی حکم ہے جو انگریز کے بارے میں ہے، پھر ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف یہ تحریک چلا کر گاندھی کی تہمیدی میں گرفتار ہونے کے مترادف تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جو اس سلسلے میں سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا،

ہندو کا سیاسی تسلط بڑھے گا، مسلمان تعلیم سے بے بہرہ رہے گا تو آسانی سے ہندو کے جھانے میں آ جائے گا، اسے اس کے علیحدہ تشخص سے محروم کرنے میں آسانی رہے گی۔

علامہ اقبال اور قائد اعظم دونوں ان اقدامات کے خلاف تھے مگر اس طوفان میں کوئی ان کی بات نہیں سنتا تھا۔

قائد اعظم ان دنوں سیاست سے الگ تھک ہو گئے۔ ایسے نازک وقت میں حضرت امیر رضا خان اور ان کے عقیدت مند میدان میں اترے اور جگہ جگہ جلسے اور مناظرے کر کے مسلمانوں کو ایسے اقدامات سے روکا جو ان کے لئے سخت ضرر رساں تھے۔ یہ وہ دور تھا جب بعض نام نہاد مسلمانوں نے ہندو لیڈروں کو مساجد میں بلانا اور انہیں منبر پر بٹھا کر ان سے تقریریں کرانا شروع کر دیا تھا۔ حضرت بریلوی نے کہا کہ ہندو مشرک اور بت پرست ہونے کے سبب نجس ہے۔ اسے مساجد میں بلانا احکام قرآن کی خلاف ورزی ہے۔ کفار سے مل کر ایسی تحریک چلاتا جس میں کفار کو بالادستی حاصل ہو، غلط ہے۔۔۔ حضرت بریلوی اور ان کے ساتھیوں کی ان تھک کوششوں سے نہ صرف اس وقت مسلمان بت سے خطرات سے بچ گئے بلکہ ان کی سرگرمیاں دو قوی نظریے کو باقی رکھنے اور تقویت دینے کا سبب بنیں۔ (۵۰۰)

اس عظیم دانشور اور خدا داد صلاحیتوں سے بہرہ ور فرد فرید نے یہ بانگ دہل اس شاطرانہ چال سے بروقت مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ (۳۹۷)

جس میں محبوب امیر صاحب، فاضل بریلوی کے علمی تعاقب کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”سیاسی میدان میں گاندھی کے قریب نے تحریک خلافت میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کر دیا تھا، مولانا بریلوی نے قبل از وقت مسئلہ خلافت کو اجاگر کیا تھا اور ہجرت سے منع فرمایا تھا، اسی طرح گاندھی کے ذبح پر گاندھی نے امتناع کے قانونی حاصل کئے اور شاعر اسلام پر پابندی لگانے کا ایک نیا انداز اختیار کیا، امام موصوف نے شدت سے اس فکر کا علمی تعاقب کیا۔“ (۳۹۸)

مشہور و معروف مورخ میاں عبدالرشید معاصر دیوبندی مولویوں اور امام امیر رضا کے نقطہ ہائے نظر کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”آپ (اعلیٰ حضرت مولانا امیر رضا خان فاضل بریلوی) بھی قائد اعظم کی طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے خلاف تھے کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس برہمن کے مسلمانوں کے مفادات کے منافی تھیں۔ بیشتر دیوبندی علماء کانگریس کے حامی تھے، ان کا یہ رویہ بڑا عجیب تھا کہ ایک طرف وہ انگریز کی مخالفت کے زور میں ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر گئے تھے اور دوسری طرف وہ فیت یا بیٹھڑم جیسے مغربی نظریے کو جو اسلام کے منافی تھا، اپنا رہنما تھے، اسی طرح ان کا یہ طرز عمل بھی کبھی سے بالاتر تھا کہ جب وہ پارلیمانی جمہوریت کے حق میں تھے تو پھر ہجرت کے ذریعے اندرون ملک مسلمانوں کی تعداد کیوں کم کرنا چاہتے تھے؟ پارلیمانی جمہوریت میں تو سیاسی اقتدار کی بنیاد دونوں کی تعداد قرار دی گئی ہے۔“ (۳۹۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”اس برہمن کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں حضرت (امیر رضا خان) بریلوی نے جو خدمات سر انجام دیں، وہ لائق صد ستائش ہیں۔ گاندھی نے اس تحریک (خلافت) میں شامل ہو کر اس تحریک کو جو بنیادی لحاظ سے پان اسلام یا عالمی اسلامی تحریک تھی، بھری قومیت کی تنگ نظر جغرافیائی تحریک بنا دیا۔ ہندی بیٹھڑم کا مطلب یہ تھا کہ ہند میں مسلمانوں کا کوئی الگ وجود نہیں، یہاں کے سب رہنے والے ایک ہی قوم ہیں، ظاہر ہے کہ یہ نظریہ مسلمانوں کے لئے سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔ اول تو انگریز سے کہنا کہ وہ خلافت ترکی کو بحال کرے، ایک مضحکہ خیز مطالبہ تھا، پھر یہ مطالبہ منوانے کے لئے جو اقدامات تجویز کئے گئے، وہ بھی ہند میں مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ اور یہاں کے ہندوؤں کے لئے فائدہ مند تھے، مثلاً یہ کہ مسلمان یہ ملک چھوڑ جائیں، مسلمان اپنے سکول اور کالج بند کر دیں، ان دونوں اقدامات سے ہندو کو فائدہ تھا، ملک سے مسلمانوں کی تعداد کم ہو گی تو سیاسی اداروں میں ان کی نمائندگی بھی کم ہو جائے گی اور

فائن پینٹس



بہترین گورنگ، لازوال چسک، موسمی اشرا ت سے محفوظ

بلال پینٹ انڈسٹری لاہور۔ فونٹ آفس ۶۶۵۱۱۶۵

کے خلاف اتنا پروپیگنڈا کیا کہ خود مسلمانوں نے جہاد کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیا۔

دوسری طرف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی عظمت کم کرنے کے لئے الگ مہم چلائی جس میں یورپی مستشرقین اور پادری پیش پیش تھے پھر ہندو بھی ان کے ساتھ مل گئے اور سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو دعوے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا کرتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی ایسی باتیں کہتے جو محبت و عقیدت کے ستانی ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو نیشلت تھے یعنی انہوں نے ہندو کے ساتھ حمہ قومیت کا نظریہ اپنا لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے امت مسلمہ کا تشخص اور پہچان ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت نہ رہی تو امت مسلمہ کے الگ تشخص کا احساس بھی ختم ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت امیر رضا خان اور علامہ اقبال میدان میں اترے، دونوں کو مشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وافر حصہ ملا تھا اور دونوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی شمع عوام و خواص کے سینوں میں فروزاں ہوئی۔ اقبال کے مخاطب زیادہ تر مغربی تعلیم یافتہ مسلم نوجوان تھے اور حضرت بریلوی نے عامۃ الناس کے سینوں کو گرما دیا:

طور سوچے از غبار خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

(ترجمہ) طور کی جلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی غبار کی ایک موج ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشانہ کعبہ شریف کے لئے بیت الحرم ہے۔

حضرت بریلوی فرماتے ہیں:

ما جیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

مسٹر گاندھی نے ہندی نیشنلزم کی جو آندھی اٹھائی تھی، اس میں بڑے بڑے عالموں اور زاہدوں کے پاؤں اکٹڑ گئے، جن لوگوں نے اس دوران اپنے ہوش و حواس سلامت رکھے اور جن کی بصارت اور بصیرت اس گرد و غبار سے متاثر نہ ہوئی، ان میں حضرت امیر رضا خان بریلوی، علامہ اقبال اور قائد اعظم سر فرست ہیں۔ (۵۰۳)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کا مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور ہندوؤں کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد شمس الدین چیتیمین شعبہ ابلاغ عامہ جامعہ کراچی رقمطراز ہیں:

”امام احمد رضا کا دور وہ دور ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کے رویے کو بخوبی اجاگر کیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ ہندو

خواجہ حسن نظامی، امام احمد رضا قدس سرہ کا باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت اور بے باکانہ فتویٰ کی تحریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”جس طرح دیوبند کے تذکرہ میں، میں نے قوی کارناموں کا ذکر کیا ہے، اس موقع پر بھی نہایت فخر سے حضرت مولانا (امیر رضا خان) بریلوی کی اس خدمت قوی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے جنگ بلقان، طرابلس اور کانپور میں کی، میرے نزدیک مولانا صاحب کی جرات و دلیری علامہ دیوبند فرجی محل اور تمام لیڈران گرم و سرد سے بڑھ کر ہے۔ انہوں نے جو کام کیا، وہ ایک سے بھی نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہو سکا اور وہ ان کے بے باکانہ فتوے ہیں جو ان مواقع پر انہوں نے لکھے اور باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت کی۔“ (۵۰۴)

وزارت مذہبی امور کے ڈپٹی ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر مطلوب حسین، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا یہ اقدام (یعنی خلافت تحریک خلافت) ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے، وہ جانتے تھے کہ جو بادشاہ اپنے اہل وطن کی نظروں میں قاتل احرام نہ تھا، اسے ہزاروں میل دور ہندوستان میں بیٹھ کر محترم کیسے بتایا جا سکتا ہے اور یہی ہوا کہ جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا نے اسے ”مظلوم کر کے ملک بدر کر دیا اور تحریک خلافت اپنی موت آپ مر گئی۔“ (۵۰۵)

محترم دلی مظہر ایڈووکیٹ، فاضل بریلوی کی راست فکری کی تحریف میں یوں رعب اللسان ہیں:

”حضرت امیر رضا خان کی بلاغت کا ٹلک انداز مظہر مصلحت آمیزی اور دو رنگی کا کبھی قائل نہ تھا۔ آپ نے کانگریسی مولویوں کی طرح کبھی بھی مذہب کی فضیلت کو سیاسی مصلحتوں یا معاشی مفادوں پر قربان نہیں کیا، تحریک خلافت کے ضمن میں آپ جیسے انہیں باتر کی راست فکری کو اس وقت بھی اہل سیاست اور حاکمان شعور نے سراہا اور آج بھی اسے تسلیم کیا جا رہا ہے، جہاد فکر و بصارت کے اس قافلہ سالار نے آج سے زائد از نصف صدی قبل اپنے فکر و آگہی سے جو فیصلہ کیا تھا وہ کتنا درست تھا، بعض طبع ناپاس کے حامل معترضین کل بھی فکری ان بلندیوں کا ادراک نہ رکھتے تھے اور آج بھی ان جیسوں کی سوچ وہی ہے۔“ (۵۰۶)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور مسئلہ قومیت

اعلیٰ حضرت مولانا امیر رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے، روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار میاں عبدالرشید رقمطراز ہیں:

”انگریزوں نے بالخصوص اور دیگر یورپی اقوام نے بالعموم۔ اسلامی جہاد کو، جو صرف حق پھیلانے کی خاطر کیا جاتا ہے، وحشیانہ قرار دے کر اس

اندازہ فرمائیے، کیا یہ نکات دو قوی نظریہ کی بنیاد نہیں ہیں؟ کیا یہ دو قوی نظریہ ہی تحریک پاکستان کی روح نہیں ہے، کیا اسی دو قوی نظریہ کی بنیاد پر ہی یہ برصغیر تقسیم نہیں ہوا، کیا اسی نظریہ کے ابطال کے لئے اندرا گاندھی نے سولہ مشرقی پاکستان کے وقت بحرہ و تفریق نہیں کی، تو اس نظریہ کے لئے علمائے حقانی میں سے اعلیٰ حضرت بریلوی نے سب سے زیادہ تحریری کام کیا ہے۔" (۵۰۷)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ نے ہندو مسلم اتحاد کی جس شدت سے مخالفت کی تھی، اس کی ایک جھلک مدیر ماہنامہ "تمذیب الاخلاق" لاہور کے اس ادارتی نوٹ میں دیکھی جاسکتی ہے:

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خاص شہرت تھی، اعلیٰ حضرت کاٹھریوں کی تحریک متحدہ قومیت (اکھنڈ بھارت) کے تحت مخالف تھے اور مسلمانوں کی کسمپرسی اور اخلاقی و معاشی پستی سے بہت رنجیدہ تھے، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ سمیت دین و حمایت ملی بیدار کیا اور تحریک خلافت کے تحت گاندھی جی نے عیاری سے جو ہندو مسلم اتحاد اور ترک موالات کا پر فریب سلسلہ شروع کر کے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی ایسے عالی مرتبت مسلم اکابر رہنماؤں کو بھی اپنا مرید بنا رکھا تھا، اعلیٰ حضرت نے گاندھی اور دوسرے ہندو کانگریسی لیڈروں کے اس سکر و فریب سے عوام ملت کو آگاہ کیا اور زبان و قلم کے زور سے ہندو کانگریس سے علیحدگی اختیار کر کے قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی حمایت و شرکت کی پر زور تلقین فرمائی۔ آخر میں آپ نے اس مسئلہ پر فتویٰ بھی صادر کیا۔" (۵۰۸)

مسلمانوں کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے اور مسلمان اپنی عقلت و خودی کا سودا کر چکا ہے، ہندو یہ بھی چاہتا ہے کہ جب بھی انگریز برصغیر سے رشتہ سربانداغ ہو تو وہ اس کا جانشین بنے اور اپنی اکثریت کی آڑ میں مسلم کشی کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر کر سکے۔ مسلمانوں کو خواب خرگوش سے بیدار کرنے کے لئے آپ نے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا تاکہ انگریز اور ہندو کے فکری تغلب سے نجات مل سکے۔" (۵۰۵)

مولانا کوثر نیازی کے خیال میں دو قوی نظریہ کے بانی دراصل امام احمد رضا فاضل بریلوی ہیں، جن لوگوں نے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا بظرف ناظر مطالعہ کیا ہے، وہ اس بات سے متفق ہوں گے کہ یہ دعویٰ بالکل صحیح اور جہتی بر حقیقت ہے، مولانا نیازی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"سیاست میں ہم دو قوی نظریہ کو علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے ایک قوم ہونے کی مخالفت و تردید جس شد و مد سے امام احمد رضا خان نے کی وہ کسی اور نے نہیں کی، یہ دونوں حضرات بھی اس معاملے میں ان کے مستند ہیں، ان کے راہنما نہیں۔" (۵۰۶)

جناح محمد علی خان ہوتی سابق وفاق وزیر تعلیم بھی دو قوی نظریہ کا بانی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ہی قرار دیتے ہیں، ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

✓ "بڑے بڑے مسلم زعماء نے اعلیٰ حضرت کو اپنے راستے سے ہٹا کر مودت ہندو کے خازن میں لانا چاہا مگر ان کا جواب ایک ہی تھا کہ سب ایک ہی مزاج کے ہوتے ہیں لہذا میں کسی کفر سے مودت قائم نہیں کر سکتا، یہی وہ زندہ حقیقت تھی جو آگے چل کر تحریک پاکستان کی شکل میں متجلی ہوئی، اسی نظریہ کو اکبر اعظم کے دور میں پوری قوت سے امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قلم قرار دیا۔"

اعلیٰ حضرت کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے اسی پیغام کی ترجمانی کی اور انہی افکار و نظریات کو بنیاد بنا کر حضرت قائد اعظم نے تحریک پاکستان فرمائی اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کے ملی تشخص کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ سودی کاروبار کسی بھی صورت میں جائز نہ قرار دیا جائے اور برصغیر کو دارالحرب قرار دے کر سود کو ضرورت قرار دے کر جائز نہ سمجھا جائے تاکہ ہندو ماہوکار غریب مسلمانوں کا خون چسنے والی جوک نہ بن سکے۔ انہوں نے واضح فرمایا کہ مسلمان اپنا بینک قائم کریں تاکہ ان کا قوی تشخص بھی ابھرے اور وہ سرمایہ لگا کر اپنے غریب بھائیوں کے کام بھی آسکیں۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مسلمان صرف مسلمانوں سے لین دین کرے تاکہ تجارت کے میدان میں وہ اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مالی قوت میں بھی استحکام پیدا کر سکے، انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا تاکہ انگریز اور ہندو کے فکری تغلب سے بھی نجات مل سکے اور مذہب سے متعلق قائم ہو اور مستقبل کے قائد پیدا کئے جاسکیں۔

تاج پبلیشٹریز

بہترین پبلیشٹریز کا مرکز

ٹ۔ ۹۰-II پبلیشٹریز و سٹاکس سی

لاہور چھاؤنی، فون نمبر 891715

حوالہ جات

- (۱) سردار محمد خان، چودھری، حیات قاکا اعظم، پبلشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۵۶
- (۲) مشہور غلامی لیڈر مسٹر ایم ایم پکتمال نے ایک غیر مسلم کی قیادت کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ایک گناہگار مسلمان کے مقابلے میں ایک ہندو ولی قیادت کا زیادہ ہتھیار ہے، ہم مسلمان گاندھی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے جناد کو ابھی تک اعلیٰ درجہ پر جاری رکھا ہے (رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء ص ۳۹)
- (۳) محمد اورلیس، مولوی، خطبات مدنی، کتب خانہ مجیدہ ملتان ص ۳۸۰
- (۴) ولیم ایل شرر نے اپنی کتاب "Gandhi A Memoir" مطبوعہ لندن ۱۹۸۱ء میں بعض مسلمانوں اور ہندوؤں کا مسز گاندھی کو مجدد تعلیمی کا ذکر کیا ہے، کیا فرماتے ہیں علماء دین و رجال اس مسئلہ کے کہ گاندھی کے حضور کروڑوں پیشانیوں کے جھکے اور مجدد تعلیمی سے شرک کی بو آتی ہے یا نہیں۔ بیڑا و توجروا۔
- (۵) رشید محمود، راجا، تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۵۳ حاشیہ
- (۶) ماہنامہ ابلاغ (کراچی) بنادی اثنائے آ شعیان ۱۳۹۹ھ، بیاد فقیر ملت ص ۲۰۸
- (۷) (الف) محمود حسن، مولوی و دیگرے شرکت کانگریس کا جواز، دلی پرنٹنگ ورکس دلی ص ۳۔ محمد میاں، مولوی، علماء حق، مکتبہ شیخ الاسلام رحیم یار خان ص ۲۰۳
- (۸) ہندو برلا کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے محتاج نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر موسیٰ "ہندو خدا اپنی طاقت سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں (کاش الہی، مسلم انڈیا، سنار لائٹ پبلیشنگ کمپنی لاہور ۱۹۳۳ء ص ۱۵۷)
- (۹) حسین احمد دہلوی، مولوی، نقش حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۶۵۹ حاشیہ
- (۱۰) راجہ صاحب نے تقسیم ہند کے بعد بھارتی حکومت کو نصیحت کی تھی کہ وہ پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ (محمد منور، پروفیسر، تحریک پاکستان، تاریخی خدوخال، پیپ بورڈ پرنٹرز راولپنڈی ۱۹۹۳ء ص ۲۸)
- (۱۱) دلی منٹراؤ ڈویکٹ، مکتبوں کے چراغ جلد سوم، مجلس کارکنان تحریک پاکستان ملتان ۱۹۸۸ء ص ۱۱۶
- (۱۲) محمد اورلیس، مولوی، خطبات مدنی، کتب خانہ مجیدہ ملتان ص ۳۸۰-۳۸۱
- (۱۳) رئیس احمد جعفری، قاکا اعظم اور ابن کا عبد، مقبل اکیڈمی لاہور ص ۸۶
- (۱۴) جی الائن، قاکا اعظم جناح ایک قوم کی سرگزشت، فیروز سنز لاہور ۱۹۹۷ء ص ۱۹۷
- (۱۵) رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء ص ۱۲۸
- (۱۶) عبدالماجد دریابادی، معاصرین، مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۳۹، عبدالماجد دریابادی، مولوی اشرف علی صاحب قانونی کے خلیفہ تھے۔ وہ قادیانیوں کو بھی مسلمان سمجھتے تھے، دیکھئے:
- (الف) ابوالحسن علی ندوی، مولوی، پرانے چراغ حصہ دوم، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۱ء
- (ب) عبدالماجد دریابادی، آپ جی، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء
- (ج) عبدالماجد دریابادی، حکیم الامت، فیض ناشران و آجران کتب لاہور ۱۹۹۳ء
- (د) امیر القادری، یاد رفتگان جلد اول، الہدیر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۳ء
- (۱۷) Jawaharlal Nehru: An Autobiography, John Lane the Bodley Head London, 1936 Page -119
- (۱۸) رشید محمود، راجا، تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۲
- (۱۹) القادری، محمد، مسعود احمد، پروفیسر، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مدہ تنقیدات و مناقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۸۲-۸۳۔ ب۔ ماہنامہ سیارہ ذابجست (لاہور) نومبر ۱۹۷۷ء ص ۲۰
- (۲۰) رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء ص ۶۹
- (۲۱) محمد عدیل عباسی، قاضی، تحریک خلافت، پروفیسر یو یو سنس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۸۰
- (۲۲) عبدالرشید ارشد، میں بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۲

(۲۳) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور - ۱۹۸۶ء ص ۸۰

(۲۴) ایضاً ص ۱۶-۱۷

(۲۵) برواکلام آزاد: خطبات ابوالکلام آزاد، ایم ثناء اللہ اینڈ سنز لاہور ص ۲۲۹

(۲۶) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۰۲

(۲۷) روزنامہ الحلیۃ (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر پاکستانی ایڈیشن ص ۱۱۳

(۲۸) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۷

(۲۹) رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۷۰

(۳۰) مجلہ برگ گل (کراچی) ۳۰۱ھ جو ہر نمبر ص ۲۷۰

(۳۱) رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۵۵

(۳۲) رشید محمود، راجا: تحریک جہت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۳

(۳۳) عبدالماجد دریا پادی: آپ جی، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ص ۳۳

(۳۴) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۳۹-۲۴۰

(۳۵) الف - رشید محمود، راجا: تحریک جہت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۸

پ - ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۳ نومبر ۱۹۹۹ء ص ۱۳

(۳۶) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۵۷

(۳۷) ایضاً ص ۲۷۶

(۳۸) مولوی احمد علی لاہوری کے خیال میں "مولانا حسین احمد صاحب اس زمانہ کے اولیاء اللہ کے امام ہیں" (ہفت روزہ خدام الدین (لاہور) ۸ جنوری ۱۹۶۰ء ص ۱۳)

(۳۹) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مدد تنہیات و تعاقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۲ - مولوی محمد میاں صاحب فرماتے ہیں:

کس قدر عجیب بات ہے کہ جو لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام ٹوٹا یا داؤھی میں نہیں، وہی گاندھی کیپ کو کفر قرار دے کر آسمان سر پر اٹھاتے ہیں (ماہنامہ

قائد) (مراد آباد) ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کمال نمبر ص ۹

(۴۰) روزنامہ الحلیۃ (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر پاکستانی ایڈیشن ص ۱۳۵

(۴۱) ایضاً ص ۳۰

(۴۲) ماہنامہ الارشاد (انک) جولائی اگست ۱۹۷۶ء حضرت مدنی نمبر ص ۵۷

(۴۳) روزنامہ الحلیۃ (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر پاکستانی ایڈیشن ص ۳۸

(۴۴) ایضاً ص ۲۲۳

(۴۵) عبدالرشید ارشد: میں بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۷

(۴۶) ہفت روزہ خدام الدین (لاہور) یکم جنوری ۱۹۹۱ء ص ۱۳

(۴۷) الف - ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء ص الف

پ - ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء ص ۸

(۴۸) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۵

(۴۹) عبدالحیہ سالک: یاران کمن، چٹان پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۷ء ص ۵۰

فون پارٹی ڈیکوریٹو زائیکسٹرننگ

نئی دکان

نیاسامان

۷۰۸ - دہلی روڈ بازار لاہور کینٹ

پروپرائیٹر
شہباز شیخ
فون ۳۷۹۳۲۲

(۵۰) بہت روزہ خدام الدین لاہور ۳۸ اپریل ۱۹۷۳ء ص ۲۶

(۵۱) Halide Edib: Inside India, George Allen and Unwin Brother Ltd London, 1937 Page 263

(۵۲) Penderel Moon: Wavell the Viceroy's Journal, Oxford University Press Karachi, 1974 Page 336

(۵۳) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت: پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۱۸

(۵۴) شرکت خلیہ لینڈ: انوار رضا: شرکت خلیہ لینڈ لاہور ص ۳۶۱

(۵۵) نور احمد: سید مارشل لاء سے مارشل لاء تک: دارالکتاب لاہور ص ۲۳

(۵۶) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت: پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۳۰

(۵۷) ماہنامہ پیشق (لاہور) نومبر ۱۹۸۸ء ص ۶۸: پنڈت خواہر لال نہرو جس نے اپنی ”آپ جی“ مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء میں مذہب کو یکسر مٹا ڈالنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، یہی اسی منافقت روش پر عمل پیرا تھے، کہا کرتے تھے ”بھائیو! میں تو صرف (مولوی عطاء اللہ شاہ) بخاری صاحب کا قرآن سننے آیا تھا۔ اب میں معذرت کے ساتھ اجازت چاہوں گا کیونکہ برطانوی مشن کی آمد کے باعث مصروفیت زیادہ ہے“ (عبدالرحمن: منشی: کردار کا مکمل، شیخ اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵۶)

(۵۸) فیض احمد فیض: مولانا: سرخیز: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ۲۰۷۲-۲۰۷۳ء ص ۲۷۳

(۵۹) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت: پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۵۳

(۶۰) اس سمجھوتے میں مسلمانوں کے تحفظ کے نقطہ نگاہ سے اصل اہمیت رکھنے والی ایک اور شق بھی شامل تھی جو بہت کم لوگوں کو یاد ہے، اس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کسی مجلس قانون ساز کا کوئی غیر سرکاری ممبر ایسی قرارداد یا مسودہ قانون پیش کرے جسے کسی فرقے کے ممبروں کی تین چوتھائی اپنے فرقے کے لئے نقصان دہ یا ناقابل قبول قرار دے دے تو ایسا بل یا ایسی قرارداد زیر بحث نہ لائی جائے گی۔ (نور احمد: سید مارشل لاء سے مارشل لاء تک: دارالکتاب لاہور ص ۹)

(۶۱) یہی بات مسٹر گاندھی کے حوالے سے ہے ایف سی قر نے اپنی کتاب ”India in Revolt“ مطبوعہ لندن میں صفحہ ۱۶۸ پر لکھی ہے۔

(۶۲) سردار محمد خان: چودھری: حیات قائد اعظم، پبلشرز پرائیویٹ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۶۹-۱۷۰

(۶۳) P. Hard y: The Muslims of British India, Pakistan Publishing House Karachi, 1973 Page 196

(۶۴) ماہنامہ طوع اسلام (دہلی) محرم الحرام ۱۳۵۸ھ/مارچ ۱۹۳۹ء ص ۸۶

(۶۵) ایضاً ص ۸۶

(۶۶) اسرار الرحمن بخاری: اسلام اور مذاہب عالم: نیو بک پبلیش لاہور ص ۷۰

(۶۷) رئیس احمد جعفری: علی برادران: محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء ص ۳۷

(۶۸) محمد امین زہری: سیاست طیر: آتش فشاں: جلی کیشر لاہور ۱۹۹۹ء ص ۱۳۶

(۶۹) ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں: ایک اور مسئلہ ہے جو ایک ہندی نقطہ کے عین میں سوراج کے لفظ میں آیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ بعض لباس کا تفسیر آپ کو حقیقت و معانی سے نا آشنا نہ کر دے“ (پروین روزینہ: حمیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲)

(۷۰) Frank Moraes: Jawaharlal Nehru "A Biography" The Macmillan Company, New York, 1957 Page 74

(۷۱) محمد امین زہری: سیاست طیر: آتش فشاں: جلی کیشر لاہور ۱۹۹۹ء ص ۱۵۳-۱۵۴

(۷۲) نور احمد: سید مارشل لاء سے مارشل لاء تک: دارالکتاب لاہور ص ۲۷

(۷۳) Abul Kalam Azad: India Wins Freedom, Orient Longman Limited Madras, 1988 Page 11

(۷۴) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت: پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۶۳

(۷۵) پروین روزینہ: حمیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۱۳

(۷۶) ایضاً ص ۲۸۸

(۷۷) عبدالرشید ارشد: میں بڑے مسلمان: مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۳۰

(۷۸) رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشت: محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۵۹

(۷۹) پروین روزینہ: حمیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۱

(۸۰) ایضاً ص ۱۳۵

(۸۱) بھٹہ امام احمد ر: کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۳۱۲ھ/۱۹۹۹ء ص ۷۷- ابوالکلام آزاد نے یہ بھی کہا تھا کہ ”اگر خلیفہ کی فوج ہندوستان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان

اس سے بھی لڑنے کو تیار ہو جائیں گے، ہرگز غلطیہ کا ساتھ نہ دیں گے" (محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند: طریق امدنی والا ارشاد الی احکام الامارت والجمادہ)
انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۷۸

(۸۲) رئیس احمد جعفری: اوراقِ تم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۸۵

(۸۳) مجتہد برگ گل (کراچی) ۱۳۰۱ھ جوہر نمبر ص ۳۸۳

(۸۴) محمد ادریس، مولوی: خطباتِ مدنی، کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۹

(۸۵) ماہنامہ الحق (اکوڑہ شنگ) جون ۱۹۸۸ء ص ۱۱

(۸۶) (الف) محمد اکرام، شیخ: رد کوثر، فیروز سنز لاہور ۱۹۷۰ء

(ب) برہان الدین احمد قادری: حضرت شیخ احمد سرمدی کا نظریہ توحید، کتب خانہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء

(۸۷) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۳۷

(۸۸) Jamil ud Din Ahmed: Middle Phase of Muslim Political Movement, Publishers United Limited Lahore, 1969 Page 38

(۸۹) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند: الطاری الداری حصہ سوم، انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۳۱ حاشیہ

(۹۰) رشید محمود، راجانہ: تحریکِ ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۱

(۹۱) رئیس احمد جعفری: علی برادران، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء ص ۴۰

(۹۲) سید سلیمان ندوی کی روایت ہے: (مولانا) حسرت (موبائی) مرحوم نے مجھ سے ایک وفد کا حاکم گاندھی جی جتنی ظفر کی طرح ہر کلام میں دو مقناہ پہلو رکھتے

ہیں اور بیک وقت دونوں کو حق سمجھتے ہیں" (سلیمان ندوی، سید: یادِ رفیقان، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ص ۳۳۶)

(۹۳) عبدالرحمن، نقی: کردار قائد اعظم، شیخ اکیڈمی لاہور ۱۹۷۹ء ص ۳۱۵

(۹۴) محمد امین زہری: سیاستِ ظہر، آتش فشاں جلی کیشن لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۵۸

(۹۵) Horace Alexander: Consider India, Asia Publishing House Bombay, 1961 Page 43

(۹۶) رئیس احمد جعفری: قائد اعظم اور ان کا عہد، متبول اکیڈمی لاہور ص ۸۹

(۹۷) کاش الہی: مسلم انڈیا، شار لائٹس پبلیشنگ کمپنی لاہور ۱۹۳۳ء ص ۳۳

(۹۸) ظفر علی خان: چمنستان، پبلیشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۵۳ء ص ۱۸۷

(۹۹) مجتہد برگ گل (کراچی) ۱۳۰۱ھ جوہر نمبر ص ۱۱۳، مولوی عبید اللہ سندھی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ دیکھئے: محمد سرور، پروفیسر: خطبات و مقالات مولانا عبید اللہ سندھی،

سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۸۳

(۱۰۰) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند: طریق امدنی والا ارشاد الی احکام الامارت والجمادہ، انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۷۸

(۱۰۱) رئیس احمد جعفری: اوراقِ تم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۷۳

(۱۰۲) ایسا ص ۷۳

(۱۰۳) ایسا ص ۷۳

مشاق کلام

مشتاقِ ہاویں

ہر موسم کی وراثی کیلئے
تشریف لائیں
کشمیری بازار
لاہور

لیڈیئر اینڈ سنس
وراثی کامرکز

- (۱۰۳) محمد امجد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۸۱۳-۸۱۴
- (۱۰۵) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد اول ص ۳۱۲
- (۱۰۶) A History of Non-Co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab Lahore, 1925 Page 42
- (۱۰۷) سردار محمد خان: چودھری: حیات قائد اعظم، پبلیشرز یونیٹڈ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۸۰
- (۱۰۸) عبداللہ لغاری: مولوی: مولانا عبداللہ سندھی کی سرگزشت کامل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۶۸
- (۱۰۹) روزنامہ المحدث (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر مطبوعہ گوجرانوالہ ص ۲۱
- (۱۱۰) محمد سرور: پروفیسر: خطبات و مقالات مولانا عبداللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۸۷ء ص ۷۶، ۱۳۵
- (۱۱۱) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۵-۱۳۶
- (۱۱۲) محمد سلیمان اشرف: پروفیسر: انور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۴۱ء ص ۳۵
- (۱۱۳) Jamil ud Din Ahmed: Middle Phase of Muslim Political Movement, Publishers United Limited Lahore, 1969 Page 33
- (۱۱۴) رئیس احمد: پروفیسر: علی برادران، محمد علی انڈیٹی لاہور ۱۹۶۳ء ص ۲۳
- (۱۱۵) ذمہ نیازی: سید: اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۲۳۱-۲۳۲
- (۱۱۶) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۷۷
- (۱۱۷) محمد میاں: مولوی: علاء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول، مکتبہ شیخ الاسلام رحیم یار خان ص ۲۰۲
- (۱۱۸) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۰
- (۱۱۹) A History of Non-Co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab, 1925 Page 44
- (۱۲۰) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۰۳
- (۱۲۱) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲۱
- (۱۲۲) محمد امین زبیری: سیاست گیر، آتش فشاں جلی کیشنر لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۳۳
- (۱۲۳) علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ بھی اس فتویٰ کے خلاف تھے (محمد امجد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۸۳)
- (۱۲۴) محمد امین زبیری: سیاست گیر، آتش فشاں جلی کیشنر لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۳۶
- (۱۲۵) ماہنامہ طلوع اسلام (دہلی) جون ۱۹۳۲ء ص ۵۷
- (۱۲۶) ابوالاعلیٰ مودودی: مسئلہ قومیت، اسلامک جلی کیشنر لاہور ۱۹۸۲ء ص ۹۵
- (۱۲۷) ماہنامہ الرشید (لاہور) فروری مارچ ۱۹۷۶ء دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۳۶۶
- (۱۲۸) ماہنامہ صوفی پنڈی بھاؤ الدین (موجودہ منڈی بھاؤ الدین ضلع گجرات) نومبر ۱۹۴۱ء ص ۳۴-۳۵
- (۱۲۹) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۹
- (۱۳۰) محمد مسعود احمد: پروفیسر: کتابت امام احمد رضا خان بریلوی مدہ تعذبات و تعاقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۸
- (۱۳۱) حسین احمد دیوبندی: مولوی: نقش حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۶۷
- (۱۳۲) Ishtiaq Hussain Qureshi, Dr: The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, MA AREF Limited Karachi, 1977 Page 296
- (۱۳۳) عبدالوحید خاں: آثار و تصورات، مکتبہ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۳
- (۱۳۴) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۰
- (۱۳۵) ڈاکٹر اسرار احمد نے واضح الفاظ میں اس بات کی تردید کی ہے کہ ابوالکلام آزاد کو امام المہدی تسلیم کر لیا گیا تھا، اگرچہ مولوی محمود حسن نے کوشش کی تھی لیکن مسلمان راہنماؤں کے خیال میں وہ اس عہدہ کے اہل نہ تھے۔ خود ڈاکٹر صاحب کا خیال بھی یہی ہے، لکھتے ہیں: "بعد کے حالات و واقعات سے ثابت ہوا، اس عظیم مقصد کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت ہی موزوں نہ تھی" (اسرار احمد) ڈاکٹر: مولانا ابوالکلام آزاد۔ جمعیت العلماء ہند اور حضرت شیخ المہدی مکتبہ جدید پریس لاہور ص ۱۹
- (۱۳۶) محمد عدیل عباسی: قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۰

- (۱۳۷) مجلہ برگ گل (کراچی) ۱۳۰۱ھ تاہر نمبر ص ۱۹۳
- (۱۳۸) مجلہ برگ گل (کراچی) ۱۳۰۱ھ تاہر نمبر ص ۱۹۳
- (۱۳۹) محمد امین ذہیری: سیاست علیہ، آتش فشاں پہلی کیفیت لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۳۶
- (۱۴۰) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ (لاہور) اگست ۱۹۷۳ء آزادی نمبر ص ۱۷
- (۱۴۱) عبداللہ لغاری: مولوی: مولانا عبد اللہ سندھی کی سرگزشت کابل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۰ء ص ۱۱ حاشیہ
- (۱۴۲) محمد انوار الحسن: پروفیسر: حیات عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۹۸۵ء ص ۳۳
- (۱۴۳) مسعود احمد: قادی: سیرت انور، مکتبہ چراغ اسلام لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۸
- (۱۴۴) محمد انوار الحسن: پروفیسر: حیات عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۹۸۵ء ص ۱۷۱
- (۱۴۵) اصغر حسین: مولوی: حیات شیخ الحداد، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۸۱، سید خیر نیازی نے بتایا کہ جامعہ علیہ کا افتتاح ہونے والا تھا تو مولانا (محمد علی) جوہر نے علامہ اقبال کو تار بھیجا کہ وہ آئیں اور اس یونیورسٹی کا تمام انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لیں، علامہ نے معذرت کر دی کہ وہ نہیں آ سکتے (بغت روزہ افق کراچی) ۲۲ تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۸ء ص ۹
- (۱۴۶) اصغر حسین: مولوی: حیات شیخ الحداد، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۸۲
- (۱۴۷) اسرار احمد: ڈاکٹر: مولانا ابوالکلام آزاد۔ جمعیت اسماء ہند اور حضرت شیخ الحداد، مکتبہ جدید پریس لاہور ص ۱۱۳
- (۱۴۸) C.H.Philips: The Partition of India, George Allen and Unwin Ltd London, 1970 Page 406
- (۱۴۹) ایضاً ص ۳۰۸
- (۱۵۰) مجلہ برگ گل (کراچی) ۱۳۰۱ھ تاہر نمبر ص ۱۱۱
- (۱۵۱) محمد اقبال: علامہ: مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۵
- (۱۵۲) محمد حسین بدر: حکیم: منزل امنیں ملی ہو، شریک سفر تھے حصہ دوم، دارالاشاعت خاقانہ پشتیہ ذریہ نواب صاحب ص ۲۳-۲۴
- (۱۵۳) ایضاً ص ۲۳
- (۱۵۴) ترک موالات کی مخالفت کی وجہ سے نیشنلسٹ مولویوں کی طرح، مولانا محمد علی جوہر بھی علامہ اقبال سے ناراض تھے اور انہیں "اقبال مرحوم" کہنے لگے تھے (مجلہ علم و آگہی (کراچی) ۷۹-۷۸ء خصوصی شمارہ ص ۲۳)
- (۱۵۵) محمد احمد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۳۹
- (۱۵۶) محمد اقبال: علامہ: مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۴
- (۱۵۷) محمد احمد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۸۳-۸۴
- (۱۵۸) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- (الف) رشید محمود: راجہ اقبال و احمد رضا، انجمن خدام احمد رضا لاہور ۱۹۷۷ء
- (ب) نور محمد قادری: سید: اقبال کے دینی اور سیاسی افکار، زمیendar ایجوکیشن ایسوسی ایشن ممبئی ۱۹۸۲ء
- (۱۵۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- (الف) محمد اقبال: علامہ: ارمغان حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
- (ب) بذریعہ نیازی: سید: اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء
- (ج) نور محمد قادری: سید: اقبال کا آخری سفر، مطبوعہ لاہور
- (د) حسین احمد دیوبندی: مولوی: مسئلہ قومیت اور اسلام، المجدد اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸ء

پروپرائیٹر
محمد اشرف

آرڈر سپر
روغنی نان، قیہ الے نان،
اور خمیری روٹی بنوائیے

دھلی روڈ
صد بازار
لاہور چھانواونی

اشرف کلچرل شاپ

- (۱۶۰) یہ معلوم ہونے پر کہ قحطی صاحب کا تعلق علماء دہلی سے ہے، پروفیسر صاحب نے تحریری طور پر اس کا اقرار کر دیا کہ میں اپنی اس غلطی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں (محمد عبدالکلیم، اختر شاہین پوری: رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حادیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۸۷)
- (۱۶۱) محمد صدیق، پروفیسر پروفیسر مولوی حاکم علی، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۰۲
- (۱۶۲) نذیر نیازی، سیدہ اقبال کے حضور، اقبال، ادبی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۵۵
- (۱۶۳) محمد اقبال، علامہ مکاتیب اقبال، بنام خاقان نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۵
- (۱۶۴) ایضاً ص ۹۸-۹۹

(۱۶۵) القرآن، انجرات: ۱۰

(۱۶۶) محمد سلیمان اشرف، پروفیسر انور مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۱ء ص ۲۲۷

(۱۶۷) القرآن، توبہ: ۳۸

(۱۶۸) محمد مسعود احمد، پروفیسر تحریک آزادی ہند اور السواد الا عظم، فیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۰۸

(۱۶۹) محمد مسعود احمد، پروفیسر مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مدہ تنقیدات و مناقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۳

(۱۷۰) حاکم علی، پروفیسر قانع الدین واغجار، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء ص ۱۷

(۱۷۱) احمد رضا خان بریلوی، امام کنگز الایمان فی ترجمہ القرآن، چاند کتب خانہ لاہور ص ۸۹۰ (الغاشیہ: ۲۱)

(۱۷۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر تحریک آزادی ہند اور السواد الا عظم، فیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۰۸-۱۰۹

(۱۷۳) القرآن، النساء: ۵۹

(۱۷۴) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۸۰، حالانکہ بعد میں خود مولانا محمد علی جوہر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ: "ایک بد معاش

مسلمان ہزار گاندھیوں سے بہتر ہے" (کنڈ علم و آگہی (کراچی) ۷۸-۱۹۷۹ء اشاعت خاص ص ۵۵)

(۱۷۵) نور محمد قادری، سیدہ: امام احمد رضا کی بیسیت کے چند مناظر، انجمن فدائیان مصطفیٰ کھاریاں لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷

(۱۷۶) رئیس احمد جعفری، اوراقِ حم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۹

(۱۷۷) محمد مسعود احمد، پروفیسر مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مدہ تنقیدات و مناقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۷۷

(۱۷۸) نور احمد، سیدہ: مارشل لاء سے مارشل لاء تک، دارالکتب لاہور ص ۱۳

(۱۷۹) Jawaharlal Nehru: An Autobiography, John Lane The Bodley Head London, 1936 Page 75 (۱۷۹)

(۱۸۰) حامد اشرفی لاہور کے مفتی عبدالرحمن رقتراز ہیں: "ہندوؤں کی طرح زنا باندھ لینا یا چوستانی پر تھک لگ لینا ایسا تشبیہ حرام ہے مگر اندیشہ کفر کا ہے" اس لئے

کہ کھلم کھلا شہاز کفر کا اختیار اس کے قلبی رضا کی علامت ہے اور معاشرو اور عادات اور قومی شعائر میں تشبیہ مکروہ تحریمی ہے" (روزنامہ جنگ لاہور، ۱۶ نومبر

۱۹۸۳ء)

(۱۸۱) اشرف علی قحطی، مولوی: الاقانات الیومیہ حصہ ششم، ادارہ تالیفات اشرفیہ مکتان ص ۲۰۵

(۱۸۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مدہ تنقیدات و مناقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۳

(۱۸۳) محمد سعید، آجنگ پازفت، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۹ء ص ۳۹-۳۰

(۱۸۴) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۶۵

(۱۸۵) عبدالحیہ سالک، یاران کمن، چٹان پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۱

(۱۸۶) رشید محمود، راجا: تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۰

(۱۸۷) ابو سلمان شاہجہان پوری، مولانا ابوالکلام آزاد، ایک شخصیت ایک مطالعہ، پروگریسو بکس لاہور ص ۱۰۳

(۱۸۸) ایضاً ص ۱۰۳

(۱۸۹) Khalid B. Sayeed: Pakistan the Formative Phase, Oxford University Press Karachi, 1978 Page 50 (۱۸۹)

(۱۹۰) عبدالحی کوکب، قاضی: مقالات یوم رضا حصہ اول، داراللمعتین لاہور ۱۹۶۸ء ص ۹۸-۹۹

(۱۹۱) رشید محمود، راجا: تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۵

(۱۹۲) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۹۹

(۱۵۳) ایضاً ص ۱۰۰

(۱۵۴) روزنامہ الملیحہ (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام ٹبرپاکستانی ایڈیشن ص ۲۵۵

(۱۵۵) محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاظم، نیاء القرآن، جلی کیشنر لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۳۰

(۱۵۶) ایضاً ص ۱۳۰

(۱۵۷) ایضاً ص ۱۳۰

(۱۵۸) رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۵۵

(۱۵۹) محمد عبدالکیم شرف قادری: یاد اعلیٰ حضرت، مکتبہ قادریہ لاہور ص ۵۷

(۲۰۰) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۳

(۲۰۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاظم، نیاء القرآن، جلی کیشنر لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۳۱-۱۳۲

(۲۰۲) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر: وسے صورتیں الٹی، قوی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۰۳

(۲۰۳) Abdul Hamid: Muslim Separatism in India, Oxford University Press Lahore, 1971 Page 148

(۲۰۴) رشید محمود، راجا: تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۵

(۲۰۵) محمد امین زہیری: سیاست مدینہ، آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۹ء ص ۱۳۳

Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Lahore 1969 Page 240 (۲۰۶)

(۲۰۷) مطلوب علی زیدی، سید: شعور و آگہی، عزیز جلی کیشنر لاہور ص ۱۰۹-۱۱۰

(۲۰۸) پیام شاہجہانپوری: تاریخ نظریہ پاکستان، کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۸۶

(۲۰۹) ایچ بی خان: برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۱۳۳

Ishtiaq Hussain Qureshi: The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, MA AREF Limited Karachi, (۲۱۰)

1977 Page 311

Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf Lahore, 1969 Page 248, 249 (۲۱۱)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:

Dogu Ergil: Secularism in Turkey, Foreign Policy Institute Ankara

(۲۱۲) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۵۳

(۲۱۳) عبدالحمید جماد زنگی، فیوز سنز لاہور، ۱۹۷۳ء ص ۲۷۳-۲۷۵

Abdul Hamid: Muslim Separatism in India, Oxford University Press Lahore, 1971 Page 148 (۲۱۴)

(۲۱۵) رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۸۸

(۲۱۶) ایضاً ص ۱۳۶

(۲۱۷) ایضاً ص ۱۱۱

(۲۱۸) رئیس احمد جعفری: اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۷۳

A History of Non-Co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab, 1925 Page 18 (۲۱۹)

(۲۲۰) ایضاً ص ۱۸-۱۹

ہر قسم کے زمانہ مرانہ کپڑے کی خریداری کا مرکز
مین بازار قلعہ محمدرحمت پورہ لاہور، غلام رسول اعوان
فون پانی: ۸۰۱۸۶۶ - ۸۰۰۰۷۰

سرگودھا کلاتھ پیس

(۲۲۱) ایضاً ص ۱۹

(۲۲۲) ایضاً ص ۲۲

(۲۲۳) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۲

(۲۲۴) ایضاً ص ۱۳۳

(۲۲۵) ایضاً ۱۳۳-۱۳۴

(۲۲۶) ایضاً ص ۱۳۴

(۲۲۷) رئیس احمد جعفری: اوراقِ گم گشت، محمد علی انکیتی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۷۶

(۲۲۸) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۵

(۲۲۹) فیوض الرحمن، قاری: شیخ اقصیہ اور ان کے عقائد پاکستان بک سنٹر لاہور ص ۱۲۹

(۲۳۰) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf Lahore, 1969 Page 242

(۲۳۱) عبداللہ لغاری، مولوی: مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲۸

(۲۳۲) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۹

(۲۳۳) کوئی ہندو یا سکھ مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کی نیت سے نہیں گیا تھا (مرتب غفرل)

(۲۳۴) عبداللہ لغاری، مولوی: مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲۹-۲۰۰

(۲۳۵) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf, Lahore 1969 Page 243

(۲۳۶) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۵

(۲۳۷) طفیل احمد منگھوری، سید: مسلمانوں کا روشن مستقبل، مدار اکتی لاہور ص ۴۹

(۲۳۸) سردار محمد خان، چودھری: حیات قائد اعظم، پبشرز یونیٹ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۵۸

(۲۳۹) تاریخ بخاری: تحریک آزادی اور باچا خان، نیشنل پبلس لاہور ۱۹۹۰ء ص ۴۱

(۲۴۰) ایضاً ص ۴۲

(۲۴۱) ماہنامہ الحق (کوڑہ ٹنک) شوال ۱۴۰۸ھ/جون ۱۹۸۸ء ص ۱۵

(۲۴۲) اللہ بخش یوسفی: سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ لاہور ص ۲۲۰

(۲۴۳) تذکرہ نیازی، سید: اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۲۳

(۲۴۴) محمد جلال الدین قادری: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۵۵

(۲۴۵) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۳

(۲۴۶) ایضاً ص ۲۱۰

(۲۴۷) بی الٹا: قائد اعظم جناح ایک قوم کی سرگزشت (ستریم رئیس امرودی) فیروز سنز لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۸۷

(۲۴۸) Khalid B. Sayeed: Pakistan the formative phase, Oxford University Press Karachi, 1978 Page 54

(۲۴۹) محمد امین زہری: سیاستِ خیر، آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۳۲

(۲۵۰) Jawaharlal Nehru: An Autobiography, John Lane The Bodley Head London, 1936 Page 471

(۲۵۱) P. Hardy: The Muslims of British India, Pakistan Publishing House Karachi, 1973 Page 198

(۲۵۲) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۱

(۲۵۳) Khalid B. Sayeed: Pakistan the Formative Phase, Oxford University Press Karachi, 1978 Page 52

(۲۵۴) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۵۰

(۲۵۵) ایضاً ص ۱۶۰

(۲۵۶) ایضاً ص ۱۷۳

(۲۵۷) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf Lahore, 1969 Page 245

- (۲۵۹) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۵۳
- (۲۶۰) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۳۷
- (۲۶۱) ایضاً ص ۲۳۸
- (۲۶۲) ماہنامہ قائم (مراد آباد) ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کمال نمبر ص ۵
- (۲۶۳) ایضاً ص ۱۳
- (۲۶۴) ایضاً ص ۱۰
- (۲۶۵) ابوالحسن علی ندوی، مولوی: کاروان زندگی، مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۷۵
- (۲۶۶) محمد امین زبیری: سیاست علیہ، آتش فشاں، علی کیشنر لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۵۱
- (۲۶۷) Frank Moraes: Jawaharlal Nehru "A Biography", The Macmillan Company New York, 1957 Page 88
- (۲۶۸) عبدالرشید ارشد: میں بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۹۳
- (۲۶۹) ایچ بی خان: برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۱۸۷
- (۲۷۰) عاشق حسین ٹٹوی: چند یادیں چند تاثرات، سنگ سیل، علی کیشنر لاہور ۱۹۹۲ء ص ۷۳
- (۲۷۱) Rajindar Prasad: India Divided, Book Traders Lahore Page 122
- (۲۷۲) احمد سعید، پروفیسر: حصول پاکستان، ایکویشن، پمپوریم لاہور ۱۹۷۲ء ص ۱۳۶
- (۲۷۳) عبدالوحید خان: تقسیم ہند، مکتبہ ایوان ادب لاہور ۱۹۵۹ء ص ۳۷ تا ۴۹
- (۲۷۴) J. E. Woolacott: India on Trail, Macmillan and Company Limited London, 1929 Page 115
- (۲۷۵) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۷۱
- (۲۷۶) Wali Khan: Facts are Facts, VIKAS Publishing House New Delhi, 1987 Page 5
- (۲۷۷) ابوالاعلیٰ مودودی: تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ اول (مقدس) - اسلاک، علی کیشنر لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۵-۱۷
- (۲۷۸) Ishtiaq Hussain Qureshi, Dr: The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, MA AREF Limited Karachi, 1977 Page 316
- (۲۷۹) رئیس احمد جعفری: قائد اعظم اور ان کا عہد، مقبول اکیڈمی لاہور ص ۸۶
- (۲۸۰) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۸۱
- (۲۸۱) ماہنامہ درپن (لاہور) دسمبر ۱۹۹۲ء کانگریس نمبر ص ۲۲۶-۲۲۷
- (۲۸۲) روزنامہ جنگ لاہور ۳۱ مئی ۱۹۹۱ء
- (۲۸۳) مجلہ برگ گل (کراچی) ۱۰ جولائی ۱۹۹۱ء نمبر ص ۳۳۲
- (۲۸۴) پروین روزینہ: جمعیت العلماء ہند جلد دوم، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۱ء ص ۵۶۸
- (۲۸۵) ابوالحسن علی ندوی، مولوی: پرانے چراغ حصہ دوم، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۱ء ص ۱۵
- (۲۸۶) اقب - ابوالاعلیٰ مودودی: بانگ مہر، ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۳ء ص ۲۵۶-۲۵۷
- (۲۸۷) Sharif Al Mujahid: Quaid-i-Azam Jinnah, Quaid-i-Azam Academy Karachi, 1981 Page 190
- (۲۸۸) ابوالاعلیٰ مودودی: صدائے رستاخیز، ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۵۱
- (۲۸۹) رئیس احمد جعفری: قائد اعظم اور ان کا عہد، مقبول اکیڈمی لاہور ص ۱۲۷-۱۲۸

صدر بازار
لاہور چھاؤنی

زبیر میڈیکل سٹور

معیاری ادویات
کے لیے

- (۲۸۵) محمد امین ذہبی: سیاست الیہ، آتش فشاں، علی کثیر لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۹۶
- (۲۹۰) شورش کاشمیری: آئینہ خطبات احرار، مکتبہ مجاہدین احرار لاہور ۱۹۵۳ء ص ۱۳۵
- (۲۹۱) پروفیسر روزینہ بیگم: العلماء ہند جلد دوم، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۱ء ص ۶۰۵
- (۲۹۲) عبدالرشید ارشد: میں اپنے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۸۳
- (۲۹۳) سردار محمد خان: چودھری حیات قاسم اعظم، پبلشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۳۵ء ص ۲۳۲
- (۲۹۴) احمد سعید گلزار قاسم اعظم، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۱۹۹
- (۲۹۵) ہفت روزہ استقلال (لاہور) ۲۲ تا ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء تحریک پاکستان نمبر ص ۱۳۳
- (۲۹۶) عبداللہ سید ذاکر: مسائل اقبال، اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۳ء ص ۲۲۲
- (۲۹۷) رئیس احمد بھٹوی: اقبال اور سیاست ملی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۲۰
- (۲۹۸) محمد اقبال: علامہ مکتب اقبال بنام خان نیازالدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۶
- (۲۹۹) رشید محمود: راجا: تحریک ہجرت (۱۹۴۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۳
- (۳۰۰) ہفت روزہ افق (کراچی) ۲۲ تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۸ء ص ۹
- (۳۰۱) Afzal: Selected Speeches and Statements of the Quaid-i-Azam, Research Society of Pakistan Lahore, 1966 page 61
- M. Rafique
- (۳۰۲) احمد سعید گلزار قاسم اعظم، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۱۷۷
- (۳۰۳) نور احمد: سید مارشل لا سے مارشل لا، نکتہ درالکتب لاہور ص ۲۹
- (۳۰۴) بی الاٹن: قاسم اعظم جناح ایک قوم کی سرگزشت (ستریم اردو) فیروز سنز لاہور ۱۹۹۷ء ص ۱۹۸
- (۳۰۵) رئیس احمد بھٹوی: قاسم اعظم اور ان کا عہد، مقبول اکیڈمی لاہور ص ۱۷۷
- (۳۰۶) (الف) حسین احمد: مولوی ستر جناح کا پرچار، محمد اور اس کا عمل، دلی پرنٹنگ ورکس دلی ص ۳۷
- (ب) ماہنامہ قاسم (مراد آباد) ڈی قعدہ ۱۳۵۷ھ کمال نمبر ص ۵۰
- (۳۰۷) Aziz Bag: Jinnah and his times, Babur and Amer Publications Islamabad, 1986 page 348
- (۳۰۸) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۴۷-۴۸
- (۳۰۹) اینڈا ص ۲۲۷-۲۲۸
- (۳۱۰) احمد سعید گلزار قاسم اعظم، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۳۳
- (۳۱۱) اینڈا ص ۳۳
- (۳۱۲) اینڈا ص ۳۳
- (۳۱۳) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۰۲
- Abdul Hamid: Muslim Separatism in India, Oxford University Press Lahore, 1971 page 152 (۳۱۴)
- (۳۱۵) روزنامہ بیہ اخبار (لاہور) ۱۳ مئی ۱۹۹۱ء
- (۳۱۶) (الف) ماہنامہ السواد اعظم (مراد آباد) شوال الحکم ۱۳۳۸ھ ص ۲۰
- (ب) محمد مسعود احمد: پروفیسر تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، خیاب القرآن، علی کثیر لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۲۱
- (۳۱۷) (الف) ماہنامہ السواد اعظم (مراد آباد) شوال الحکم ۱۳۳۸ھ ص ۱۵-۲۱
- (ب) محمد مسعود احمد: پروفیسر تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، خیاب القرآن، علی کثیر لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۲۱-۲۲۵
- (۳۱۸) رشادہ معصومی برفی: روزنامہ سحر، نادری پبلش برقی ص ۱۸
- (۳۱۹) فیض احمد فیض: مولانا مرسد، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ص ۱۳۳
- (۳۲۰) محمد عبدالغنی: ذاکر امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ جلال پور شریف ۱۹۶۵ء ص ۲۶۳-۲۶۴

(۳۶۱) رخصتے مصطفیٰ بریلی: روداد مٹاکرو، نادری پریس بریلی ص ۵

(۳۲۲) ایضا ص ۶

(۳۲۳) ایضاً عرض ہے

(۳۲۳) ایضاً ص ۷-۸

(۳۳۵) غلام معین الدین فیضی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ادارہ محمدیہ رضویہ سواد اعظم لاہور، ۱۹۷۶-۱۹۷۷ء

(۳۳۶) رضائے غسطنی بریلی: روداد مناکرۃ، نادری پریس بریلی ص ۱۰-۱۱

(۳۲۷) غلام معین الدین قمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ادارہ جمعیۃ رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۹۹

(۳۲۸) فیض احمد فیض، مولانا: مہر منیر، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاپورٹ، ص ۲۷۳

(۳۴۵) اسی لئے پروفیسر محمد سلیمان اشرف نے نصیحت فرمائی تھی کہ ”میرے دوست“ فقیر۔۔۔ تمہیں نہایت عاجزانہ و غلامانہ بی صلاح دیتا ہے کہ کسی غیر مذہب میں

جذب ہونے سے اپنے کو محفوظ رکھو۔" (محمد سلیمان اشرف، پروفیسر: الرشاد، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۳۲)

(۳۳۰) محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الافاضل: مجموعہ افاضات صدر الافاضل، ادارہ ضمیمہ رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۲۳

(۳۳۱) ایضاً ص ۲۵۸

(۳۳۲) محمد جلال الدین قادوری: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ، ممبئی ۱۹۷۸ء، ص ۱۵

(۲۲۳) محمد مسعود احمد، 'پروفیسر تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم'، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۳

(۳۳۳) محمد مسعود احمد، 'پردہ فتنہ: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم'، خلیۃ القرآن، مئی ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۳

(۳۳۵) محمد نعیم الدین مراد آبادی، 'صدر الافاضل: مجموعہ افاضات صدر الافاضل'، ادارہ مصحح رضویہ سواہ اعظم لاہور ۳۳-۳۴

(۳۳۶) ایضاً ص ۲۶۶

(۳۳۷) ایضاً ص ۲۵۱* ۲۵۳

(۳۳۸) محمد سلیمان اشرف، پروفیسر سید: الرشاد، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۲۰

(۳۳۹) ایضاً ص ۲۰

(۳۳۰) غلام مصطفیٰ الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ادارہ محمدیہ رضویہ سوات، اعظم لاہور، ص ۹۹ تا ۱۰۱، ملاحظہ

(۳۳۱) محمد مسعود احمد، 'پردہ فتنہ: تحریک آزادی ہند اور السواد الا عظم'، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۲۳۷

(۳۳۲) محمد عبدالغنی، ڈاکٹر: امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ، جلالپور شریف ۱۹۶۵ء، ص ۲۶۳

(۳۳۳) محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الافاضل: مجموعہ افاضات صدر الافاضل، ادارہ محمد رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۲۵۶

(۳۴۴) ایضاً ص ۶۳ تا ۶۵

(۳۳۵) فیض احمد فیض، مولانا: مرنیہ، پاکستان انٹرنیشنل پبلیشرز لاہور، ص ۲۶۸

(۳۳۶) ایضاً ص ۲۷۰

(۳۳۷) تاج الدین احمد تاج، نئی: ہندوؤں سے ترک مذاہلات، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۱۸۔

(۳۴۸) ایضاً ص ۱۵

(۳۳۹) ایضاً ص ۱۶

- (۳۵۰) محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الافاضل: مجموعہ انقاضات صدر الافاضل، ادارہ مصیبت رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۲۲۳
- (۳۵۱) نانک الدین احمد تاج، مثنیٰ: ہندوؤں سے ترک موالات، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۸
- (۳۵۲) ایضاً ص ۱۳
- (۳۵۳) ایضاً ص ۱۸
- (۳۵۴) محمد سلیمان اشرف، پروفیسر الرشاد، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۵-۱۶
- (۳۵۵) ایضاً ص ۱۵-۱۶
- (۳۵۶) ایضاً ص ۱۷
- (۳۵۷) (الف) محمود احمد رضوی، علامہ سید سیدی ابوالبرکات، مطبوعہ لاہور ص ۱۷
- (ب) ماہنامہ رضوان (لاہور) جنوری ۱۹۷۹ء ص ۱۸-۱۹
- (۳۵۸) (الف) ماہنامہ رضوان (لاہور) اکتوبر ۱۹۷۸ء مفتی اعظم پاکستان نمبر ص ۷
- (ب) ماہنامہ رضوان (لاہور) مئی ۱۹۸۹ء ص ۹
- (۳۵۹) (الف) محمد مسعود احمد، پروفیسر قادیانی منظمی، مطبوعہ کراچی ص ۳۲۸-۳۲۹
- (ب) ہفت روزہ افق (کراچی) ۱۸ تا ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء ص ۳
- (۳۶۰) احمد رضا خاں فاضل بریلوی، امامہ دوام العیش (مقدمہ)، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۳
- (۳۶۱) محمد اسماعیل پانی پتی، مقالات سر سید حصہ شانزدہم، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء ص ۳۵۲
- (۳۶۲) محمد صدیق حسن خاں، نوابہ ترجمان و بابیہ، مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ ص ۵۵
- (۳۶۳) (الف) ہفت روزہ اقدام (لاہور) ۲۶ مئی ۱۹۶۳ء
- (ب) محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۶
- (۳۶۴) محمود الرحمن، ڈاکٹر جنگ آزادی کے اردو شعراء، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۶ء ص ۱۳۵
- (۳۶۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۷۵
- (۳۶۶) رئیس احمد، مغربی، بھادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، کتاب خانہ لاہور ص ۸۶۲، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:
- (الف) حسین احمد دہلوی، مولوی نقی حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۳۶۲
- (ب) عبدالشہید خاں شروانی، باقی ہندوستان، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۸ء
- (ج) ہفت روزہ خدام الدین (لاہور) ۲۳ نومبر ۱۹۷۲ء
- (۳۶۷) (الف) اقبال احمد قادری، بی زادہ، تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۲۸
- (ب) محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ تذکرہ اکابر اہلسنت، شبیر برادرزہ پبلشرز لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۲۶-۳۲۷
- (۳۶۸) فیض احمد فیض، مولانا سرمیز، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ص ۲۸۳
- (۳۶۹) محمد آرم رضا، پروفیسر حیات شیخ الاسلام، مکتبہ قادریہ چشتیہ گوجرانوالہ ۱۹۸۳ء ص ۲۳
- (۳۷۰) محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۵۵-۱۵۶
- (۳۷۱) احمد رضا خاں فاضل بریلوی، امامہ دوام العیش (مقدمہ)، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳
- (۳۷۲) ایضاً ص ۳۲
- (۳۷۳) عبداللہ، ڈاکٹر سیدہ سائل اقبال، اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۶۱-۳۶۲
- (۳۷۴) عبدالقیل کوکب، مثنیٰ: مقالات یوم رضا حصہ سوم، رضا اکیڈمی دائرہ المستنقین لاہور ص ۱۰-۹
- (۳۷۵) رشید احمد صدیقی، گہنائے گرانمایہ، آئینہ ادب لاہور ۱۹۶۷ء ص ۲۹ تا ۳۱
- (۳۷۶) (الف) رضی حیدر، خواجہ دو قوی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سورتی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۲ء ص ۲۰
- (ب) ہفت روزہ افق (کراچی) ۸ تا ۱۴ جنوری ۱۹۷۵ء ص ۹

(۳۷۹) محمد عبدالکلیم شرف قادری، مولانا تذکرہ اکابر اہل سنت، شبیر برادرزہ پبلشرز لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۳۸-۳۳۹

(۳۸۰) محمد صادق قصوری، اکابر تحریک پاکستان حصہ اول، نوری پبلز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۷۷

(۳۸۱) ماہنامہ خیائے حرم (لاہور) اگست ۱۹۷۳ء ص ۷۷

(۳۸۲) محمد عبدالغنی، ڈاکٹر: امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ جلالپور شریف ۱۹۹۵ء ص ۲۶۳

(۳۸۳) احمد رضا خان بریلوی، امامۃ الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام، حسنی پریس بریلی ص ۷۷

(۳۸۴) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، مولانا: رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حادیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۰۰

(۳۸۵) عبدالغنی کوب، قاضی: مقالات جم رضا حصہ دوم، دائرۃ المعارف لاہور ص ۵۵-۵۶

(۳۸۶) ولی سترائیڈ و کینت، عنقریب کے چراغ جلد سوم، مجلس کارکنان تحریک پاکستان ملتان ۱۹۸۹ء ص ۱۲۵

(۳۸۷) ایضاً ص ۱۲۹

(۳۸۸) ایچ بی خان: برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۱۲۲

(۳۸۹) رشید احمد کنگوی، مولوی: فتاویٰ رشیدیہ، ایچ ایم سید کتبپٹی کراچی ۱۹۷۳ء ص ۸۲

(۳۹۰) حسین احمد دہلوی، مولوی: سفرنامہ شیخ الحداد، سار پریس دہلی ص ۱۱۰

(۳۹۱) پروین روزینہ، محبت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۳۰۳

(۳۹۲) عبدالحمید خان: جہاد زندگی، فیروز سنز لاہور ۱۹۷۳ء ص ۹۲-۹۳

(۳۹۳) ابوالحسن علی ندوی، مولوی: پرانے چراغ حصہ اول، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ص ۱۶۰

(۳۹۴) رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۵۹

(۳۹۵) اشرف علی تھانوی، مولوی: تحذیر الاخوان عن الرداء فی الهندوستان، اشرف المطابع قحان بھون ص ۸

(۳۹۶) (الف) کرامت علی جعفری، مولوی: اسلامی مجلس مذاکرہ طبع کلکتہ، فول کشور کلکتہ ص ۳

(ب) محمد عبدالکلیم شرف قادری، علامۃ البریل: کا تحقیق اور تنقیدی جائزہ، رضا دارالاشاعت لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۳۸-۲۳۷

(۳۹۷) (الف) کرامت علی جعفری، مولوی: اسلامی مجلس مذاکرہ طبع کلکتہ، فول کشور کلکتہ ص ۲۹-۳۰

(ب) محمد عبدالکلیم شرف قادری، علامۃ البریل: کا تحقیق اور تنقیدی جائزہ، رضا دارالاشاعت لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۳۸

(۳۹۸) فیض احمد فیض، مولانا: سرسبز پاکستان انٹریٹل پرنٹرز لاہور ص ۱۳۰

(۳۹۹) عمر مدنی حسن خان، نواب: ترجمان و بابہ، مطبع عمری لاہور ۱۳۱۲ھ ص ۱۵

(۴۰۰) عمر حسین غلامی، مولوی: الاقتصاد فی مسائل الجہاد، مکتبہ الجہاد چک R-114، تحصیل خانیوال ص ۱۹

(۴۰۱) فضل حسین باری، المیاد بیدار، مکتبہ الاشریہ سابقہ علی ۱۹۸۳ء ص ۸۰

(۴۰۲) محمد عبدالکلیم شرف قادری، علامۃ البریل: کا تحقیق اور تنقیدی جائزہ، رضا دارالاشاعت لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۳۹-۲۳۸

(۴۰۳) ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل حصہ چہارم، اسلاک، علی کیشور لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۹۳-۱۹۴

(۴۰۴) عبدالماجد دریابادی، آپ جی، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ص ۲۶۳-۲۶۴

(۴۰۵) حمید الطمری، باری مسجد، رب پبلشرز کراچی ۱۹۹۰ء ص ۱۵۹

(۴۰۶) عبدالرشید، میان: پاکستان کا پس منظر و پیش منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشکدہ پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۱۰

(۴۰۷) ولی سترائیڈ و کینت، عظیم قائد عظیم تحریک جلد دوم، شعبہ نشر و اشاعت شری مسلم لیگ ملتان ص ۷۹

(۴۰۸) جلد اوج (لاہور) ۱۹۹۰ء، قرارداد پاکستان گولڈن جوبلی نمبر ص ۱۵۵

(۴۰۹) کوش نیازی، مولانا: امام احمد رضا خان بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳-۱۲

(۴۱۰) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامۃ دوام انیش، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۶

(۴۱۱) محمد عبدالکلیم شرف قادری، علامۃ البریل: کا تحقیق اور تنقیدی جائزہ، رضا دارالاشاعت لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۵۵

(۴۱۲) محمد جلال الدین قادری، ابوالکلام آزاد کی تاریخی نگاشت، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۸۲-۸۳

(۴۱۳) بہت روزہ الامام (ماہنامہ) ۷ نومبر ۱۹۸۳ء ص ۶

- (۳۱۳) عاشق حسین ٹانوی، ڈاکٹر: اقبال کے آخری دو سال، اقبال اکاؤٹی پاکستان کراچی ۱۹۶۶ء ص ۱۵
- (۳۱۵) عبداللہ ککب، قاضی مقالات بزم رضا حصہ سوم، رضا اکیڈمی، دائرۃ المعارف لاہور ص ۱۰
- (۳۱۶) مانا میاں قادری، شامہ سوانح اعلیٰ حضرت، امین برادر س کراچی ص ۱۵۷
- (۳۱۷) محمد مسعود احمد، پروفیسر: قاضی بریلوی اور ترک موالات، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۹
- (۳۱۸) ولی منظر ایڈووکیٹ: عظیم قائد عظیم تحریک جلد دوم، شری مسلم لیگ مٹان ص ۶۴
- (۳۱۹) (الف) احسان اعلیٰ عطیہ: بریلویت، ادارہ ترجمان السنہ لاہور ۱۹۹۰ء
- (ب) خورشید احمد، پروفیسر: پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ (مقدمہ)، کتبہ معاویہ کراچی ۱۹۷۰ء ص ۱۳
- (ج) محمد سلیمان اعظم، پروفیسر: مولانا احمد رضا خان بریلوی اور تحریک آزادی برصغیر، بحیثیت البیادیت لاہور ص ۲۲
- (د) ماہنامہ الرشید (لاہور) فروری مارچ ۱۹۷۶ء دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۳۶۳
- (ه) ماہنامہ القادری (کراچی) صفحہ ۱۳۱۳
- (و) بہت روزہ خدام الدین (لاہور) ۸ مارچ ۱۹۶۳ء
- (ز) ایضاً ۱۳ فروری ۱۹۷۶ء
- (ح) ایضاً ۱۳ مئی ۱۹۷۶ء
- (۳۲۰) احمد رضا خان قاضی بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۹۹-۹۸
- (۳۲۱) محمد مصطفیٰ رضا خان قادری، مفتی اعظم: ہندو نظریہ الداری حصہ اول، انجمن ارشاد المسلیین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۱-۳۲
- (۳۲۲) ایضاً حصہ سوم ص ۷۹-۸۰
- (۳۲۳) محمد مسعود احمد، پروفیسر: کتبیات امام احمد رضا خان بریلوی مد تحیات و تعاقبات، کتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۹۰
- (۳۲۴) محمد مصطفیٰ رضا خان قادری، مفتی اعظم: ہندو نظریہ الداری حصہ سوم، انجمن ارشاد المسلیین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۹۰
- (۳۲۵) حسین احمد دیوبندی، مولوی: نقش حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۶۵
- (۳۲۶) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم: ہندو نظریہ الداری حصہ اول، انجمن ارشاد المسلیین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۲۳
- (۳۲۷) شرکت خدیجہ لیکچر: آثار رضا، شرکت خدیجہ لیکچر لاہور ۱۳۹۷ھ ص ۳۶
- (۳۲۸) ماہنامہ نقوش (لاہور) جلد دوم ص ۴۳
- (۳۲۹) احمد رضا خان قاضی بریلوی، امام: المجتہد المومنین فی آیات المتحدہ، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۳ء ص ۵۲
- (۳۳۰) محمد عبدالکیم اختر شاہجہانپوری، علامہ: رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۰۳
- (۳۳۱) محمد عبدالکیم اختر شاہجہانپوری، علامہ: رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵۵
- (۳۳۲) احمد رضا خان، امام: دوام الفیض، کتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۹۵
- (۳۳۳) محمد عبدالکیم اختر شاہجہانپوری، علامہ: رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۸۳-۱۸۴
- (۳۳۴) احمد رضا خان بریلوی، امام: المجتہد المومنین فی آیات المتحدہ، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۳ء ص ۳۳
- (۳۳۵) ایضاً ص ۳۳
- (۳۳۶) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم: ہندو نظریہ الداری حصہ دوم، انجمن ارشاد المسلیین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۸-۳۹
- (۳۳۷) احمد رضا خان بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۲
- (۳۳۸) ایضاً ص ۱۲
- (۳۳۹) احمد رضا خان قاضی بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۲
- (۳۴۰) محمد عبدالکیم اختر شاہجہانپوری، علامہ: رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۵
- (۳۴۱) ایضاً ص ۱۲-۱۳
- (۳۴۲) محمد عبدالکیم اختر شاہجہانپوری، مولانا: رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۸-۳۰
- (۳۴۳) ایضاً ص ۳۰

- (۳۴۳) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، مولانا رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵-۸۶
- (۳۴۵) ادارہ ماہنامہ تہذیب الاخلاق (لاہور) جولائی ۱۹۸۷ء ص ۱۱-۱۲
- (۳۴۶) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ دوام الفیض، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۹-۹۵
- (۳۴۷) محمد مسعود احمد، پروفیسر گناہ بے گناہی، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۳ء ص ۵۵
- (۳۴۸) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ دوام الفیض، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۶-۴۷
- (۳۴۹) ایضاً ص ۵۶-۵۷
- (۳۵۰) ایضاً ص ۵۸
- (۳۵۱) ایضاً ص ۵۸-۵۹
- (۳۵۲) ایضاً ص ۵۹
- (۳۵۳) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۳۶-۱۳۷
- (۳۵۴) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ دوام الفیض، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۰۰
- (۳۵۵) ایضاً ص ۱۰۱
- (۳۵۶) محمد مسعود احمد، پروفیسر مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مع تنقیدات و تحقیقات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۹۸-۹۹
- (۳۵۷) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۳
- (۳۵۸) ایضاً ص ۱۳۲
- (۳۵۹) ایضاً ص ۱۳۳
- (۳۶۰) عبداللہ لغاری، مولوی مولانا عبداللہ سندھی کی سرگزشت کامل، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۳۹
- (۳۶۱) ایضاً ص ۲۳۹
- (۳۶۲) A History of Non-co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab Lahore, 1925 page 41
- (۳۶۳) ماہنامہ نور الفیض (بیسپور) جنوری ۱۹۷۹ء ص ۱۲
- (۳۶۴) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۳
- (۳۶۵) ماہنامہ انوار الصوفیہ (قصور) جنوری ۱۹۷۸ء ص ۱۱
- (۳۶۶) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ تدبیر فلاح و نجات و اصلاح، نوری کتب خانہ لاہور ص ۵
- (۳۶۷) ایضاً ص ۷
- (۳۶۸) محمد برہان الحق بیچلوری، مفتی اکرام امام احمد رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۳۱
- (۳۶۹) محمد مرید احمد پٹینی خیابان رضا، عظیم ہجلی کیشنر لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۳۰
- (۳۷۰) فقیر الدین رضوی، ملک العلماء حیات اعلیٰ حضرت جلد اول، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء ص ۱۳۰
- (۳۷۱) محمد اکرام شفیقہ موج کوثر، فیوض سنز لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۸۸-۱۸۹
- (۳۷۲) عبدالماجد دریابادی، خطوط مشاہیر حصہ اول، تاج کتبچہ لاہور ص ۲۲-۲۳
- (۳۷۳) فقیر الدین رضوی، ملک العلماء حیات اعلیٰ حضرت، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء ص ۱۲۷
- (۳۷۴) محمد مصطفیٰ رضا خاں، مفتی اعظم ہند المظفر حصہ دوم، مدینہ پبلیکیشنز کراچی ص ۵۰
- (۳۷۵) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ حدائق بخشش حصہ سوم، ناشر سلیم پریس ناشر بھارت ۱۰۵-۱۰۶
- (۳۷۶) ایچ بی خان، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۹۶
- (۳۷۷) محمد مسعود احمد، پروفیسر گناہ بے گناہی، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۱-۳۲
- (۳۷۸) محمد برہان الحق بیچلوری، مفتی اکرام امام احمد رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۳۱
- (۳۷۹) ماسق اعلیٰ سرخسی، مولوی تذکرۃ الرشید حصہ اول، مکتبہ بزرگ العلوم کراچی ص ۸۰
- (۳۸۰) امیر رضا بریلوی، امام و اشرف علی قانونی، دو اہم فتوے، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۷ء ص ۵-۶

(۳۸۱) (الف) رضی خدر، خواجہ دو قوی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سورتی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۲ء ص ۱۹

(ب) بغت روزہ الفج (کراچی) ۸ جنوری ۱۹۷۹ء ص ۹

(۳۸۲) محمد ایوب قادری، پروفیسر، مقدمہ "پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ" از پروفیسر خورشید احمد، مکتبہ معاویہ کراچی، ۱۹۷۷ء ص ۱۳

(۳۸۳) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۵ء ص ۸۳-۸۵

(۳۸۴) عبدالرشید، میاں پاکستان کا یس منظر و چش منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشیہ پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۳۰

(۳۸۵) رئیس احمد، نظریہ: اوراق گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۵۷

(۳۸۶) ایضاً ص ۵۳۶

(۳۸۷) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۶ء ص ۹۷

(۳۸۸) محمد مرید احمد، چشتی: جہان رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۲۵

(۳۸۹) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۳۷

(۳۹۰) بغت روزہ الفج (کراچی) ۱۳-۲۱ مئی ۱۹۷۶ء ص ۱۷

(۳۹۱) بغت روزہ الفج (کراچی) ۲۸ مئی، ۳ جون ۱۹۷۶ء ص ۱۸

(۳۹۲) نور محمد قادری، سید: امام احمد رضا کی بصیرت کے چند مناظر، انجمن فدا یان مصطفیٰ کھاریاں ۱۹۸۶ء ص ۸-۷

(۳۹۳) (الف) مصباح الحسن، مفتی سید: کانگریسی مسلمان اور حقائق قرآن، مکتبہ رشیدیہ لاہور

(ب) ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد) جولائی ۱۹۷۱ء ص ۷۹-۸۰

(۳۹۴) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۳۷

(۳۹۵) ادارہ روزنامہ صبح اخبار (لاہور) ۳ نومبر ۱۹۸۱ء

(۳۹۶) اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۲۰۸

(۳۹۷) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۹۹۱ء ص ۵۱

(۳۹۸) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۹۹۲ء ص ۳۳

(۳۹۹) محمد مرید احمد، چشتی: خیابان رضا، عظیم علی کیشنر لاہور ۱۹۸۲ء ص ۷۵

(۴۰۰) روزنامہ نوائے وقت (لاہور) ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء

(۴۰۱) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۷ء ص ۲۰۸

(۴۰۲) ایضاً ص ۱۵۷

(۴۰۳) ولی مظفر رائے دوکیت: عشرتوں کے چراغ جلد سوم، مجلس کارکنان تحریک پاکستان ملتان ۱۹۸۹ء ص ۱۳۳

(۴۰۴) روزنامہ نوائے وقت (لاہور) ۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء

(۴۰۵) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۹۹۲ء ص ۲۱

(۴۰۶) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۳۷

(۴۰۷) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۸ء ص ۲۶۶-۲۶۷

(۴۰۸) ادارہ ماہنامہ تنقید الاخلاق (لاہور) جولائی ۱۹۸۷ء ص ۱۱-۱۰

9. J.E.Woolacott : India on Trial, Macmillan and company Limited London, 1929 Page - 115
10. Halide Edib : Inside India, George Allen and Unwin Limited London, 1937 Page- 30
11. P. Hardy : The Muslims of British India, Pakistan Publishing House Karachi, 1973 Page - 198.

filled up by Hindus. The depressed Muslims were facing mental torture and confronted difficulties in earning the daily commodity of life. A limited number of Hindu also left the service but alternative jobs were provided to them by thier community.

special arrangements were made to Protect Daar-ul-Uloom Deoband from disturbances just like Hindu educational institutions. Governor of united Provinces visited this daar-ul-Uloom and arranged to grant the title of "SHAMS-UL-ULEMA" to its administrator (8).

"Ulema" attached with congress declared the united India as Daar-ul-Harb and advised the Muslims to migrate to Afghanistan. Many simple mind Muslims, sold their movable and immovable Property on cheap Prices to "Hindu brothers" and went to the neighbour Muslim country. They were ordered to go back to their homeland by Afghan ruler after a short Period. However none of the "Muftis" migrated himself.

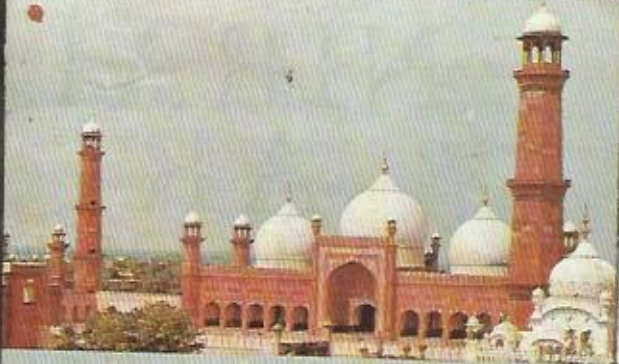
The activities of the apostle of non-cooperation and "civil disobedience " have inflicted serious injury and loss upon India, without achieving any beneficial result (9).

The khilafat movemnet had, however, two curiously contradictory results in India: that of uniting the Muslims and Hindus around a common activity; and that of dividing them (10).

P.Hardy writes : So much energy and Passion had been mobilised, and the upshot was that Muslims appeared not only rather foolish but also rather dangerous in the eyes of their Hindu fellow countrymen; foolish for Pursuing an ideal (Preservation of Khilafat) which other Muslims in the Pure Muslims lands of Arabia and Asiatic Turkey did not share, and dangerous because it seemed they could only be actively enlisted for causes which had little to do with India and into which the majority of India's Population could not enter (11).

-
1. Z.A. Suleri : My Leader, Institute of Islamic Culture Rawalpindi, 1992 Page - 92
 2. H.M.Seervai : Partition of India, Emmenem Publications Limited Bombay, 1989
Page -13
 3. Al-Quran : Al - Imran - 118
 4. Al-Quran : Al - Imran - 120
 5. a-Jawaharlal Nehru : An Autobiography, John Lane The Bodley Head London, 1936.
b-William L.Shirer : Gandhi A Memoir, Sphere Books Limited London, 1981
 6. Muhammad Abdul Hakim
Akhtar Shahjahanpuri : Rasail-e-Rizvia Volume - 2, Maktaba-e- Haamdia Lahore, 1976.
 7. Nur Ahmed : From Martial Law to Martial Law, Vanguard Books Limited Lahore,
1985 Page - 19
 8. Muhammad Anwaar-ul-Hassan,
Professor : Hayaat-e- Usmani, Maktaba Daar-ul-Uloom Karachi, 1985, Page-
158,171
-

شہر لاہور کی مہمانداری کاروائیتی انداز بٹ سویت ہاؤس کی مٹھائیاں



لاہور

ہماری ثقافت کا ایک

عظیم ورثہ

کہتے ہیں جو ایک بار

لاہور آیا وہ لاہور ہی

کا ہو کر رہ گیا۔

یہاں کے تاریخی مقامات کی سیر

اور زندہ دلان لاہور کی روایتی

مہمانداری کوئی نہیں بھول سکتا۔

بٹ

سویت ہاؤس

کی لذت اور خوش ذائقہ مٹھائیاں

ایسا مزہ جو ہمیشہ ساتھ رہے

ہمیشہ یاد رہے

Butt

sweet house

سویت ہاؤس، بیکرز اینڈ کفیکشنرز

۱۰-مین وحدت روڈ لاہور

فون:- ۵۸۶۶۰۵۴

۱۶-میکلوڈ روڈ (لکشمی چوک) لاہور

فون:- ۴۳۲۲۴۲۸